

اجرائے بلاغت قرآنیہ مع بدیع القرآن

یہ علم و کتاب

- قرآن مجید کے نظم کی تلاوت، کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہموازی اور مضامین کی عمدگی معلوم کرنے کا نادر تحفہ
- قرآن کریم کے اسلوب خطابی میں احوال کے منتظیات کی رعایت پر حکمت، اور خلاف منتظیات خطاب کرنے کا سلیقہ
- قرآن مبین کا اسلوب استعارہ و کنایہ، مجاز القرآن کا ایک قیمتی مجموعہ اور قرآن مجید سے مختلف مختلف انواع بدیعہ کا طلیعہ
- نظم قرآنی کو حاصل کرنے کے لیے خاص وزن قرآنی سے اور فواصل آیات سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ
- متذوق فنون سے متعمق ہونے اور علوم فصاحت و بلاغت کے بکھرے موتیوں کو مستحضر کرنے کے لیے بہترین خزینہ
- فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موقی برسانے والے استعارات، دل کو باغ باغ کرنے والے مجازات و کنایات کا گنبد
- دوران تلاوت بلا تکلف آنے والی انواع بدیعہ سے جذبات محبت ابھارنے والا سفینہ

مرتب

ابوالقاسم محمد الیاس بن عبداللہ گڈھوی

مدرس مدرسہ دعوت الایمان مائیک پور نکولی، نوساری، گجرات (الہند)

ادارۃ الصدیق، بی اہمیل، گجرات



اجرائے بلاغت قرآنیہ

مع بدیع القرآن

یہ علم و کتاب

- قرآن مجید کے نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری اور مضامین کی عمدگی معلوم کرنے کا نادر تحفہ
- قرآن کریم کے اُسلوبِ خطابی میں احوال کے مقتضیات کی رعایت پر حکمت، اور خلاف مقتضیات خطاب کرنے کا سلیقہ
- قرآن مُبین کا اُسلوبِ استعارہ و کنایہ، مجاز القرآن کا ایک قیمتی مجموعہ اور قرآن مجید سے مختص مختلف انواعِ بدیعیہ کا طلیعہ
- نغمہ قرآنی کو حاصل کرنے کے لیے خاص وزن قرآنی سے اور فواصلِ آیات سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ
- متنوع فنون سے متمتع ہونے اور علوم فصاحت و بلاغت کے بکھرے موتیوں کو مستحضر کرنے کے لیے بہترین خزانہ
- فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی برسانے والے استعارات، دل کو باغِ باغ کرنے والے مجازات و کنایات کا گنینہ
- دورانِ تلاوت بلا تکلف آنے والی انواعِ بدیعیہ سے جذباتِ محبت ابھارنے والا سفینہ

مرتب

ابوالقاسم محمد الیاس بن عبداللہ گڈھوی

مدرس مدرسہ دعوتِ الایمان مانک پور ٹکولی، نوساری، گجرات (الہند)

ناشر

ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

اسم کتاب: اجرائے بلاغت قرآنیہ مع بدیع القرآن
مؤلف: ابوالقاسم محمد الیاس گڈھوی (ہمت نگری)
فون: 9825914758
کمپوزنگ: مولوی ریاض بن عبید اللہ دھارا گیری
سیننگ: مفتی عبد اللہ صاحب مانگرولی
صفحات: ۴۱۳
ناشر: ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

فہرست کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں

PUBLISHER
IDARATUSSIDDIQ
DABHEL SIMLAK-396,415
DIST. NAVSARI (GUJARAT)
M;99133,19190/99048,86188
EMAIL: idaratussiddiq@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات بابرکت

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ

(سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

ہمارے مدارس عربیہ کے نصاب میں علومِ آلیہ کے طور پر جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ، ان کے ذریعہ قرآن و حدیث کو صحیح طریقہ سے سمجھا جاسکے، اگر ان علوم کی تدریس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں ان کے قواعد کے اجراء کے لیے قرآن و حدیث کی مثالیں استعمال کی جائیں، تو ان کی تدریس کا مقصود بہ احسن و جوہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بعض مدرسین اپنے طور پر یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو بہت کامیاب رہتا ہے، اور طلبہ کو بھی اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر اس سلسلے کو عام کیا جائے تو ہمارے نصاب میں علوم و فنون کی کتابوں کو پڑھانے کا مقصود بہ آسانی حاصل ہو سکتا ہے۔

ہمارے نصاب میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون میں ”علم بلاغت“ بھی ہے، اس علم کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں عموماً مذکورہ بالا طریقہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ضرورت تھی کہ اس کا ایک نمونہ طلبہ اور مدرسین کے سامنے پیش کیا جائے، اس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے مولانا محمد الیاس صاحب گڈھوی زید مجدہم (مدرس مدرسہ دعوت الایمان مانکپور ٹکولی، ضلع: نوساری، گجرات) نے یہ رسالہ۔ جو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ ترتیب دیا ہے۔

دعا کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ اس کو طلبہ اور مدرسین کے لیے نافع اور مفید بنائے، اور

تدریس کا یہ طریقہ عام فرمائے۔ فقط والسلام

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۷ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ و تائید

حضرت اقدس مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہم

(استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تصنیف و تالیفات کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے لمحہ بہ لمحہ پھیلتا چلا جا رہا ہے، کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، اور کسی فن کا کوئی موجد ہے تو کوئی مدون، کوئی ماتن ہے تو کوئی شارح اور حاشیہ نگار؛ ہر ایک کا اپنا اپنا اسلوب اور طرزِ نگارش ہوتا ہے، جب کوئی صاحبِ علم اور اہل فن ضرورت محسوس کرتا ہے تو حسبِ ضرورت فن کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے، اور عمدہ سے عمدہ طریقے سے پیش کرنے کی مقدور بھر سعی کرتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں کس قدر کامیاب ہے؟ اس کا اندازہ اصحابِ فن اور مستفیدین ہی کر سکتے ہیں؛ البتہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مؤلف کو دل و دماغ لگانا پڑتا ہے، اور زندگی کا اچھا خاصہ وجود اس راہ میں قربان کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ: فن فن میں فرق ہوتا ہے، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار، یا کوئی دشوار سمجھا جاتا ہے؛ لیکن فی الواقع دشوار نہیں، یا پیچیدہ ضرور ہے لیکن مؤلف کی مہارت و حذاقت اس کا احساس نہیں ہونے دیتی، اور اس انداز سے کتاب کے نقوش لوحِ قلب اور دماغ میں نقش کرتا چلا جاتا ہے کہ دشوار ہونے کے باوجود ذہن کسی جگہ ٹھککتا نہیں، اور مستفیدین میں مہارت پیدا کر دیتا ہے۔

ان ہی پیچیدہ سمجھے جانے والے فنون میں سے نہایت ہی دل چسپ فن ”فنِ فصاحت و بلاغت“ ہے، یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے رموز و نکات کا سمجھنا اس فن کے بغیر دشوار ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے، جس کا اندازہ کشاف، بیضاوی، تفسیر رازی اور اس طرح کی دیگر

تفسیر سے لگایا جاسکتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ضبط میں لایا جائے۔

اسی غرض سے میرے رفیق محترم مولانا الیاس صاحب زید مجدہم نے اُن تھک محنت اور حیاتِ مستعار کا قیمتی حصہ صرف کر کے طلبہ کی خدمت میں یہ قیمتی تحفہ پیش کیا ہے، موصوف انجانے نہیں؛ بلکہ مفید تحریر اور فنی کاوشوں کے حوالے سے جانے پہچانے ہیں۔

راقم کو معلوم ہے کہ: انھوں نے اس کتاب میں کس قدر تگ و دو کی ہے!؛ اس لیے سب سے پہلا قدر شناس کا تپ سطور ہے۔ میں رفیق محترم کو بے حد مبارکبادی پیش کرتا ہوں، اور طلبہ برادری سے درخواست کرتا ہوں کہ: اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں، اور مقصدِ فن: قرآنِ فہمی کو پیشِ نظر رکھ کر رسوخ پیدا کریں۔

دعا گو ہوں کہ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ موصوف اور اُن کے والدین و اساتذہ کے لیے باعثِ خیر بنائے، اور مزید اس نوع کی خدمت کے لیے موفق بنائے۔ امین یا رب العالمین

العبد ابو بکر عفی عنہ پٹنی

۵ شعبان ۱۴۳۳ھ بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى عَبْدِهِ الْفُرْقَانَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى فَصِيحِ
الْبَيَانِ، وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ لَهُمْ عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ إِمْتِنَانٌ.

دین اسلام میں علوم و فنون کی قدر و قیمت تب معتبر ہوتی ہے جب کہ اس کا مرجع
قرآن و حدیث ہو، علوم عالیہ تو فی نفسہ مقصود بالذات ہے، اور علوم آلیہ کا اصل مقصود قرآن
فہمی اور حدیث دانی ہے؛ ان فنون میں سے اہم ترین، شیریں اور حلاوت سے لبریز ”علم
بلاغت“ ہے۔ علم بلاغت اپنے آغوش میں کئی علوم لیے ہوئے ہے؛ اس لیے کسی کی
فصاحت و بلاغت کے اعتراف کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ: کئی علوم میں اُس کی مہارت
و حذاقت کو تسلیم کر لیا گیا۔

نزول قرآن کے زمانے میں عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا، خطابت
و شاعری اُن کے معاشرے کی روح رواں تھی، عربی شعر و ادب کا فطری ذوق بچے بچے میں سمایا
ہوا تھا، اور بڑے بڑے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس میدان میں کبھی ہار ماننے کے لیے
تیار ہی نہ تھے؛ بلکہ اس تعلق سے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ اسی
ماحول میں قرآن کریم اُن کو ڈنکے کی چوٹ اور ببا ننگ دُہل دعوت دیتا ہے کہ: آؤ! اور اپنی
ہمت آزمائی کرو! چناں چہ پہلے ان کو لاکر کر کہتا ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ نَقُولُهُ، بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلْيَأْنُتُوا بِحَدِيثِ مَثْلِهِ إِنْ كَانُوا

صَادِقِينَ﴾. [الطور: ۳۴]

اس آیت سے سب پر سکوت چھا جاتا ہے اور کوئی فصاحت و بلاغت کا
دعوے دار میدان میں نہیں آتا ہے، قرآن کریم پھر ان کی غیرت کو جھنجھوڑتا ہے اور یہ اعلان

کرتا ہے:

﴿قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ، وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [ہود: ۱۳]

یعنی: تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو! اور اس کام میں مدد کے لیے تمام مخلوق کو؛ بلکہ اپنے اُن معبودوں کو بھی بلا لاؤ جنہیں تم خدائی میں شریک سمجھتے ہو؛ اگر نہ کر سکو، اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ: ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔

پھر اس چیلنج کو اور آسان کرتے ہوئے اور مزید غیرت دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ، وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرہ: ۲۳]؛ یعنی: اگر تمہیں اس کلام کے کلام بشری ہونے کا خیال ہے تو جس قدر قابل اور شاعر فصحاء و بلغاء موجود ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے سوا۔ سب سے مدد لے کر ہی ایک چھوٹی سی سورت ایسی بنا لاؤ! اس پر بھی ان کی مہر سکوت ٹوٹی نہیں، اور کوئی شہ سوار اس میدان میں قدم رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔

دیکھیے! ابتدا میں پورے قرآن کی تحدیٰ کی گئی تھی، پھر دس سورتوں سے ہوئی، پھر ایک سورۃ سے؛ گویا بہ تدریج اُن غیوروں کا عجز نمایاں کیا گیا۔ اور چیلنج بھی ایک ایسی ذات گرامی کی زبانی کروایا جا رہا ہے جس نے لکھنا پڑھنا کہیں سیکھا نہیں، اور ان کے میلوں ٹھیلوں میں کوئی شعر تک نہیں پڑھا۔

حقیقت یہ ہے کہ: کلام کے معیار و مستوی کو اہل ذوق اور صاحبِ زبان ہی متعین کر سکتے ہیں، جب انھوں نے چپکی سادھ لی تو ہے کوئی جن و انس جو اس کا مثل پیش کر سکے؟ اس آیت کریمہ کو پڑھیے اور قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پر فدا ہو جائیے! ﴿قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ

بَعْضُهُمْ لِبَعْضِهِمْ ظَهِيرًا﴾. [الاسراء: ۸۸] قرآن کریم نے جب پوری انسانیت کو عاجز ٹھہرایا تو اب اس کے معجز ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآن کریم کا اعجاز ایک مستقل موضوع ہے کہ کس کس جہت و زاویہ سے یہ معجز ہے! تاہم اس کا ایک پہلو فصاحت و بلاغت ہے، جب اہل زبان اور اہل ذوق نے پیچھے ہٹ کر لی تو دوسرے حضرات سے کیا امید کی جاسکتی ہے! ان کے لیے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور رموز و اسرار کو سمجھ لیں۔

اسی غرض سے علومِ آلیہ میں علمِ فصاحت و بلاغت درسِ نظامی میں شامل ہے، اس فن اور بالخصوص قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر ماہرینِ فن نے کتابیں لکھی، اور بالآخر ہر ایک زبانِ قال سے یا زبانِ حال سے یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ: یہ بحرِ ناپیدا کنار ہے، جس قدر غوطہ زنی کرو گے اتنے ہی موتی نکلتے رہیں گے۔ صحیح فرمایا ترانِ کریم نے: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتِ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مِدَادًا﴾ [الکھف]

علمِ فصاحت و بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: علمِ معانی، علمِ بیان، علمِ بدیع۔

① علمِ معانی، اس علم سے معنی مرادی کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے؛ قرآن مجید نے اپنے اُسلوبِ خطاب میں احوال کے مقتضیات کی رعایت، اور بسا اوقات خلافِ مقتضیات خطاب فرما کر بڑے عجیب و غریب نکات کو اُجاگر کیا ہے؛ کیوں نہ کرے! بالآخر یہ کلامِ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والے علامِ الغیوب کی ذات سے نکلا ہے، جو ہر قاری و سامع کے احوال و مقتضیات کے مطابق ہے، اور ہر وقت تازہ بہ تازہ فوائد پہنچانے والا ہے۔

② علمِ بیان، اس علم سے ایک معنی و مفہوم کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) سے ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے؛ قرآن میں اُسلوبِ فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی

برسانے والے استعارات اور دل کو باغ باغ کرنے والے مجازات و کنایات پر مشتمل ہے؛ بلکہ یہ ایک معجز تحفہ الہی ہے جو قاری و سامع کے ذہن میں منقش و مرتسم ہو جانے والے مضامین پیش کرتا ہے۔

③ علم بدیع: اس علم کے ذریعے معانی کلام اور الفاظ کلام میں حسن پیدا کرنے کے طریقے بیان کیے جاتے ہیں؛ قرآن کریم نے نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی اور موقع موقع پر بلا تکلف ایسی انواع بدیعیہ پیش کی ہے جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ باری تعالیٰ خود اس کتاب کے بابت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ﴾ [الحجر: ۱]، یعنی اس قرآن کی آیتیں ایسی ہیں جس کے اُصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ گن ہیں۔

مزید یہ کہ: کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری (موتیوں کا حسین مرقع) اور فواصل آیات کی نغمہ سنجی میں اس قدر موزون ہے کہ: طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

فنونِ بلاغت اور کلام مجید

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی نظر میں

فنونِ بلاغت سے جس طرح قرآن مجید کا اعجاز سمجھ میں آتا ہے اسی طرح اُن سے ناواقفیت، فہمِ مرادِ خداوندی میں دشواریوں کا بھی باعث بنتی ہے؛ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ میں ”نظمِ قرآنی کے معانی اور فہمِ مرادِ خداوندی میں پیش آنے والی دشواریوں کے اسباب“ کے ضمن میں بیان کردہ اکثر اسباب وہ ہیں جن کا تعلق علومِ بلاغت سے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ عظیم نہایت واضح خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اسی وجہ سے عرب اپنی فطری صلاحیت سے منطوقِ کلام کے معانی اچھی طرح سمجھتے تھے؛ لیکن

جب عجمی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور اصلی عربی زبان چھوڑ دی گئی، تو بعض جگہوں پر مرادِ خداوندی کا سمجھنا دشوار ہو گیا، جس کے اسباب مندرجہ ذیل رہے:

- ① غریب لفظ (وہ قلیل الاستعمال لفظ جس کے معنی بوجہ قلت استعمال مخفی ہو گئے) کو نہ جاننا ② نسخ و منسوخ کو نہ جاننا ③ اسباب نزول کو نہ جاننا ④ حذف مضاف و حذف موصوف وغیرہ کا ہونا (جو مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے) ⑤ ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنا (مجازِ مرسل، مجازِ عقلی اور استعارہ) ⑥ ایک اسم، فعل یا حرف کو دوسرے سے بدلنا ⑦ تقدیم ماحقہ التاخیر کا ہونا (علم المعانی) ⑧ ایک جملے کو دوسرے جملے سے بدلنا (مجازِ مرکب مرسل) ⑨ ضمائر کے مراجع کا مختلف ہونا (علم البدیع) ⑩ تکرار کا ہونا (اطناب) ⑪ ایجاز و اختصار کا ہونا (ایجاز) ⑫ کنایہ کا استعمال (کنایہ) ⑬ تعریض کا اسلوب (کنایہ) ⑭ تشبیہ کا اسلوب (علم البیان) ⑮ مجازِ عقلی کا اسلوب اختیار کرنا (مجاز)۔ (ملخص من الفوز الکبیر)

دیکھیے! ان اسباب میں سے پہلے تین کے علاوہ سب کا تعلق فنونِ بلاغت سے ہے۔

اس فن میں ہم اپنی حقیر سی کاوش پیش کر رہے ہیں۔ اس کا داعیہ یوں پیدا ہوا کہ ہمارے یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً اُن میں شعر اور اُدبا کے کلام کو پیش کیا جاتا ہے، جب کہ قرآن وحدیث سے خال خال ہی مثالیں پیش کی گئی ہیں، حالاں کہ مقصود تو یہی تھا، ہم ضمنی پہلو پر رُک گئے! اور اصل مقصود کو ہاتھ سے جانے دیا؛ اس لیے سوچا یہ گیا کہ: اس فن کی اصطلاحات کو اردو زبان میں، حتیٰ الوسع اُمثلہ کو کلام اللہ و کلام الرسول سے دی جائیں، اور ناگزیر مقامات میں ہی شعر کے کلام کو لایا جائے۔

بات رکتی ہے طریقہ تالیف پر کہ: آخر طریقہ تالیف کیا ہو؟ اس سلسلے میں تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی۔ شاید کئی حضرات میرے ہم نوا ہوں گے۔ کہ اجرائی طریقہ مفید اور اوقع فی الذہن ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ”احسراء نحو و صرف“ کے بارے میں مستفیدین کے تاثرات معلوم کیے؛ چنانچہ اس کتاب کے ابواب و مضامین کی ترتیب میں بھی وہی اجرائی طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، اور ذہن و دماغ میں اس فن کے سلسلے میں جو دہشت بیٹھی ہوئی ہے اس کو

دور کرنے، اور سہل سے سہل تر انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ وباللہ التوفیق
باری تعالیٰ ہمیں کلام اللہ اور کلام الرسول کی فصاحت و بلاغت سمجھنے کی طلب اور محنت کی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتاب میں کام کی نوعیت

- ① بلاغت کی اصطلاحات کو بہ زبانِ اردو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
- ② اجرائی اسلوب اختیار کیا ہے؛ تاکہ کلامِ الہی میں اجراء کرنا آسان ہو جائے۔
- ③ حتیٰ الوسع قرآن مجید و حدیث رسول سے مثال پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ اس علم کے پڑھنے پڑھانے کے اصل مقصد تک رسائی ہو جائے۔
- ④ حواشی میں آیت و احادیث کا ضروری مطلب تحریر کر لیا ہے؛ تاکہ مضمون و محلِ استشہاد سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔
- ⑤ مثالوں میں اشعار و امثالِ عرب کو ذکر کرنے سے کافی حد تک احتراز کیا ہے۔
- ⑥ علمِ بدیع میں ایسی بہت سی اصطلاحات کا اضافہ کیا ہے جن کا تعلق صرف اور صرف کلامِ الہی سے ہے۔
- ⑦ وہ اصطلاحاتِ معروفہ جن کو عام کتبِ بدیع میں شعر کے ساتھ خاص رکھا گیا ہے حالاں کہ وہ نثر میں بھی جاری ہیں، تو ایسے مواقع میں نثر کی قید کے اضافہ کے ساتھ مثال بھی کلامِ الہی یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- ⑧ علمِ بدیع کی اصطلاحات۔ جس کو ضبط میں لانا دشوار سا ہے۔ کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر ایک نئے مناسب سانچے میں ڈھالنے کی ادنیٰ کوشش کی گئی ہے۔ فَللّٰہِ الْحَمْدُ وَلِلّٰہِ الْمِنَّةُ۔
- ⑨ دو ملتبس اصطلاحوں کے درمیان کا فرق حاشیہ میں تحریر کیا ہے۔
- ⑩ آیت کے پسِ منظر اور محلِ استشہاد کو حاشیہ میں ذکر کرنے کا کافی حد التزام کیا ہے۔

کلماتِ تشکر و امتنان

ستار العیوب، منعم حقیقی کی بڑی عنایات اس عاجز گناہ گار پر ہوئیں کہ: اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کے کلام کی فصاحت و بلاغت کو کسی حد تک سمجھنے کی ہمت، توفیق اور سعادت عطا فرمائی، اور اپنے گناہوں کی نحوست سے محروم نہ فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ.

بعد ازاں میں اپنے والدین، اساتذہ، رفقاء، طلباء اور دیگر محسنین کا تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں، جن کی دعاؤں، محنتوں، محبتوں اور کاوشوں کے نتیجے میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا؛ ورنہ یہ عمل مجھ حقیر کی بساط سے باہر تھا، بالخصوص حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خاں پوری دامت برکاتہم العالیہ کا جنہوں نے اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود قیمتی تحریر عنایت فرمائی۔ نیز مشیر محترم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)، مولانا امتیاز صاحب کاکوسی و مفتی عرفان صاحب پٹیل ہنگلوٹی (اساتذہ حدیث مدرسہ دعوت الایمان مانکپور ٹکولی) اور مولانا فضل صاحب پالن پوری (استاذ بلاغت دارالعلوم چھاپی) کا بھی، جنہوں نے مختلف اوقات میں احقر کا علمی تعاون کیا۔

بڑی ناقدری کی بات ہوگی اگر اس موقع پر مدرسہ دعوت الایمان مانک پور ٹکولی کے بانی مبانی، یورپ کے امیر اور اُمت کو ہر وقت اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے والے حضرت حافظ محمد پٹیل صاحب - رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ - کو یاد نہ کیا جائے، کہ حضرت والا اخیر تک احقر کو اس کی دیگر کاوشوں کی طرح اس کاوش پر بھی برابر اپنی خصوصی عنایتوں اور دعاؤں سے نوازتے رہے! اللہ تعالیٰ حضرت والا کو مستفدین اور امت کی طرف سے اجرِ جزیل عطا فرمائے اور اپنا خصوصی قرب نصیب فرمائے۔

نیز مدرسہ دعوت الایمان مانک پور ٹکولی سے اس سال سند فراغت حاصل کرنے والے

علمائے کرام اور درجہ عربی چہارم کے طلبہ عظام کا بھی ممنون و مشکور ہوں کہ: جنہوں نے عملی اجراء کر کے احقر کا بڑا تعاون کیا ہے۔ فَجَزَاهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

کلماتِ دعائیہ: مُنَزَّلِ قرآن، صاحبِ کلام کی بارگاہِ عالی میں بہ وسیلہ صاحب التبیان صلی اللہ علیہ وسلم التجا ہے کہ: وہ ذاتِ عالی ہم کو حسن ادا کے زیور سے آراستہ، اعجازِ قرآن سے سرشار اور مضامینِ الہی سے مرعوب ہو کر کلامِ الہی کی تلاوت کرنا نصیب فرمادیں؛ نیز حضرت صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ بابرکت کی جامعیت سمجھا دے؛ اور ذریعہ کے طور پر اس کتاب کو قبول فرمالے! آمین یارب العالمین بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَفْيِدَةً مِنَ الطَّالِبِينَ
تَهْوِي إِلَيْهِمْ، وَاَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ
بندہ: محمد الیاس عبداللہ گڈھوی
بمقام: مدینۃ المنورہ، نزدِ اقدامِ عالیہ
بعد عصر، ۳: محرم الحرام، ۱۴۳۳ھ

قرآن مجید کا وزن اور کافیہ

چوں کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی دونوں مقصود ہیں دیگر کتب سابقہ میں مقصود صرف معانی ہی تھے اس لیے ان میں تحریف لفظی و معنوی ہوئی ہے، جب کہ کلام اللہ (قرآن مجید) پورا مغز ہی مغز ہے اس کے الفاظ بھی معانی کے ساتھ مقصود ہیں؛ اسی بنا پر قرآن مجید میں مخصوص وزن قرآنی کا خاص لحاظ کیا گیا ہے۔

شیخ مصطفیٰ رافعیؒ نے لکھا ہے کہ: ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ پوری یگانہ اور مناسبت رکھتی ہے، پورے قرآن میں ایک ایسی یکسانیت پائی جاتی ہے کہ: معلوم ہوتا ہے پورا قرآن قطعہ واحدہ ہے، جب کہ ہر بلیغ سے بلیغ کے کلام میں تفاوت پڑ جاتا ہے۔

محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: قرآن کے کلمات اور ان کی نشست اس قدر صحیح صحیح ہے کہ: اس میں ادنیٰ کمی بیشی یا ہیر پھیر نہیں ہو سکتا؛ بلکہ متوسط فہم رکھنے والا بھی اس کے خلاف کو برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائے کہ وہ علوم بلاغت میں مہارت بھی رکھتا ہو، چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى﴾ اگر ساری دنیا کے فصحا اور بلغاء جمع ہو کر بھی کلمہ ”ضِيزَى“ کا بدل لانا چاہے تو نہیں لاسکتے، یہی حال پورے قرآن کے ہر ہر کلمہ کا ہے۔ اگر آدمی کا ذوق صحیح ہو جائے تو وہ اس بات پر عیش عیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وزن قرآن کے مضمون کو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ میں بڑے انوکھے اور دل چسپ انداز میں تحریر فرمایا ہے؛ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ نے مخصوص وزن اور مخصوص کافیہ کا خیال رکھتے ہوئے سورتوں کو آیتوں میں اس طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح شعر اقصاد کو ابیات و اشعار میں تقسیم کرتے ہیں، اسی وجہ سے آیات و ابیات دونوں ہی کو ترنم و خوش الحانی سے پڑھا جاتا ہے، اور قاری و سامع کلام سے

لطف اندوز ہوتا ہے؛ لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے تو آیات و ابیات میں بڑا فسق ہے؛ کیوں کہ: (۱) ابیات کا مدار اُن مخصوص اوزان و قوافی پر ہے جن کو خلیل نحوی نے مدوّن کیا ہے، جب کہ آیات کا مدار اُس اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے جس سے ایسا سُراور نغمہ پیدا ہوتا ہے جو فطرتِ سلیمہ کو اپنی طرف کھینچا ہی چلا جاتا ہے؛ فاروقِ اعظم نے ابتداءً وہ نغمہ ہی تو سُنا تھا جس نے آپ کو قاتل بننے کے بجائے قاتل بنا کر چھوڑا۔

نیز ان دونوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ: محبتِ غنا اور محبتِ قرآن میں ”مانعۃ الجمع“ کی نسبت ہے، یعنی اگر ان میں سے ایک دل میں آیا تو دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے۔ بارہا مشاہدہ ہوا کہ جو غنا پر فریفتہ ہوا اس کو قرآن سے بُعد ہو گیا۔

① وزنِ قرآن: باری تعالیٰ نے سانس کی فطری درازی کو قرآنِ مجید کا وزن بنایا ہے، اور اسی پر آیاتِ کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، یعنی: سانس کے چھوٹے بڑے ہونے کا لحاظ کر کے قرآنِ مجید میں آیات کو موزون کیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی تازہ سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس وزن (سانس کی فطری درازی) کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے: طویل، قصیر،

متوسط۔

② قافیہ: سانس کا حرفِ مدہ پر، اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرفِ مدہ (واو، الف، یاء) کا اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے، یہ ایک ایسا عام قافیہ ہے جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے؛ اوّل کی مثال: ﴿وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۝ وَمَا قَلٰی ۝﴾؛ ثانی کی مثال: ﴿يَعْلَمُونَ ۝ مُؤْمِنِينَ ۝ مُسْتَقِيمِينَ﴾ بھی ہم قافیہ ہیں؛ کیوں کہ ان تمام کلمات میں سانس حرفِ مدہ (میم، نون، قاف) پر جا کر ختم ہوتا ہے جس پر حرفِ مدہ کا اعتماد ہے۔

③ حرفِ رَوِی کے مختلف ہوتے ہوئے کلمے کے آخر میں الف کا آنا بھی قرآنِ مجید کا ایک قافیہ ہے، جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، جیسے: ﴿كَرِيمًا، حَدِيثًا، بَصِيرًا﴾۔

ملفوظ: ان کلمات میں حرفِ رَوِی: میم، ثاء اور راء ہیں، نہ کہ الف؛ کیوں کہ آخری کلمے کی تنوین، بدلِ تنوین (نونِ تشنیہ وغیرہ) اور آخری حرف کی حرکت سے اشباعاً پیدا ہونے والا حرف، رَوِی میں داخل نہیں۔

④ ہر آیت کے آخر میں ایک ہی حرف کا آنا بھی لذت بخش اور فرحت افزا ہے، جیسے: ﴿الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝﴾۔

⑤ ایک ہی جملے کو بار بار ذکر کرنا بھی باعثِ لذت ہے، جیسے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ۝﴾ [القمر]؛ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝﴾ [الرحمن]؛ یہاں اس جملے کے بار بار آنے سے طبیعت میں فرحت و سرور کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

⑥ سامع میں نشاط پیدا کرنے اور کلام کی لطافت کو واضح کرنے کے لیے آہستہ فواصل کو ابتدائی فواصل سے مختلف لانا بھی موجبِ فرحت و انبساط ہے، جیسے سورہ فرقان کے ابتدائی فواصل: ﴿نَذِيرًا ۝ تَقْدِيرًا ۝ نُشُورًا ۝ زُورًا ۝ أَصِيلًا ۝ رَحِيمًا ۝﴾ ہیں؛ جب کہ آخر کے فواصل: ﴿سَاجِدِينَ ۝ كَافِرِينَ ۝ مُنْظَرِينَ ۝﴾ وغیرہ آئے ہیں۔

④ آیت کا آخری کلمہ قافیہ بننے کے لائق ہوتا ہے تو اس کو قافیہ بنایا جاتا ہے؛ ورنہ آیت کے آخر میں تشابہ اطراف کے قبیل سے ایک ایسا جملہ بڑھایا جاتا ہے جو بنیادی عقائد، منعم حقیقی کی نعمتوں یا مخاطب کو تنبیہ کرنا وغیرہ اہم مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝﴾، ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾، ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝﴾۔

۸) کلام میں حلاوت پیدا کرنے کے لیے شروع کے فقرے آخر کے فقروں سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، جیسے: ﴿خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝﴾ [الحاقة: ۳۰]۔

۹) حسنِ ظاہری کے ساتھ حسنِ معنوی کی آمیزش کے لیے چھوٹی آیتوں کے ساتھ ایک لمبی آیت لائی جاتی ہے، جیسے سورہ مزمل میں چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آخری آیت بہت لمبی ہے؛ اسی طرح سورہ مدثر میں بھی ہے۔

حسنِ ظاہری اور حسنِ معنوی

حسنِ کلام کی دو قسمیں ہیں: حسنِ ظاہری، حسنِ معنوی:

حسنِ ظاہری: وہ حسن ہے جو وزن کی یکسانیت اور قافیہ کی رعایت سے پیدا ہوتا ہے۔
حسنِ معنوی: وہ حسن ہے جو تین باتوں سے پیدا ہوتا ہے: ① زبان سے کلام کی ادائیگی کا آسان ہونا ② کلام کا اپنے فطری انداز میں رواں ہونا ③ شروع سے اخیر تک کلام کا ایک انداز میں ہونا۔ اب سمجھیے! کہ جب قاری قرآن چھوٹی چھوٹی آیتوں کے حسنِ ظاہری سے محظوظ ہو رہا ہوتا ہے، اور اسی انداز کی آیت کا منتظر رہتا ہے کہ اچانک حسنِ معنوی سے بھرپور، علم و حکمت سے لبریز لمبی آیت لائی جاتی ہے، جس سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے، اور تذبذب کرنے والا ایسے مواقع میں حسنِ معنوی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

۱۰) قرآن مجید میں نئے اوزان و قوافی کو استعمال فرمایا ہے؛ تاکہ یہ نرا لے لذت بخش اوزان و قوافی نبی اُمی ﷺ کی رسالت پر واضح دلیل ثابت ہوں؛ جب کہ اکثر سورتوں میں کلام کو وزن و قافیہ کی رعایت کیے بغیر بڑے بڑے خطباء کی تقاریر اور نامور حکیموں کی کہاوتوں کے طرز پر پیش کیا ہے، جیسا کہ حدیثِ امّ زرع کے قوافی اور اس کا اندازِ بیان ہے؛ نیز اکثر مقامات میں عربوں کے رسائل کے نہج پر آپسی عام گفتگو کا انداز

اختیار فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے خدا نے واحد و ذوالجلال بلا واسطہ بندے مخاطب ہے۔ (الفوز الکبیر، عون الکبیر، الخیر الکثیر، عمدۃ النصح ملخصاً)

یہ وہ امور ہیں جن کی طرف توجہ کرنے والا اور تدبیر سے کلامِ الہی کی تلاوت کرنے اور سننے والا بے اختیار ھَذَا کَلَامُ رَبِّیْ! ھَذَا کَلَامُ رَبِّیْ! کا ورد کرنے لگتا ہے۔

مقدمہ علم

در فصاحت و بلاغت

سوالات فصاحت و بلاغت

- ① فصاحت کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟
- ② فصاحت کلمہ کس کو کہتے ہیں؟
- ③ تنافر حروف، مخالفت قیاس لغوی اور غرابت و کراہت فی السمع کس کو کہتے ہیں؟
- ④ فصاحت کلام کس کو کہتے ہیں؟
- ⑤ تنافر کلمات، ضعف تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی اور کثرت تکرار، و متابع اضافت کی تعریفات کیا ہیں؟
- ⑥ بلاغت کی تعریف کریں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟
- ⑦ حال، مقتضائے حال اور مطابقت کی تعریف کریں؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ؛ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أُوتِيَ جَوَامِعُ الْكَلِمِ؛ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ.

فصاحت: (لغوی معنی) ظاہر ہونا، بیان کرنا جیسے: ﴿وَأَخِي هُرُونٌ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي
لِسَانًا..﴾ [قصص: ۳۴]؛ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: اَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ، بَيِّنْدَ أَنِّي مِنْ
قُرَيْشٍ ①. [معجم کبیر للطبرانی]

فصاحت: (اصطلاحی تعریف) گفتگو میں ایسے الفاظ کو پیش کرنا جو صاف ہوں، ظاہر
ہوں، سنتے ہی فوراً سمجھ میں آجاتے ہوں اور ان کے عمدہ ہونے کی وجہ سے ادباء و شعراء کے
درمیان بکثرت استعمال ہوتے ہوں۔

فصاحت تین چیزوں سے متعلق ہوتی ہے: فصاحتِ کلمہ، فصاحتِ کلام، فصاحتِ متکلم۔

فصاحت کلمہ

فصاحتِ کلمہ: فصیح کلمہ وہ ہے جو عیوبِ اربعہ (تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس لغوی،
غرابت اور کراہت فی السمع) سے خالی ہو۔

تنافرِ حروف: کلمے کی وہ (ترکیبی) کیفیت ہے جس سے کلمے کا تلفظ دشوار ہو اور اس کا
سننا ناگوار معلوم ہو، جیسے: ظَشُّ کھڑ درِ جگہ، هُغْخُغٌ ②.

① یعنی: فرعون کے سامنے اگر بحث و مناظرہ کی نوبت آجائے تو ممکن ہے کہ: میری زبان بولنے میں رکاوٹ ڈالے،
”اور میرے بھائی ہارون کی زبان میرے مقابلے میں زیادہ صاف ہے“۔ حدیثِ رسول ﷺ کے لیے بدیع القرآن
میں ”تاکید المدح بمایشبہ الذم“ کی صورتِ ثانیہ ملاحظہ فرمائیں۔

② هُغْخُغٌ یہ کڑوے بدبودار درخت کا نام ہے۔

ملحوظہ (۱): تنافرِ حروف میں وہ کلمات بھی داخل ہیں جن کو متکلم اپنے سامعین کو تھکانے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد
کرتا ہے جن کی واقعی کوئی اصل نہیں ہوتی، جیسے: ظَشُّ، عَقَجَقُ، شَصَصَاء. (علم البیان)

ملحوظہ (۲): بسا اوقات ایک ہی کلمے کے چند حروف کے مخرج میں غایتِ قرب یا غایتِ بعد کا ہونا تلفظ میں
دشواری کا باعث ہوتا ہے، اسی وجہ سے کلامِ عرب میں ادغامِ مثلیں و متقاربین اور ابدال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ ③

مخالفت قیاس لغوی: کلمے کا قانونِ صرفی کے خلاف ہونا، جیسے وزنِ شعری کی رعایت میں شاعر نے بجائے ”الْأَجَلُّ“ کے ”الْأَجَلُّ“ کہا ہے: شعر:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْأَجَلِّ ﴿٥﴾ الْوَاحِدِ الْفَرْدِ الْقَدِيمِ الْأَوَّلِ ﴿٦﴾

غرابت: کلمے کا معنی ظاہر نہ ہو، یا تو اجنبی ہونے کی وجہ سے یا استعمالِ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے: تَكَأُ بِمَعْنَى جَمْعٍ هَوَا، اِفْرَنْقَعَ الْقَوْمُ عَنِ الشَّيْءِ بِمَعْنَى: الْكَ هَوَا، اِطْلَحَمَّ بِمَعْنَى دَشَوَّار هَوَا ﴿٥﴾۔

۵ لیکن یہ امر کلی نہیں ہے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿أَلَمْ نَأْخُذْ بِأَعْيُنِنَا﴾ [یس: ۶۰] میں لفظ ﴿أَعْيُنِنَا﴾ کا ہمزہ، عین اور ہاء قریب المخارج ہیں؛ لیکن ذوقِ صحیح والے کو نقل محسوس نہیں ہوتا؛ لہذا یہ لفظ تنافر میں داخل نہ ہوگا۔ ہاں! کبھی مقتضائے حال کے مطابق ثقیل کلمات کو ذکر کرنا بھی فصاحت کا مظہر ہوتا ہے، اور اس وقت یہ علم البدیع کے ”اختلف اللفظ مع المعنى“ کے قبیل سے ہوگا، جیسے باری تعالیٰ نے غزوہ تبوک کی تمہید میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ ائْتِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [التوبة: ۳۸]، یعنی: جب تمہیں اللہ کی راہ میں کوچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر گرے جاتے ہو۔ یہاں (ائتاقلتم) یہ موقع کی دشواری کی طرف مشیر ہے؛ کیوں کہ یہ تبوک کا موقع ہے، جب کہ سخت گرمی تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوش گوار تھا، پھر اس قدر بعید مسافت طے کرنا کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔ اسی طرح ﴿أَتْلَزِمُكُمْ هَا وَأَتْلَزِمُكُمْ هَا﴾ [هود: ۳۸] میں ﴿أَتْلَزِمُكُمْ هَا﴾ ہے۔ (علم البیان)

① ”تمام تعریضیں بزرگ و برتر خدائے واحد کے لیے ہیں“۔ معلوم ہونا چاہیے کہ: مخالفتِ قیاس لغوی سے مراد وہ کلمات ہیں جو واضح کی وضع اور استعمالِ عرب کے خلاف ہوں؛ لہذا جو کلمہ واضح کے وضع کے موافق ہو اگرچہ مخالفِ قیاس کیوں نہ ہو، وہ مخالفتِ قیاس میں داخل نہ ہوگا، پس آل و ماء۔ جن کی اصل اهل و موءہ ہے۔ کا ابدالِ خلافِ قیاس ہے؛ لیکن واضح سے ثابت ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے؛ اسی طرح مشرق و مغرب کا بالکسر ہونا مخالفِ قیاس ضرور ہے؛ لیکن استعمالِ عرب کے موافق ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے۔ (جواہر البلاغت)

② غرابت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ لفظ کے معنی بڑی مشقت کے بعد، معاجم میں بہت زیادہ چھان بین کے بعد ملتا ہو۔ ۲۔ دو یا چند معانی میں مشترک لفظ کو بلا قرینہ اس طرح استعمال کیا ہو جس سے مقصود سمجھنے میں سامع کو حیرت ہوتی ہو، جیسے ”مسرّج“ کا لفظ ایک شاعر نے ذکر کیا ہے؛ لیکن ائمہ لغت و معنوں کی طرف گئے ہیں، کسی نے باریکی اور استواء کو مراد لیا ہے تو کسی نے چمک دمک مراد لی ہے۔

ملحوظہ: لفظِ مشترک کے کسی ایک معنی مرادی پر دلالت کرنے والے قرینہ کو ذکر کرنے سے غرابت نہیں رہتی، جیسے ارشادِ باری ہے ﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ﴾ [اعراف: ۱۵۷] اس میں تعالیٰ نے ﴿عَزَّرُوهُ﴾ لفظِ مشترک کو ذکر کیا ہے جو تعظیم و اہانت میں مشترک ہے؛ ساتھ میں ”نصرت“ کو ذکر کیا ہے جو تعظیم کے معنی مراد لینے پر قرینہ ہے۔

کراہت فی السمع: کلمے کا سیاق کلام کے اعتبار سے ایسا نامانوس ہونا کہ سلیم الطبع اُسے ناپسند کرتا ہو اور کان سننے کو تیار نہ ہو؛ اگرچہ وہ کلمہ بذاتِ خود فصیح کیوں نہ ہو، جیسے: خَوْعَمَ بمعنی: احمق؛ گرِیْمُ الجِرِثْمِ ①۔

فصاحت کلام

فصاحت کلام: فصیح کلام وہ ہے جس کے تمام کلمات فصیح ہوں، نیز وہ کلام تنافر کلمات، ضعف تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی اور کثرت تکرار ②، و تتابع اضافت سے خالی ہو ③۔ یعنی: فصیح کلام وہ ہے جس کے الفاظ آسان ہوں، معنی واضح ہو اور ترکیب بھی عمدہ ہو، جیسے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ④۔

تنافر کلمات: چند کلمات کا کلام میں اس طرح جمع ہو جانا کہ ان کا تلفظ زبان پر گراں ہو؛ اگرچہ وہ کلمات انفرادی طور پر فصیح کیوں نہ ہوں، جیسے: مِثْلُكَ يَجْهَدُ فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرِيعَةِ الْغَرَاءِ، اس مضمون کو اس مصراع سے تعبیر کیا: ”فِي رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ“ ⑤۔

① دیکھیے! جِرِثْمِ یہ نفس کے معنی میں ہے اور یہ مقام مقام مدح ہے جس میں ایسے شریں کلمات ذکر کیے جاتے ہیں جو بقیہ کلمات کے مناسب ہوں؛ لہذا گرِیْمُ الجِرِثْمِ شریف النسب میں ”الجِرِثْمِ“ موجب کراہت فی السمع ہے؛ لیکن لَيْثِیْمُ الجِرِثْمِ قَبِيحُ النَّسَبِ میں یہ کراہت نہ ہوگی۔ (علم البیان)

② کسی چیز کو دوبارہ ذکر کرنا ”تکرار“ کہلاتا ہے، جو نخل بالفصاحت نہیں؛ اور تین مرتبہ ذکر کرنا کثرت تکرار کہلاتا ہے، پھر اگر کثرت تکرار سے ان کلمات کو زبان سے ادا کرنا دشوار ہو، اور ان کا سننا کانوں پر ناگوار معلوم ہو تو وہ محفل بالفصاحت ہے، ورنہ نہیں؛ لہذا باری تعالیٰ کے سرمان: ﴿وَتَنْفِيسٍ وَمَا سَوَّهَا﴾ ⑥ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ⑦ [الشمس]، میں ”ہاء“ کی تکرار، نیز یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمان نبوی ﷺ: ”الْكَرِيمُ بْنُ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ“ میں ”کریم“ کی تکرار نخل بالفصاحت نہ ہوگی۔ (جواہر) بزیدہ

③ تتابع اضافت: یعنی کسی اسم کا اس طرح مضاف ہونا کہ ایک مضاف دوسرے مضاف سے پے در پے ملا ہوا ہو، اور اس سے کلام میں ثقل پیدا ہو؛ لیکن اگر وہ کلام باوجود تتابع اضافت کے ثقیل نہ ہو تو وہ نخل بالفصاحت نہ ہوگا، جیسے: فرمانِ الہی: ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكِرًا﴾ ⑧ [مریم: ۲۰] نیز ﴿مِثْلُ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ﴾ [غافر: ۳۸] میں تتابع اضافت نخل بالفصاحت نہ ہوگی؛ کیوں کہ ان کی ادائیگی میں دشواری اور سُنے میں ناگواری نہیں۔ (علم المعانی)

④ اسلامی شریعت کے عرش (شامیانہ تخت سلطنت) کو بلند کرنے میں تجھ جیسا ہی کوشش کیا کرتا ہے، اس کو اس ⑤

ضَعْفِ تَالِیف: کلام کی ترکیب مشہور قواعد نحویہ کے خلاف ہو، مثلاً: لفظاً اور ترتیباً اضمار قبل الذکر کا لازم آنا، جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے:

وَلَوْ أَنَّ مَجْدًا أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِدًا ﴿٥٦﴾ مِّنَ النَّاسِ أَبْقَىٰ مَجْدُهُ الدَّهْرَ مُطْعِمًا ①

تعقید: کلام کا معنی مرادی پر دلالت کرنے میں غیر واضح ہونا، کہ معنی مرادی پر واقفیت کے لیے غور و فکر کرنے اور ذہن کو تھکانے کی احتیاج ہو ②۔

پھر خلل کے واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں: تعقید لفظی، تعقید معنوی۔

تعقید لفظی: کلام کے کلمات کو اپنی اصلی جگہوں سے مقدم و مؤخر کرنا، حذف بلا قرینہ کا ارتکاب کرنا، اضمار قبل الذکر کا لازم آنا، اسی طرح اجنبی سے فصل کرنا؛ جس کی وجہ سے کلام کا معنی و مراد واضح نہ ہو، جیسے: مَا قَرَأَ وَاحِدًا نَدِيمٌ مَعَ كِتَابًا إِلَّا أَخِيهِ ③۔

② مصراع میں رفع، عرش اور شرع کے جمع ہونے سے اس کا تلفظ دشوار ہو گیا ہے۔

اور جیسے: كَرِيمٌ مَتَى أَمَدَحَهُ أَمَدَحُهُ وَالْوَرَىٰ مَعِي؛ وَإِذَا مَا لَمُنْتُهُ لَمُنْتُهُ وَخَدِي؛ یہاں قریب الخارج حروف کے اجتماع کے ساتھ تکرار بھی پائی گئی ہے جس سے ثقل پیدا ہو گیا ہے؛ ورنہ نفسِ حاء اور هاء کا اجتماع ثقل بالفصاحت نہیں، جیسے فرمان الہی: ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ میں اجتماع ہے۔

ملحوظ: متنافر حروف میں تنہا اس ایک کلمے کا تلفظ دشوار ہوتا ہے، جب کہ متنافر کلمات میں تنہا کلمات کا تلفظ دشوار نہیں ہوتا؛ بلکہ چند کلمات کی اجتماعی کیفیت سے تلفظ میں دشواری آتی ہے۔

① مطعم بن عدی رؤسائے مکہ میں سے تھے اور مشرکین کے مقابلے میں آپ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے تھے؛ ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے کہ: اگر زمانہ کسی کو بزرگی کی وجہ سے ہمیشہ ہمیش کی زندگی دیتا تو مطعم بن عدی کو دیتا۔ اس جگہ ”مَجْدُهُ“ کی ”ہ“ ضمیر متصل بفاعل، مطعم کی طرف لوٹ رہی ہے جو (مرجع) لفظاً اور ترتیباً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے؛ حالاں کہ مشہور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے مرجع کا لفظ یا ترتیباً مقدم ہونا ضروری ہے۔

ملحوظ: اگر کلام نحوی متفق علیہ قاعدے کے خلاف ہو تو وہ کلام فاسد ہو جائے گا، جیسے: فاعل کو جر دینا، مفعول کو رفع دینا وغیرہ۔ (علم المعانی)

② یاد رہے کہ: کلام کے گہرے معانی اور عمدہ نکات کے لیے ذہن کو تھکانا یہ ایک مفید امر ہے جس سے کلام میں لطافت پیدا ہوتی ہے، نہ کہ تعقید؛ جب کہ تعقید میں بلا فائدہ معنی مرادی کو سمجھنے کے لیے ذہن کو تھکانا ہوتا ہے۔ (علم البیان)

③ یہ عبارت اصل میں مَا قَرَأَ نَدِيمٌ مَعَ أَخِيهِ إِلَّا كِتَابًا وَاحِدًا ہے؛ لیکن غیر مناسب ترتیب کی وجہ سے کلام کا مطلب واضح نہیں ہو رہا۔

تعقید معنوی: کلام سے مراد لیے ہوئے معانی مجازیہ یا معانی کنائیہ سمجھنے میں پیچیدگی ہو، اس طور پر کہ: متکلم معنی مجازی یا معنی کنائی کو ادا کرنے کے لیے عرب کے عرف و عادت اور ان کے طریقہ تعبیر کے خلاف ایسی تعبیر لائے جس میں ذہن معنی اصلی سے معنی مجازی یا کنائی کی طرف منتقل نہ ہو، جیسے: جاسوس کا معنی ادا کرنے کے لیے مستعمل لفظ عین کے بجائے لفظ لِسَان کو ذکر کرنا اور کہنا: **نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِينَةِ** ①؛ اسی طرح جُمُودِ عین (آنکھوں کا خشک ہونا) سے رنج و ملال کا کنایہ کرنے کے بجائے مسرت و شادمانی کا کنایہ کرنا، عرب کے استعمال اور ان کے عرف و عادت کے خلاف ہے۔

فصاحت متکلم: عمدہ تعبیرات اور بلند اسالیب کے پڑھنے، منظوم و منثور کلام کو رٹنے اور کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حفظ کرنے اور سمجھنے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم اپنے مقصود و مضمون کو فصیح الفاظ ② میں ادا کرنے پر بخوبی قادر ہو، خواہ کلام جس مضمون سے بھی متعلق ہو۔

بلاغت

بلاغت: (لغوی معنی) وصول اور انتہاء کے ہے، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ [الكهف: ۶۱]؛ ﴿إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ﴾ ③ [الطلاق: ۳]

بلاغت: (اصطلاحی تعریف) اُن ادبی قواعد کو جاننا ہے جس کے ذریعہ متکلم عظیم واضح معنی کو ایسی فصیح عبارت میں ادا کرنے پر قادر ہو جو مقتضائے حال کے مطابق ہو، محسنات ذاتیہ

① لفظ عین بول کر جاسوس مراد لینا تو مشہور ہے اور قرینہ بھی ہے کہ جاسوسی کرنے والا آنکھ سے مدد لیتا ہے؛ لیکن زبان بول کر جاسوس مراد لینا اہل عرب کے محاورہ میں مستعمل نہیں۔

② فصیح الفاظ کا مطلب: یہ ہے کہ وہ الفاظ مذکورہ عیوب (تنافر حروف و کلمات، غرابت، مخالفت قیاس لغوی، ضعف تالیف اور تعقید کی دونوں قسموں) سے پاک ہوں۔

③ آیت اولیٰ: پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک، بھول گئے اپنی مچلی۔ آیت ۲: تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام، (یعنی: اس کو اس کی انتہاء تک پہنچا دیتا ہے)۔

وعرضیہ (ظاہری و باطنی خوب صورتی) سے مزین ہو۔ (جواہر، طریق الوصول)

موضوع: الفاظ اور ان کے معانی ہیں۔

غرض و غایت: موقع و محل کے مطابق بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اصطلاح بلغاء میں بلاغت دو چیزوں سے متعلق ہے: بلاغتِ کلام، بلاغتِ متکلم۔

بلاغتِ کلام: کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہونا، اور دل

و دماغ پر اچھا اثر چھوڑنا۔

حال: وہ امر (موقع و محل) جو متکلم کو مخصوص انداز میں عبارت لانے پر ابھارے؛ اس کا

دوسرا نام ”مقام“ ہے۔

مقتضا: کلام کرنے کا وہ مخصوص انداز جس کا حال نے تقاضہ کیا ہے کہ: اس موقع پر کلام

ہو تو ایسا ہو؛ اس کا دوسرا نام ”اعتبارِ مناسب“ بھی ہے۔

مطابقت: حال کی رعایت کرتے ہوئے کلام کو مخصوص انداز میں پیش کرنا، جیسے:

مخاطب کسی بات کا انکار کر رہا ہو تو اس کا تقاضی یہ ہوا کہ اس کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں

لایا جائے۔

دیکھو! یہاں مخاطب کا انکار ایک ”حال“ ہے؛ کیوں کہ اُسی نے کلام میں تاکید لانے پر

ابھارا ہے، تاکید ”مقتضا“ ہے، اور منکر کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں پیش کرنا ”مطابقت“

کہلائے گا۔

بلاغتِ متکلم: عمدہ ترکیبات اور بلند تعبیرات کو بہ کثرت پڑھنے اور اُن میں غور

و فکر کرنے سے متکلم میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم ہر کسی مضمون کو بلیغ کلام کے

ذریعے تعبیر کرنے پر قادر ہو جائے ①۔

① فائدہ: کلامِ بلیغ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام مذکورہ عیوب سے پاک ہو، ساتھ ہی اس کے معانی مقتضائے حال

کے مطابق بھی ہو۔

فائدہ

تتافر حروف اور تتافر کلمات ذوقِ سلیم کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں، اور مخالفتِ قیاس لغوی ”علم صرف“ سے، اور غرابت ”لغات“ اور کلامِ عرب پر ”بہ کثرت واقفیت“ سے، اور ضعفِ تالیف و تعقیدِ لفظی ”علم نحو“ سے، اور تعقیدِ معنوی ”علم بیان“ سے، اور احوال و اُن کے مقتضیات ”علم معانی“ سے پہچانے جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام: فصیح و بلیغ کلام کرنے کے لیے فنونِ خمسہ (نحو، صرف، لغت، بیان اور معانی) کو جاننا اور فصحائے عرب کے کلام کو بہ کثرت پڑھنا ضروری ہے۔

علم بلاغت کے علوم ثلاثہ

علم معانی

سوالاتِ علمِ معانی

- ① علومِ بلاغت کتنے ہیں؟
- ② علمِ معانی کی تعریف کیا ہے؟
- ③ علمِ معانی کا موضوع اور غرض و غایت کیا ہیں؟
- ④ علمِ معانی کے کتنے ابواب ہیں؟

علمِ بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: ① علمِ معانی ② علمِ بیان ③ علمِ بدیع۔

علمِ معانی: وہ علم ہے جس کے ذریعہ عربی لفظ (مفرد و مرکب) کے وہ احوال ① معلوم ہوں، جن احوال کے ذریعے کلام مقتضائے ② حال (مخاطب کی حالت کے تقاضے) کے مطابق ہو جائے۔

موضوع: مقتضائے حال کے مطابق بلغاء کی استعمال کی ہوئی ترکیبیں اور عبارتیں۔

غرض و غایت: ① قرآن مجید کے اعجاز کو سمجھنا ② عربی نظم و نثر میں موجود فصاحت و بلاغت پر واقفیت حاصل کرنا ③ معنی مرادی کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ رہنا۔

علم معانی کے ابواب اور اجراء کا طریقہ

عربی الفاظ کے احوال میں تین چیزیں داخل ہیں:

① اجزائے جملہ کے احوال ② ایک جملے کے احوال ③ متعدد جملوں کے احوال۔

۱- اجزائے جملہ کے احوال تین ہیں: مسند، مسند الیہ اور متعلقات فعل میں سے کسی جز و کلام

① احوال کی تفصیل ”اجزائے بلاغت کا طریقہ“ کے ضمن میں آرہی ہے۔

② احوال کے مقتضیات بدلنے سے کلام کی صورتیں مختلف ہو جاتی ہیں، جیسے باری تعالیٰ کا مفسرمان: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ [الأنعام: ۱۵۱]، ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَسْبَةَ إِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ [بنی اسرائیل: ۳۱]

بعض عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ: خود ہی کھانے کو نہیں! اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اسی لیے پہلی آیت میں فرمایا کہ: رزق دینے والا تو خدا ہے، وہ تم کو بھی روزی دے گا؛ جب کہ دوسرے بعض غیر مفلس عرب اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ مستقبل میں مفلس ہو جانے کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، کہ: جب عیال زیادہ ہوں گے تو کہاں سے کھلائیں گے؛ چونکہ پہلے طبقہ کو اپنی روٹی کی فکر ستارہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا؛ لہذا دونوں آیتوں کے مخاطبین کے بدلنے سے ضمیر خطاب و غیبیہ بت کی تقدیم و تاخیر فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام: دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہی ہے؛ لیکن مخاطبین کے بدلنے سے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ﴾ اور ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ﴾ کے اسلوب میں فرق ہوا ہے۔

کو: ① معرفہ یا نکرہ لانا، ② مقدم و مؤخر کرنا، ③ ذکر و حذف کرنا۔

۲- ایک جملے کے احوال تین ہیں: ④ جملے کو خبر یا انشائی صورت میں لانا، ⑤ مطلق و مقید کرنا، ⑥ قصر کا اسلوب اختیار کرنا۔

۳- متعدد جملوں کے احوال دو ہیں: ④ وصل و فصل کرنا، ⑧ ایجاز و اطناب یا مساوات اختیار کرنا۔

اجراء بلاغت کا طریقہ: آیت قرآنی یا حدیث رسول اللہ ﷺ میں بلاغت کا اجراء کرنے کے لیے اولاً جملے کی نحوی ترکیب کر لیں تا کہ رکنین (مسند و مسند الیہ) اور قیودات معلوم ہو جائیں، نیز جملے کا انشائی یا خبری اسلوب طے ہو جائے۔

چنانچہ پہلے خبر و انشاء کا اجراء کر لیں گے پھر رکنین کی تعریف و تنکیر، تقدیم تاخیر اور ذکر و حذف کی وجہ بیان کریں گے؛ اس کے بعد جملے میں اطلاق و تقیید اور ذکر قیودات کی وجہ اور اسلوب قصر کا اجراء کریں گے؛ اس کے بعد دو جملوں کے درمیان کے وصل و فصل ذکر کرتے ہوئے ایجاز، اطناب مع وجہ اور مساوات کی تعیین کریں گے۔

خلاصہ کلام علم معانی کے آٹھ ابواب ہوئے: ① خبر، انشاء؛ ② تعریف، تنکیر؛ ③ تقدیم، تاخیر؛ ④ ذکر، حذف؛ ⑤ اطلاق، تقیید؛ ⑥ قصر؛ ④ وصل و فصل؛ ⑧ ایجاز، اطناب و مساوات۔

ملحوظہ: کتاب کے ابواب بھی اسی ترتیب سے درج ہیں۔

باب اول

در خبر و انشاء

سوالات خبر و انشاء

- ① خبر و انشاء کی تعریف کرتے ہوئے کسی ایک کی تعیین کر لیں؟
- ② ارکان جملہ (مسند، مسند الیہ) اور قیودات کی تعیین کریں؟
- ③ یہ خبر اسمیہ کی صورت میں ہے یا فعلیہ کی صورت میں؟
- ④ اگر جملہ اسمیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض؛ اور فعلیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض میں سے کیا غرض ہے؟
- ⑤ مذکورہ کلام اگر خبر ہے اور اس کی غرض حقیقی مراد ہے تو فائدۃ الخبر ہے یا لازم فائدۃ الخبر؟
- ⑥ اگر فائدۃ الخبر ہے تو ابتدائی، طلبی اور انکاری میں سے کیا ہے؟
- ⑦ خبر کی (دس) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑧ اگر انشاء ہے تو انشائے طلبی ہے یا غیر طلبی؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟

خبر، انشاء

کلام کی دو قسمیں ہیں: ① خبر، ② انشاء۔

خبر: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں، جیسے: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا: "أَمَنَّا"، وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا: "إِنَّا مَعَكُمْ"﴾ [البقرة: ۱۴] ①۔

خبر صادق: وہ خبر ہے جو واقعہ کے مطابق ہو۔

خبر کاذب: وہ خبر ہے جو واقعہ کے مطابق نہ ہو، جیسے فرعون کا قول: ﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ﴾ ② [النازعات: ۲۴]۔

انشاء: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں، جیسے: ﴿إِذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ﴾ ③ [النمل: ۲۸]۔

ملحوظہ: وہ مقامات جہاں جوش و لانا، تاثر اور اشتعال انگیزی، دلوں پر نقش چھوڑنا، جذبات کو بھڑکانا وغیرہ مقصود ہوں وہاں کلام کو انشائی اسلوب (امر، نہی، استفہام، تعجب، تمنی، ترجی اور ندا کی صورت) میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور وہ مقامات جو تسلسل اور ترتیب سے کلام کرنے یا تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے متقاضی ہیں وہاں کلام کو جملہ خبریہ (خبر) کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے۔ (علم المعانی)

ارکان جملہ

خبر و انشاء میں سے ہر ایک کے دو بنیادی رکن ہیں: ① محکوم علیہ، ② محکوم بہ؛ ان دونوں

① اور جب یہ منافقین اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم ایمان لے آئے! اور جب یہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم تمہارے ساتھ ہیں! ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ دیکھیے! یہاں منافقین کا قول: ﴿أَمَنَّا﴾ جھوٹ ہے اور ان کا قول: ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ سچ ہے۔

② ترجمہ: اور فرعون نے کہا کہ: میں تمہارا اعلیٰ درجے کا رب ہوں۔ دیکھیے فرعون کا یہ قول صریح جھوٹ ہے۔

③ ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے کہا: میرا یہ خط بلقیس کے پاس لے جاؤ، اور ان کے پاس ڈال دینا۔

رکنین سے تعبیر کرتے ہیں۔

محکوم علیہ: وہ اسم ہے جس پر کسی دوسرے اسم کا حکم لگایا جائے، اسی کو ”مسند الیہ“ بھی کہتے ہیں۔

محکوم علیہ (مسند الیہ) کے مواضع: فاعل، نائب فاعل، وہ مبتدا جس کی خبر آتی ہے، ظنّ اور اس کے اخوات کا مفعول اول، اُزی اور اس کے اخوات کا مفعول ثانی اور اسمائے نواسخ۔

محکوم بہ: وہ اسم یا فعل ہے جس سے کسی دوسرے اسم پر حکم لگایا جائے؛ اسی کو ”مسند“ بھی کہتے ہیں، جیسے: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ [الإخلاص: ۲]؛ ﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ﴾ [الرعد: ۱۳] میں ﴿اللَّهُ﴾، ﴿الرَّعْدُ﴾ مسند الیہ ہیں؛ اور ﴿الصَّمَدُ﴾، ﴿يُسَبِّحُ﴾ محکوم بہ اور مسند ہیں۔

محکوم بہ (مسند) کے مواضع: فعل، اسم فعل، مبتدا کی خبر، وہ مبتدا جس کی خبر نہیں ہوتی (یعنی: مبتدا کی قسم ثانی)، جیسے: أَقَائِمُ الزَّيْدَانِ^①، ظنّ اور اس کے اخوات کا مفعول ثانی، اُزی اور اس کے اخوات کا مفعول ثالث اور عواملِ نواسخ کی خبریں۔

فائدہ: کلام میں رکنین (مسند، مسند الیہ) کے علاوہ کلمات کو ”تبیود“ کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ کلمات ارکان میں سے کسی کا مضاف الیہ یا صلہ نہ ہوں؛ ہاں مضاف الیہ مضاف کے حکم میں اور صلہ اسم موصول کے حکم میں ہوں گے، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ ”الرُّسُلُ“^② [آل عمران: ۱۴۴]

قیودات یہ ہیں: ادوات شرط، ادوات نفی، مفاعیل، حال، تمیز، توابع اور عواملِ نواسخ^③۔

اقسامِ جملہ خبریہ

خبر کی دو قسمیں ہیں: جملہ فعلیہ، جملہ اسمیہ۔

① مبتدا کی قسم ثانی کی تفصیل ہدایت النحو وغیرہ کتبِ نحو میں ملاحظہ فرمائیں۔

② اس مثال میں واوین کے درمیان والے کلمات ارکان ہیں اور باقی قیودات ہیں۔

③ تفصیل ”اطلاق و تقیید“ میں ملاحظہ ہو۔

جملہ فعلیہ: وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء فعل ہو؛ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے

ہیں: ① افادۂ حدوث، ② استمرار تجددی۔

① **افادۂ حدوث:** اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں فعل کے

واقع ہونے کا فائدہ دیتا ہے، یہ فائدہ جملہ فعلیہ سے ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے اس کے لیے کسی

قرینہ کی ضرورت نہیں، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ

الدِّينِ كُلِّهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ ① [التوبة: ۳۳]۔

② **استمرار تجددی:** یعنی کسی فعل کے ہمیشہ اور بار بار پائے جاتے رہنے کا فائدہ

دیوے، اور یہ فائدہ اُس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس میں پائے جانے والا فعل، فعل مضارع

ہو، جیسے: ﴿يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾ [فاطر: ۳]؛

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ”يَمُدُّهُمْ“ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ ② [البقرة: ۱۸۰]

جملہ اسمیہ: وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء اسم ہو، خواہ دوسرا جزء اسم ہو یا فعل؛ اس

سے بھی دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ① ثبوت مسند للمسند الیہ، ② استمرار۔

① اسی نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا (ماضی میں)، تاکہ اس دین کو تمام ادیان

پر غلبہ دے (حال و مستقبل میں)۔ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانے میں

بجہ اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قرب قیامت میں ہونے والا ہے۔

دیکھئے! محمد ﷺ کو رسول بنانا، اس فعل کا وقوع ایک مرتبہ ہوا ہے، نیز تمام باطل ادیان کو مغلوب کرنا بھی قرب

قیامت میں ایک مرتبہ ہوگا۔

② آیت اولیٰ: اللہ پاک تمہیں آسمان و زمین سے ”روزی دیتے“ (رہتے) ہیں، اس کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، پھر

کہاں اُلٹے جا رہے ہو!۔ آیت ثانیہ: منافقین کہتے ہیں کہ: ہم لوگ مسلمانوں سے جو ظاہری موافقت کرتے ہیں اس سے

یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں، ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ: ”اللہ تعالیٰ

ان کا تمسخر (ان کے تمسخر کا بدلہ و سزا دینا) کرتے رہتے ہیں، اور ان کی سرکشی میں ان کو ترقی دیتے رہتے ہیں۔“

① **ثبوت مسند براء مسند الیہ:** مسند کا مسند الیہ کے لیے بغیر کسی قید کے ثابت ہونے کا فائدہ دینا، جیسے: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾؛ یہ فائدہ ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے اس کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی ①۔

② **استمرار:** مسند الیہ کے لیے مسند کے ثبوت میں دوام (ہمیشگی) یا تجدد (بار بار ہونے کو ثابت کرنا) کا فائدہ دینا؛ ہاں! دوام کا فائدہ اُسی وقت حاصل ہوگا جب کہ خبر صیغہ صفت ہو، فعل نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾؛ ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا "أَمَنَّا"، وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَیْطَانِهِمْ قَالُوا "إِنَّا مَعَكُمْ"﴾ ② [البقرة: ۱۷۰]

ملحوظہ: خبر اگر فعل ہو تو تجدد کا فائدہ حاصل ہوگا، جیسے: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ ③ [الزمر: ۴۲]

خبر کی اغراض حقیقیہ

خبر دینے کی بنیادی اغراض (اغراض حقیقیہ) دو ہیں: ① فائدہ الخبر، ② لازم فائدہ الخبر۔

① مسند اور مسند الیہ کو جاننے کے لیے پہلے اسناد کو سمجھنا چاہئے کہ، اسناد: ایک کلمہ کو دوسرے کلمے سے ایسا ملانا کہ ایک کلمے کا مفہوم دوسرے کے لیے ثابت ہو، یا ایک کے مفہوم کی دوسرے کلمے کے مفہوم سے نفی ہو، جیسے: شکر بلال، ولم يشكر أبو جهل، میں حضرت بلال کے لیے شکر کے مفہوم کا اثبات ہے، تو ابو جہل کے لیے شکر کی نفی ہے؛ چنانچہ بلال و ابو جہل کو مسند الیہ، شکر اور لم يشكر کو مسند، اور دونوں کلموں کے درمیانی جوڑ کو "نسبت" کہتے ہیں۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؛ یہ دوام کی مثال ہے۔ آیت ثانیہ: اس میں منافقین کے دو معارض اقوال بیان کرنے کا انداز ملاحظہ فرمائیں: یہ منافقین جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو ﴿أَمَنَّا﴾ کہتے ہیں، اور جب کفار و منافقین سے ملتے ہیں تو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کہتے ہیں، دیکھیے! ﴿أَمَنَّا﴾ یعنی ایمان کی خبر بصورت ماضی دی، اور خبر جملہ فعلیہ کی صورت ہے جو حدوث پر دلالت کرتی ہے؛ اور کفار و منافقین کے پاس جا کر کہتے ہیں ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ ہم دائمی طور پر تمہارے ساتھ ہیں! یہاں فعلیہ کا حدوث، اسمیہ کا دوام، یہی منافقین کے نفاق کی خبر خوب واضح کرتا ہے۔ نیز پہلی خبر خبر ابتدائی ہے اور دوسری طلبی یا انکاری۔ خبر ابتدائی اور خبر طلبی و انکاری کی تعریفات آگے آرہی ہیں۔

③ یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے، معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے جیسے موت میں، اب اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی تو وہی موت ہے۔

① **فائدة الخبر:** مخاطب کو حکم شرعی وغیرہ سے مطلع کرنا؛ یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اس حکم سے ناواقف ہو، جیسے: حضرت عیسیٰ کا اپنی قوم کو کہنا: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ [مریم: ۳۰] ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ① [البقرة: ۱۸۰]۔

② **لازم فائدة الخبر:** مخاطب کو اس بات کی اطلاع دینا مقصود ہو کہ خبر کے حکم کو جس طرح آپ جانتے ہو، میں (متکلم) بھی جانتا ہوں؛ اور یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اس حکم سے واقف ہو، جیسے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ [یوسف: ۲]؛ ﴿فَلَا يَخْزُكَ قَوْلُهُمْ، إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ② [یس: ۷۶]۔

اقسام فائدة الخبر

فائدة الخبر کی تین قسمیں ہیں: ① خبر ابتدائی، ② خبر طلبی، ③ خبر انکاری۔

① **خبر ابتدائی:** وہ خبر ہے جو حکم کے مضمون سے خالی الذہن مخاطب کے سامنے بغیر تاکید کے پیش کی جائے، جیسے: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا، قَالُوا: "أَمَنَّا"﴾ ③ [البقرة: ۱۶]۔

① وہ بولا: میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھ کو اس نے کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا؛ اس آیت میں عقیدہ بتلایا ہے۔ آیت ثانیہ میں ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور عذر کی وجہ ترک پر قضا کا حکم شرعی بیان فرمایا ہے۔ ملحوظ: خبر سے اصل مقصد فائدة الخبر ہے؛ لیکن بسا اوقات سیاق کلام اور احوال کے قرائن سے دیگر معانی مجاز (بطور مجازِ مرسل) مراد لیے جاتے ہیں، جیسے: آنے والی مثالوں سے واضح ہوگا۔ (علم المعانی)

② آیت اولی: قیامت تک آنے والی انسانیت کی روحانی غذا کے لیے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب ہدایت کو نازل کیا گیا اور اس کے لیے پرشکوہ عربی زبان کا انتخاب ہوا یہ تو سب جانتے ہی تھے؛ پھر بھی ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ④ سے خبر دے کر بتلایا کہ: اے عربو! تم اس کتاب کے اولین مخاطب ہو! اور تمہارے ذریعے اس کی روشنی چاروں طرف پھیلے گی، جس کی طرف ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ سے اشارہ فرمایا۔ آیت ثانیہ: اور تو غمگین مت ہو ان کی بات سے! ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

③ جب متکلم اپنے مخاطب کے سامنے کسی حکم کو واضح اور ظاہر کرنا چاہے تو اس کا برتاؤ طبیب کے مریض سے برتاؤ کی طرح ہونا چاہیے، جو طبیب مریض کے حالت کی تشخیص کرتا ہے اور اس کے مناسب علاج تجویز کرتا ہے؛ بالکل اسی طرح متکلم اپنے مخاطب کے سامنے ضرورت کے بقدر کلام پیش کرے، نہ زائد کلام کرے کہ عبث ہو جائے، اور نہ ہی ناقص ۵

② **خبر طلبی:** وہ خبر ہے جو مضمون کے بارے میں متردد کے سامنے ایک مؤکد استجابی کے ذریعے پیش کی جائے، جیسے: ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَیْطَانِهِمْ قَالُوا: "إِنَّا مَعَكُمْ، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ"﴾^① [البقرة: ۱۴]

③ **خبر انکاری:** وہ خبر ہے جو منکر حکم کے سامنے ایک مؤکد وجوبی یا چند مؤکدات سے مزین کر کے پیش کی جائے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کو اہل انطاکیہ نے اول بار جھٹلایا تب انہوں نے ان اور جملہ کو اسمیت کی صورت میں لا کر فرمایا: ﴿إِنَّا إِلَیْكُمْ مُّرْسَلُونَ﴾ اور دوبارہ فرمایا: ﴿رَبُّنَا یَعْلَمُ إِنَّا إِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُونَ﴾ [یس: ۱۶]؛ اس خبر کو قسم، ﴿یَعْلَمُ﴾، اِنِّ، لام تاکید اور اسمیت الجملہ سے مؤکد فرمایا۔

خبر کی اغراض مجازیہ

خبر بیان کرنا، کبھی بنیادی اغراض (فائدة الخبر، لازم فائدة الخبر) کے علاوہ اغراض مجازیہ کے لیے۔ بہ حیثیت مجاز مرسل مرکب۔ بھی ہوتا ہے جب کہ معانی مجازیہ مراد لینے پر قرآن پائے جائیں؛ وہ اغراض حسب ذیل ہیں:

حَثُّ الْهِمَمِ، الْإِسْتِرْحَامُ، إِظْهَارُ الضُّعْفِ، إِظْهَارُ التَّحَسُّرِ، إِظْهَارُ الْفَرْحِ بِمُقْبِلٍ، إِظْهَارُ الشَّمَاتَةِ بِمُذْبِرٍ، إِظْهَارُ السُّرُورِ، التَّوْبِيخُ، إِظْهَارُ الْفَخْرِ، التَّخْرِیضُ، التَّسْلِيَةُ.

① **حَثُّ الْهِمَمِ:** خبر کی اغراض مجازیہ میں سے ایک غرض مخاطب کو کسی کام پر ابھارنا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿لَا یَسْتَوِی الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ أُولِی الضَّرَرِ

د کرے کہ نخل بالمقصود ہو؛ لہذا متکلم اپنے مخاطب کو دیکھے کہ وہ حکم سے خالی الذہن ہے، یا متردد ہے، یا حکم کا منکر ہے؟ مخاطب کی تعین کے بعد اول کے لیے خبر ابتدائی، ثانی کے لیے خبر طلبی اور ثالث کے لیے خبر انکاری لائے گا۔

ہاں! کبھی منکر کو غیر منکر کے درجے میں اور غیر منکر کو منکر کے درجے میں اتار کر کلام کیا جاتا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿ذَٰلِكَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾، تفصیل ”علم معانی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

① حکم میں تاکید پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں: اِنِّ، اَنَّ، لام ابتدائی، قسم، نون تاکید، حروف تنبیہ، حروف زوائد، قد، ضمیر فصل، تقدیم، ماحقہ، التاخیر، خبر کو مکرر لانا وغیرہ۔

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ﴿١﴾ [النساء: ۹۵]

﴿٢﴾ **استرحام:** مہربانی اور شفقت کا خواست گار ہونا، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ ﴿٣﴾ [قصص: ۲۴]۔

﴿٣﴾ **اظہار ضعف:** ضعف و کمزوری کو ظاہر کرنا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبَّ شَقِيًّا﴾ ﴿٤﴾ [مریم: ۴]۔

﴿٤﴾ **اظہار تحسر:** کسی چیز پر حسرت و افسوس ظاہر کرنا، جیسے: ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا، قَالَتْ: رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾ ﴿٥﴾ [آل عمران: ۳۶]۔

﴿٥﴾ **اظہار فرح بمقبِل والشَّماتۃ بمُدْبِر:** کسی آنے والی اچھی چیز پر خوشی کا اور کسی ناپسندیدہ چیز کے جانے پر خوشی کا اظہار کرنا، جیسے: اللہ تعالیٰ کا ام موسیٰ کو حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمان: ﴿إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ [القصص: ۷]؛ ﴿سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ ﴿٦﴾ [القمر: ۴۵]۔

① یہاں جہاد سے پیچھے رہنے والے کے عزائم کو بلند کرنا اور دلوں کو ہمیز دینا مقصود ہے۔ (علم المعانی)
 ② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلانے کے بعد فرمایا: باری تعالیٰ میں کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا، البتہ تیری طرف سے رحم و کرم ہو جائے اور کوئی بھلائی پہنچے تو میں ہمہ وقت اس کا محتاج ہوں۔
 ③ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں تو کمزور ہو گئی ہیں۔ یہاں خبر سے اپنے ضعف اور اللہ عز و جل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار مقصود ہے۔ (علم المعانی)

④ ترجمہ: اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے!۔ اس جگہ امرأت عمران اس بات کی امید وار تھی کہ ان کو لڑکا پیدا ہو جو بیت المقدس کی خدمت کر سکے؛ لیکن جب بجائے اس کے لڑکی پیدا ہوئی تو کف افسوس ملتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾؛ یہ خبر نہ تو فائدہ الخیر کے لیے ہے، اور نہ ہی لازم فائدہ الخیر کے لیے؛ بلکہ اظہار تحسر و تحزن کے لیے ہے۔ (علم المعانی)

⑤ آیت اولیٰ: ام موسیٰ کو الہام ہوا یا خواب دیکھا، یا اور کسی ذریعے معلوم کرادیا کہ: اندیشہ نہ ہونے تک موسیٰ کو برابر دودھ پلاتی رہے اور جب اندیشہ لاحق ہو تو تسلی کر دی کہ: ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچ ضائع نہیں ۷

⑥ **اظہار سرور:** خوشی کا اظہار کرنا، جیسے: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۝﴾^① [الطور: ۲۵]۔

④ **توبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اظہار ناراضگی کرنا، جیسے: ﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ، ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝﴾ [البقرة: ۹۲]؛ ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۝﴾ [البقرة: ۸۵]۔

⑧ **اظہار فخر:** فخر اور بڑائی ظاہر کرنا، جیسے: ﴿فَقَالَ: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝﴾^② [النازعات: ۲۴]؛ ﴿قَالَ سَنُقْتِلُ أبنَاءَهُمْ﴾ [الأعراف: ۱۲۷]۔

⑨ **تحریض:** مخاطب کو کسی کام میں محنت اور کوشش کرنے پر ابھارنا، جیسے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝﴾^③ [الحجر: ۹۴-۹۵]۔

۵ ہو سکتا۔ اور بچہ کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو، ہم اسے بہت جلد تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے، خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ اسی قبیل سے فرمان الہی ہے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ [بنی اسرائیل: ۸۱]۔
آیت ثانیہ: (بدر کا موقع نہایت سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا تھا کہ: مسلمان قلت تعداد میں تھے، بے سرو سامان تھے، فوجی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، پہلی بار کی ٹکرتھی، نشیبی و ریشیلی زمین تھی جہاں وضو و غسل کے پانی کی بھی تکلیف تھی؛ تو دوسری طرف تین گنا تعداد، پورے ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار، اچھی جگہ اور پانی پر قابض کفار تھے؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ رات بھر عریش میں مشغول دعار ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: خوش ہو جاؤ کہ: جبریل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں! اور یہ کفار شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے؛ یہ خبر اظہارِ شہادت کے لیے ہے۔

① جنتی جنت میں جا کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے اور غایت درجہ مسرت و امتنان سے کہیں گے کہ: بھائی! ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ: دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو، یہ کھٹکا برا لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو! آج اس نے کیسا مامون و مطمئن کر دیا ہے؛ یہ خبر اظہارِ سرور کے لیے ہے۔

② آیت اولیٰ یعنی موسیٰ نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے جیسے: عصا، ید بیضاء اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ، مگر جب چند دن کے لیے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو معبود بنالیا! ”اس وقت تمہارا موسیٰ پر ایمان کہاں جاتا رہا“۔ آیت ثانیہ میں اللہ پاک نے بنو اسرائیل اور مسلمانوں کو فرمایا: یہ کیا بات ہوئی کہ: بعض احکام پر تو ایمان لائے اور بعض وہ احکام جو طبیعت، عادت یا غرض کے خلاف ہو تو اتباع نہ کرے!۔

③ فرعون نے کہا: سب سے بڑا بت تو میں ہی ہوں! یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟۔

④ جو حکم آپ کو ہوا ہے وہ کھول کر سنا دیجئے اور مشرکین کی پروا نہ کیجئے! ہم تمہاری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو ۵

⑩ **تسلية:** مخاطب کو تسلی دینا، جیسے: ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ، فَقَدْ كَذَّبَتْ رَسُولٌ مِّنْ

قَبْلِكَ“، وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾^① [فاطر: ۴]

☞ کافی ہیں۔ یعنی: آپ بے خوف و خطر تبلیغ کرتے رہئے، کوتاہی نہ کیجئے، خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچاتے رہیے؛ دنیا و آخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے، آپ کا بال بدینکا نہ ہوگا۔

① انبیائے سابقین کو جھٹلانے کی خبر دے کر آپ ﷺ کو تسلی دینا اور صبر پر ابھارنا مقصود ہے۔ (بیضاوی)

سوالات اقسام انشائے طلبی

- ① اگر یہ انشاء، انشائے طلبی ہے تو اس کی چھ قسموں میں سے کیا ہے؟
- ② اگر امر ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے چار صیغوں میں سے کونسا صیغہ ہے؟
- ③ امر کے (تینیس) معانی مجازیہ میں سے کونسا معنی مراد ہے؟
- ④ اگر نہی ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے (بارہ) معانی مجازیہ میں سے کونسا معنی مراد ہے؟
- ⑤ اگر استفہام ہے تو استفہام کا کونسا ادات ہے؛ نیز یہ حرف استفہام طلب تصور کے لیے ہے یا طلب تصدیق کے لیے؟
- ⑥ ادات استفہام کے (چوبیس) معانی مجازیہ میں سے کونسا معنی مراد ہے؟
- ⑦ تمنی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے چار ادوات: لیت، مل، لو اور لعل میں سے کونسا ادات ہے؟
- ⑧ ادات تمنی ”لیت“ سے دیگر ادات کی طرف عدول کی کیا حکمت ہیں؟
- ⑨ ترجی کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کے ادوات: لعل اور عسیٰ میں سے کونسا ہے؟
- ⑩ اگر ندا ہے تو ندا کی تعریف کیا ہے؟ اور ادوات ندا میں سے کونسا ہے؟
- ⑪ ندا کی (چودہ) اغراض مجازیہ میں سے کونسی غرض ہے؟

انشاء و اقسام انشاء طلبی

انشاء: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں، جیسے: ﴿إِذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ﴾^① [النمل: ۲۸]۔

انشاء کی دو قسمیں ہیں: انشاء طلبی، انشاء غیر طلبی۔

انشاء طلبی: وہ کلام انشاء ہے جو ایسے مطلوب کو چاہے جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو، جیسے: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا﴾^② [ہود: ۳۷]۔

انشاء غیر طلبی: وہ کلام انشاء ہے جو کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو، جیسے: ﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾^③ [الشعراء: ۱۲۹]۔

انشاء طلبی کی چھ قسمیں ہیں: امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، ندا۔

فصل اول: بیان امر

① امر: کسی بلند رتبہ کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رتبہ سے کسی ایسی چیز کے لازمی طور پر وجود میں لانے کا مطالبہ کرنا جو طلب کے وقت نہ ہو، جیسے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الحجر: ۹۴]؛ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔^④ [الترمذی فی الصلاة]

① ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے کہا: میرا یہ خط بلقیس کے پاس لے جاؤ، اور ان کے پاس ڈال دینا۔
② اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا: تم ایک کشتی ہمارے روبرو (ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو؛ کیوں کہ عنقریب پانی کا سخت طوفان آنے والا ہے، جس میں سب ظالمین و مملکت بین غرق کیے جائیں گے۔

③ قوم ہود کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے؛ مگر نام ہو جائے، اور رہنے کی عمارت بھی بڑی تکلف کی بناتے تھے؛ گویا اُن کو توقع تھی کہ: ہمیشہ یہیں رہنا ہے؛ اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی؛ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ جن آیتوں میں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بھی انشاء غیر طلبی کے قبیل سے ہیں۔

④ جو احکام آپ کی طرف نازل ہوئے ہیں ان کو کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے، خوب کھول خدائی پیغامات پہنچائیے،

صیغہ امر

امر کے چار صیغے ہیں:

① فعل امر، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ [الأنفال: ۶۰]؛ ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ① [مریم: ۱۲]

② فعل مضارع مقرون بہ لام امر: ﴿لِيُنْفِقْ﴾ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ، وَمَنْ قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلَْيُنْفِقْ ﴿مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ ② [الطلاق: ۷]

③ اسم فعل امر، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصُرُّكُمْ مِّنْ ضَلٍّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ ③ [المائدة: ۱۰۰].

④ مصدر جو فعل امر کا قائم مقام ہو، جیسے: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾

➤ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

ملحوظہ: کہیں صیغہ امر وارد ہوتا ہے؛ لیکن اس سے کوئی معین مامور مراد نہیں ہوتا؛ بلکہ ہر وہ آدمی جس کے سامنے یہ امر پہنچے وہ اس کا مامور ہوتا ہے، جیسے: حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان: ”بَشِّرِ الْمَشَاقِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالْثُّورِ الْكَاثِمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ [الترمذی]؛ اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو قیامت میں نور تارم کی خوش خبری سنا دیجئے! یہاں امر سے عموم مراد ہے، حتیٰ کہ امت کا ہر فرد لوگوں کو بشارت دینے والا ہوگا؛ اس امر کی عمومیت سے مساجد کی طرف جانے والوں کا اکرام مقصود ہے۔ (علم المعانی)

① اور دشمنوں کی لڑائی کے واسطے جو کچھ قوت اور پلے ہوئے گھوڑوں (وغیرہ سامانِ جہاد) میں سے جمع کر سکو تیار کرو! کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر (اور ان کے علاوہ دوسروں پر جن کو تم نہیں جانتے، اللہ جانتے ہیں) دھاک پڑے۔

② بچوں کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے، وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیے؛ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو محض نپ تولی روزی اللہ نے دی ہو وہ اس میں سے اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کیا کرے۔ (نوائد)

③ اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، اگر (امتِ دعوت میں سے) کوئی (امر بالمعروف کے بعد بھی) گمراہ ہوا اور تم راہِ راست پر ہو تو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں! امتِ اجابت کے حق میں مقدور بھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴿١﴾ ”أَيُّ: وَأَحْسِنُوا بِهِمَا“. [النساء: ۳۶]
 ملحوظ: کبھی نہی کے اسلوب میں امر مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَبْنَیَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ ”فَلَا تَمُوتُنَّ“ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ﴿٢﴾
 [البقرة: ۱۳۲].

امر کے معانی مجازیہ

صیغہ امر کبھی اپنے حقیقی معنی کے علاوہ دوسرے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جب کہ قرآن پائے جائیں؛ اُن میں سے چند یہ ہیں:

الدُّعَاءُ، الْإِلْتِمَاسُ، التَّمَنِّيُّ، التَّهْدِيدُ، الزَّجْرُ وَالتَّوْبِيخُ، التَّعْجِيزُ، التَّسْوِيَةُ، التَّحْقِيزُ
 وَالْإِهَانَةُ، الْإِبَاحَةُ، التَّخْيِيرُ، الْاِمْتِنَانُ، الدَّوَامُ، التُّصَحُّحُ وَالْإِرْشَادُ، الْإِثَارَةُ، الْحَثُّ عَلَى
 الْإِتِّصَافِ، تَصْوِيرُ الْحَالِ، الْإِكْرَامُ.

① **دعاء:** بندے کا تواضع اور نہایت عاجزی سے باری تعالیٰ کے حضور سوال کرنا، جیسے:
 ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝
 يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝﴾ [طہ: ۲۵-۲۸].

② **التماس:** مرتبے میں ہم پلہ آدمی سے - بلا تواضع و بلندی کے - نرمی کے ساتھ کسی چیز کا سوال کرنا، جیسے: ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي، وَأَصْلِحْ﴾ ﴿٣﴾
 [الأعراف: ۱۴۲]

-
- ① اور اللہ کی عبادت کرو! اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو! اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو!۔ (علم المعانی)
 ② اور اسی بات کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو کہ: اللہ نے یہ دین تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے؛ لہذا تمہیں موت بھی آئے اس حال میں کہ تم مسلم ہو!۔
 ③ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ تو میرے سینہ کو کشادہ فرما، اور میرا کام آسان فرما، اور میری زبان سے گرہ کھول دے! کہ لوگ میری بات سمجھ!
 ④ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ: میرے پیچھے تم میرے قائم مقام بن جانا! ﴿٥﴾

③ **تمنی:** غیر مقدور (غیر ممکن الحصول) یا غیر متوقع امر محبوب و مرغوب کو طلب کرنا،

جیسے: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ ① [المؤمنون: ۱۰۷]

④ **تہدید:** مامور بہ سے عدم رضامندی کے موقع پر تہدید (ڈرانا اور دھمکانا) مراد ہوتا

ہے، جیسے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ، قُلْ "تَمَتَّعُوا" فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى

النَّارِ﴾ ② [إبراهيم: ۳۰]

⑤ **زجر و توبیخ:** مخاطب کو ڈانٹنا اور اس کے فعل پر اظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے ملحدین کو

الحاد اور عناد و سرکشی پر ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿"اعْمَلُوا" مَا شِئْتُمْ، إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَصِيرٌ﴾ ③ [حم السجدة: ۴۰]

⑥ **تعجیز:** کسی کام کے کرنے پر قادر ہونے کے دعوے دار کو محض عاجز اور بے بس

ظاہر کرنے کے لیے حکم دینا؛ حالاں کہ وہ کام اس کے بس میں نہ ہو، جیسے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي

رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأَنْتُمْ أَنْتُمْ بِسُورَةِ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾ ④ [البقرة: ۲۳]

• تمام معاملات درست رکھنا۔ دیکھیے! یہاں "اخلفني" امر کا صیغہ ضرور ہے؛ لیکن وہ اپنے معنی حقیقی (طلب علی وجہ الاستعلاء) میں مستعمل نہیں ہے؛ کیوں کہ مخاطب یہ متکلم کا مساوی ہے اور جب مساوی اپنے مساوی سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو علی وجہ الاستعلاء نہیں کرتا؛ بلکہ علی وجہ التماس طلب کرتا ہے۔ (تیسیر البلاغۃ)

① کفارِ جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے؛ لیکن ان کا جہنم سے خروج امر محال ہے جس کو وہ بھی جانتے ہوں گے؛ لہذا یہ درخواست صرف تمنا کے قبیل سے ہوگی۔ (علم المعانی)

ملفوظ: تمنی کا معنی اس وقت بھی مراد لیا جاسکتا ہے جب کہ کام کے کرنے کا مطالبہ کسی غیر عامل سے کیا جائے، جیسے: يَا لَيْلُ ظِلِّ وَيَا نَوْمُ زُلِّ، اے رات لمبی ہو جا اور اے نیند چلی جا۔

② اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ: احساناتِ الہی سے ہو کر متاثر منعم حقیقی کے شکر گزار تو کیا ہوتے، اُلٹے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے اور خدائی اختیارات دوسروں کے لیے ثابت کرنے لگے! مزید اپنے ساتھ دوسروں کو بہکا کر اپنے دامِ سیادت میں پھنسائے رکھا۔ ٹھیک ہے! چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑا لو پھر دوزخ میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہاں مشرکین کو سرکشی پر ڈانٹنا مقصود ہے، امثال مقصود نہیں! (علم المعانی)

③ اللہ کی آیتوں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے والے کافرو! تم جو چاہو، کر لو! یقیناً جانو کہ: وہ اللہ تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔

④ یہاں قرآن جیسی سورت پیش کرنے کا مکلف بنانا مقصود نہیں ہے، اور نہ ہی اس جیسی سورت پیش کرنے کو لازم

④ **تسویہ:** دوامروں (معالموں) میں سے ایک کے دوسرے پر رائج ہونے کے گمان کے موقع پر دونوں ہی امروں کا برابری کے ساتھ حکم دینا، جیسے: ﴿قُلْ "أَنْفِقُوا" طَوْعاً أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ [التوبة: ۵۳]؛ ﴿قُلْ أَمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا﴾ ① [بنی اسرائیل: ۱۰۷]

⑤ **تحقیر و اہانت:** مخاطب کی بے عزتی کرنے کے مقام پر حکم دینا، جیسے: ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ ② [الدخان: ۴۹]۔

⑥ **إباحہ:** سامع کو کسی کام کی ممانعت کا وہم ہو ایسے موقع پر کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دینا؛ قرآن مجید میں امر کو اباحت کے لیے بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے، جیسے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ ③ [البقرة: ۱۸۷]

⑩ **تخیر:** دو یا چند چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے یا منتخب کرنے کے لیے حکم دینا، جیسے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

❶ کرنا ہے؛ بلکہ قرآن جیسی سورت پیش کرنے پر ان کے عجز کو ظاہر کرنا مقصود ہے، یعنی: اگر تم کو اس کلام کے بارے میں کلام بشری ہونے کا خیال ہے تو تم بھی تو ایک سورت فصیح و بلیغ تین آیت کی مقدار بنادیکھو! اور جب تم باوجود کمال فصاحت و بلاغت کے چھوٹی سورت کے مقابلے سے عاجز ہو جاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندے کا ہرگز نہیں!۔ (علم المعانی)

① آیت اولیٰ: منافقین میں سے بعض نے کہا تھا کہ: میں بذات خود جنگ میں نہیں آسکتا؛ لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں! اس کا جواب دیا کہ: بے اعتقاد کمال خواہ ناخوشی سے دے یا بالفرض خوشی سے بھی حسر چ کرے، ہمیں قبول نہیں۔ (علم المعانی)

آیت ثانیہ: آپ (ان کافروں سے) کہہ دو کہ: چاہے تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جب یہ قرآن اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔

② دوزخ کا عذاب کچھ! تو وہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز و مکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا، اب وہ عزت و سرداری کہاں گئی!۔

③ یعنی طلوع صبح صادق سے رات تک روزہ پورا کرو! اور جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک؛ دیکھیے! یہاں لفظ إباحہ کے بحبائے صیغہ امر ﴿کُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ سے إباحہ کو تعبیر کرنا سحر کے مطلوب و مرغوب ہونے پر دال ہے۔ (علم المعانی) اور جیسے: جَالِيسَ الْحَسَنِ أَوْ ابْنَ سَيْرِينَ، حسن بصری کی صحبت اختیار کرو یا محمد ابن سیرین کی۔

سَرَّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴿١﴾ [البقرة: ۲۳۱].

ملفوظ: اباحت و تخیر میں فرق یہ ہے کہ: اباحت میں فعل اور ترک فعل دونوں کی ایک ساتھ اجازت ہوتی ہے، جب کہ تخیر میں دو چیزوں میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کی اجازت ہوتی ہے؛ لہذا تخیر میں دونوں چیزوں کو جمع کرنا صحیح نہیں، جب کہ اباحت میں دونوں کو جمع کرنے کی اجازت ہوگی۔ (علم المعانی)

﴿١١﴾ **امتنان:** احسان جتاتے ہوئے کسی چیز کا حکم دینا، جیسے: ﴿كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا، وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ ﴿٢﴾ [المائدة: ۸۸]

﴿١٢﴾ **دوام:** ہمیشگی و بقا کے ساتھ تھامے رکھنے کا حکم دینا، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ﴾ [الأحزاب: ۱] ﴿أَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ﴾ ﴿٣﴾ [الحديد: ۷]

﴿١٣﴾ **نصح و ارشاد:** مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی راہ نمائی کرنا جس میں مامور کا فائدہ ہو، جیسے: ﴿يُبْنِيْ اَقِيْمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ؛ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [لقمان: ۱۷]؛ آپ ﷺ کا

① یعنی: عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر ملا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے؛ یہ ہرگز جائز نہیں کہ: قید میں رکھ کر اس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے، جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے۔

② اے مؤمنو! تم دوشطوں کے ساتھ (حد تجاوزی کیے بغیر اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے) اللہ کی دی ہوئی حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ! اعتداء کے دو مطلب ہیں: نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار مت کرو! کہ انہوں نے حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا معاملہ کیا۔ اور یہود کی طرح لذات و شہوات میں منہمک ہو کر دنیا کو اپنا مطمح نظر نہ بناؤ!۔ یہاں امتنان کا قرینہ فرمان الہی ﴿مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ ہے۔

③ آیت اولیٰ: اے نبی! جی! تقویٰ والی زندگی پر ہمیشہ مستقیم رہیے!۔

آیت ثانیہ: یعنی اے لوگو! اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اور جو کچھ اس نے تم کو اپنا نایب بنا کر دیا ہے اُسے خرچ کرو! مطلب یہ ہے کہ: جن لوگوں میں یہ صفت و خصلت نہیں ہے وہ اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے وہ اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں۔

فرمان ہے: ”يَا عَلِيُّ! مِنْ هَذَا فَاصِبٌ؛ فَإِنَّهُ أَوْفَىٰ لَكَ“ ① [الترمذی]

⑫ **اِثَارہ:** یعنی کبھی امر کو بجالانے والے مامور کو جوش دلانے کے لیے بھی حکم دیا جاتا

ہے، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ ② [الأحزاب: ۱]۔

⑬ **حَثَّ عَلَى الْإِتِّصَافِ:** کسی معین صفت کے ساتھ ابتداءً متصف ہونے یا ہمیشگی

کے ساتھ متصف رہنے پر ابھارنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ بَنِيَّ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ③ [البقرة: ۱۳۲]۔

⑭ **تصویر الحال:** کبھی آمر کے حال کی منظر کشی کرنے اور پریشانی کے اظہار کے

لیے امر کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ: أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا

① اس مثال پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ: آیت میں مامور بہ چیزیں نماز اور امر بالمعروف وغیرہ تو واجب ہیں، لہذا امر بھی وجوب کے لیے ہے! کیوں کہ: اگر یہ اوامر مقام امر میں استعمال کئے جائیں، تو وجوب کے لیے ہوں گے؛ لیکن یہاں انہیں اوامر کو حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی نقل کیا جا رہا ہے، لہذا مقام کا تقاضہ خیر خواہی اور راہنمائی کرنا ہوگا۔ (علم المعانی) نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: لَا يَمْسِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدٍ، لِيَنْتَعِلَهُمَا جَمِيعًا أَوَّلِيحْفَهُمَا جَمِيعًا“۔ (شمائل ترمذی)

② مثال اول: یعنی اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہے اور کافروں اور منافقین کا کبھی کہنا نہ مانے! گویا ایسے اوامر و نواہی، حکم اور روک کے لیے نہیں ہے؛ کیوں نبی ﷺ کا معمول تو پہلے سے یہی رہا ہے؛ بلکہ ان صفات کو دوام و استمرار کے ساتھ تھامے رکھنے کے لیے حکم ہوا ہے۔ یہی دوام و استمرار کی غرض اس قسم کی دیگر آیات میں بھی سمجھنا چاہیے۔ (علم المعانی) مثال ثانی: آپ ﷺ کا حضرت علی کو فرمانا: يَا عَلِيُّ! مِنْ هَذَا فَاصِبٌ؛ فَإِنَّهُ أَوْفَىٰ لَكَ“۔ (ترمذی، ابواب الأطعمة)؛ حضرت علیؓ بیماری سے ابھی ابھی اُٹھے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ کھجور کھانی شروع کی، تو آپ ﷺ نے احتیاطاً فرمایا: علیؓ رکو! تم ابھی بیماری سے اُٹھے ہو؛ پھر جب جو کھجور اور چقندر پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے علیؓ! (اگر کھانا ہے تو) اس میں سے کھاؤ! یہ آپ کے لیے زیادہ موافق ہے۔

ملفوظ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوام و اِثَارہ کا مفہوم قریب قریب ہے۔

③ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ: اللہ نے تمہارے لیے دین الہی (جو حکم اللہ نے نبی کے ہاتھ بھیجے اُسے قبول کرنا) چن لیا ہے، سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہو کر!۔ چنانچہ ایک مدت تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبری رہی، اب ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہنچی ہے؛ لہذا مسلمان ”ملت ابراہیمی“ پر ہیں، اور یہود کا کہنا کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت فرمائی تھی سو وہ جھوٹے ہیں! جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔

مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ﴿١﴾ [الأعراف: ۵۰]

﴿١٤﴾ **اِحْرَام:** مخاطب کے احترام یا خاطر مدارات کے لیے امر کو استعمال کرنا، جیسے:

﴿أَدْخُلُوهَا بِسَلَمٍ آمِنِينَ ۝﴾ ﴿٢﴾ [الحجر: ۶۶]

فصل ثانی: بیانِ نہی

نہی: بلند رتبہ کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رتبہ کو کسی کام کے کرنے سے علی سبیل

الالزام روکنا؛ یہ نہی کا معنی حقیقی ہے، جیسے: ﴿لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾

[الأعراف: ۵۶]؛ ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ ﴿٣﴾ [البقرة: ۱۸۷]

ملحوظہ: صیغہ نہی وہ فعل مضارع ہے جس کے شروع میں لائے نہی ہو۔

نہی کے معانی مجازیہ

صیغہ نہی کبھی اپنے حقیقی معنی کے علاوہ مجازی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، جب کہ قرآن پائے جائیں؛ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

التَّحْقِيرُ وَالْإِهَانَةُ، التَّفْظِيعُ وَالتَّهْوِيلُ، الدُّعَاءُ، الْإِلْتِمَاسُ، التَّمَنِّي، التَّهْدِيدُ، التَّوْبِيخُ، التَّصْحُحُ وَالْإِرْشَادُ، التَّيْيِيسُ، بَيَانُ الْعَاقِبَةِ، الْإِثْتِنَاسُ، الدَّوَامُ.

① دوزخی نہایت سخت عذاب سے بے قرار، بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے کہ: ہم جلے جا رہے ہیں! تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ، یا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں اس کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچا دو)؛ جواب ملے گا کہ کافروں کے لیے ان چیزوں کی بندش ہے۔ (علم المعانی، فوائد)

② متقیوں (کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرنے والوں) کو کہا جائے گا: تم لوگ جنت میں سلامتی (فی الحال تمام عیوب و آفات سے صحیح سالم) اور امن (آئندہ ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھٹکے) جنت میں جاؤ!۔ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے میزبان کھانے پینے والے مہمان کو کہتا ہے: کُلْ وَاشْرَبْ.

③ آیت اولیٰ: جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑ بڑ نہ ڈالو۔ آیت ثانیہ: روزہ و اعتکاف کے متعلق جو حکم دربارہ حرمت مذکور ہوئے، یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان سے ہرگز باہر نہ نکلتا؛ بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا۔ اس آیت میں زمین میں فساد پھیلانے اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کے ارتکاب سے؛ بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ (علم المعانی)

① **تحقیر و اہانت:** خوب ذلیل اور بے عزتی کرنے کے لیے، جیسے: ﴿قَالَ

اٰخَسُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ ۝﴾ [المؤمنون: ۱۰۸]؛ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ ① [توبہ: ۲۸]

② **تفطیع و تہویل:** کسی چیز کا بھیانک اور ہولناک ہونا بیان کرنے کے لیے نہی

کو استعمال کرنا، جیسے: ﴿لَا تُسْأَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ ۝﴾ ② [البقرہ: ۱۱۹]۔

ملحوظہ: کبھی انتہائی نعمت و آسائش کو بھی تہویلاً بیان کیا جاسکتا ہے، جیسے تو کہے: لَا تُسْأَلُ

عَنْ فُلَانٍ! اَيُّ: حَلٍّ بِهٖ مِنَ الْخَيْرِ وَالْتَعِيْمِ مَا لَا يُوصَفُ لِكَثْرَتِهِ وَوَفَرَتِهِ ③۔

① آیت اولی: جہنمی لوگ کل قیامت کو جہنم سے نکلنے کی تمنا کریں گے اور یہ اعتراف کریں گے کہ: بے شک ہماری

بدبختی نے دھک دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے؛ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا، ازراہ

کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے! پھر دوبارہ ایسا کریں تو جو چاہے عذاب دیجئے گا۔ جواب ملے گا: پھٹکارے

ہوئے جہنم میں پڑے رہو! اور مجھ سے بات نہ کرو! (علم المعانی)

آیت ثانیہ: حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کر دیا اور قبائل جوق

در جوق دائرۃ اسلام میں داخل ہونے لگے، تب سن: ۹ھ میں یہ اعلان کر دیا کہ: آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں

داخل نہ ہو؛ بلکہ حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے! کیوں کہ ان کے قلوب شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے

ہیں کہ وہ اس مقدس مقام اور مرکز کو توحید و ایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ (نوائد)

② ایک قراءت کے مطابق ﴿لَا تُسْأَلُ﴾ صیغہ نہی مجزوم ہے، یعنی: جہنمیوں کے عذاب کی شدت و زیادتی اور اس

کی عبرت ناک سزا کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ہولناکی کو سنا جاسکتا ہے! بلکہ دنیا میں اس کا تصوّر بھی نہیں کیا

جاسکتا! اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ (علم المعانی)

ملحوظہ: کبھی منہی عنہ کو کسی قید سے مقید یا کسی وصف سے متصف کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ وہاں مطلق نہی مراد ہوتی

ہے؛ ہاں اس قید یا وصف کو ذکر کرنے سے اس منہی عنہ کی قباحت و وقاحت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿وَلَا تُكْفِرْهُوْا

فَتَلِيْتَكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدَنْ تَحْصِنَا لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [النور: ۳۳]، لونڈیوں سے بدکاری کروانا ہر حال

میں حرام ہے؛ لیکن محض دنیا کے حقیر فائدے کے لیے زبردستی ان کو مجبور کرنا اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت کی دلیل

ہے جس کو ﴿اِنْ اَرَدَنْ تَحْصِنَا﴾ اور ﴿لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ سے بیان فرمایا ہے۔ (علم المعانی، فوائد عثمانی)

③ فلاں کے بارے میں مت پوچھو! یعنی: وہ اس قدر زیادہ مال و اسباب اور آسائش والا ہے جن کو بیان نہیں کیا

جاسکتا۔ (علم المعانی)

③ **دعاء:** جب نہی کا صیغہ ادنیٰ کی طرف سے اعلیٰ کے حضور نہایت ہی عاجزی سے صادر ہو تو وہ دعا کے معنی میں ہوگا، جیسے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ ① [البقرة: ۲۸۶]۔

④ **التماس:** دو ہم عمر یا ہم رتبہ میں سے ایک کا دوسرے کو بدونِ استعلاء اور بغیر تواضع و انکساری کے (نرمی کے ساتھ) روکنا، جیسے: ﴿قَالَ يَبْنَؤُمْ لَا تَأْخُذْ بِلِحَيَّتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ ② [طہ: ۹۶]۔

⑤ **تمنی:** کسی ایسے محال یا شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) امر محبوب و مرغوب (ترکِ فعل) کو طلب کرنا جس کا وقوع یقینی ہو، جیسے شاعر کا شعر: يَا لَيْلُ طُلْ، يَا نَوْمُ زُلْ، يَا صُبْحُ قِفْ! "لَا تَطْلُعْ" ③۔

⑥ **تہدید:** کسی بری حرکت سے باز نہ آنے پر مخاطب کو دھمکانا، جیسے: ﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ④ [التوبة: ۶۶]۔

① اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے! اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا؛ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالے جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ دیکھیے! مؤمنین کا تضرع اور عاجزی سے اللہ کے سامنے گڑ گڑانے سے مقصود دعا کرنا ہے۔

② یہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں قدر و منزلت میں مساوی تھے؛ لہذا استعلاء و الزام اور عاجزی و مسکنت مراد نہیں ہے؛ بلکہ التماس مراد ہے۔ (علم المعانی)

③ اے رات تو لمبی ہو جا، اے نیند اڑ جا، اے صبح ٹھہر جا، مت نکل؛ دیکھیے! یہاں شاعر کے قول میں "لا تطلُع" صیغہ نہی اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے؛ اس لیے کہ خطاب صبح سے ہے اور وہ امتثال امر کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی؛ یہاں صبح کا طلوع نہ ہونا شاعر کی ایسی محبوب شئی ہے جس کے پائے جانے کی امید نہیں۔

ملحوظ: یہ معنی اس وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب کہ کام سے رک جانے کا مطالبہ کسی غیر عاقل سے کیا جائے۔

④ منافقین اپنی حرکاتِ شنیعہ سے باز نہ آتے تھے اور ہر وقت اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، پھر کسی وقت حضرت ان کی دغا بازی پکڑتے تو طرح طرح کے بہانے بناتے؛ ان کو دھمکایا گیا ۷

④ **توبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ یا اظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے: ﴿قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ، إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ؛ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ ① [ہود: ۶۶]

⑤ **نصح و ارشاد:** مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی راہ نمائی کرنا جس میں مخاطب کا فائدہ ہو، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدَّ لَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾ ② [المائدة: ۱۰۱]؛ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلِ وَاحِدٍ، لِيَنْعَلَهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُخْفِيَهُمَا جَمِيعًا.

⑥ **تبییس:** مایوس کرنے کے لیے نبی کو بیان کرنا، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ، إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ③ [التحریم: ۷].

❶ کہ: حق و صداقت کی پیروی کرو! طغیان و سرکشی سے باز رہو! جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں! جن کو نفاق و استہزاء کی سزا ملنی ہے وہ مل کر رہے گی۔ ہاں جو لوگ اب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے انہیں خدا معاف کر دے گا۔ (علم المعانی فوائد)

① نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ: میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان شرط نہیں اور لَا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مجمل تھا، بناءً علیہ شفقتِ پیدری کے جوش میں عرض کیا: اِلٰهَ الْعَالَمِينَ میرا بیٹا میری اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ کر چکے ہیں! جواب ملا کہ: تمہارا پہلا ہی مقدمہ ﴿إِنِّي مِنْ أَهْلِي﴾ غلط ہے جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں؛ کیوں کہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں، نیز ﴿إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾، کے مصداق کا تمہیں علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں! پھر جس کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت یہ حاجت کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لیے زیبا نہیں! (فوائد عثمانی)

② صحیح حدیث میں ہے کہ: پہلی قومیں کثرتِ سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔ ان آیات میں لوگوں کو ترغیب دیتے ہوئے متنبہ فرمایا کہ: جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول سوالات مت کیا کرو! جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ: فضول سوال سے کوئی سخت حکم آجائے یا حکم میں کوئی قید آجائے، یا ایسے واقعہ کا اظہار ہو جس سے تمہاری فضاحت ہو، یہ بے ہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی ہے؛ ہاں! ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے فرع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں! (فوائد علم المعانی)؛ نیز حدیثِ رسول میں ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت بھی از قبیل ارشاد ہے۔

③ قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا اس وقت منکروں سے کہا جائے گا: ”اے منکر ہونے والا! آج کے دن بہانے مت بتلاؤ! وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے۔“ یہاں معذرت کرنے سے روکنا مقصود نہیں؛ بلکہ انہیں مایوس

⑩ **بیان عاقبت:** انجام سے آگاہ کرنا، جیسے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي

سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا﴾^① [آل عمران: ۱۶۹]

⑪ **انتناس:** مانوس بنانے کے لیے، جیسے: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾^② [التوبة: ۴۰]

⑫ **دوام:** ہمیشگی کے ساتھ منہی عنہ سے روکنا، جیسے: ﴿لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ

أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ... وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللُّقَابِ﴾^③ [حجرات: ۱۱]

فصل ثالث: بیان استفہام

استفہام: کسی چیز کے علم کو مخصوص اُدات کے ذریعے طلب کرنا جو پہلے سے حاصل

نہ تھا، جیسے: ﴿إِنَّكَ أَنتَ فَاعِلْتَ هَٰذَا بِإِلٰهِنَا يَا بَرِہِیمُ﴾ [الانبیاء: ۶۲]، ﴿أَقْتَلْتَ نَفْسًا

❖ کرنے اور یہ بتلانے کے لیے کہا جائے گا کہ: آج تمہارے کفر و ضلالت کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے! (علم المعانی)

① اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مُردے گمان نہ کرو! بلکہ ان کا انجام تو یہ ہے کہ: وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔

② آپ ﷺ ہجرت کے وقت غار میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطمینان دیتے ہوئے مانوس کر رہے تھے: تم غم نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

③ اللہ پاک نے مسلمانوں میں آپسی نزاع و اختلاف کو روکنے اور جذباتِ منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہوا س کی تدابیر بتلائی ہے کہ: ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخر اپن کرے، نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، اور نہ بُرے ناموں اور بُرے القاب سے فریقِ مقابل کو یاد کیا جائے؛ کیوں کہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں اور ترقی ہوتی ہے اور فتنہ و فساد کی آگ اور تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی سورہٴ حجرات میں موجود ہے۔ (یہ وہ منہیات ہیں جن سے دائمی طور پر دور رہنا ضروری ہے)۔

اس کے بعد والی آیتوں ﴿لَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ بَغَضُكُمْ﴾ میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”الزام لگانا اور بھید ٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں مگر جہاں اس میں دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو“ وہاں اجازت ہے، جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہٴ جرح و تعدیل کا معمول رہا ہے؛ کیوں کہ اس کے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔ (ملخص من فوائد عثمانی)

زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ﴿١﴾ [الكهف: ۷۴]

طلبِ تصوّر طلبِ تصدیق: کسی ایسی چیز (جزوِ جملہ یا نسبتِ جملہ) کے متعلق جانکاری طلب کرنا جس کی واقفیت نہ ہو؛ پھر اگر دو چیزوں کے درمیان وقوع یا لا وقوع نسبت کا سوال ہے تو اُسے ”طلبِ تصدیق“ کہتے ہیں؛ لیکن اگر نسبت کا یقین ہو، اور سوال کسی جزوِ جملہ کے بارے میں ہو تو اُسے ”طلبِ تصور“ کہتے ہیں۔

استفہام کے کل ادوات یہ ہیں: همزة الاستفہام، (طلبِ تصور و تصدیق)، هَلْ (طلبِ تصدیق)، مَا، مَنْ، مَتَى، أَيْتَان، كَيْفَ، أَيْنَ، أُنَّى، كَمْ، أَيْ (طلبِ تصدیق)۔
فائدہ: مستفہم عنہ (جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کے اعتبار سے ادوات استفہام کی تین قسمیں ہیں: ① همزة استفہام، ② هَلْ، ③ دیگر ادوات۔

① همزة استفہام، طلبِ تصور اور طلبِ تصدیق دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے
برائے طلبِ تصور: ﴿عَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ [واقعة: ۵۹]؛ برائے طلبِ تصدیق: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ ④ [الم نشرح: ۱]

① آیت اولیٰ: جب وہ لوگ شہر سے باہر میلے میں گئے تب ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر بچوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم و تکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا اور جس کلبھاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکا دی؛ جب انہوں نے صورتِ حال دیکھی تو بول اُٹھے: کیا اے ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ گڑ بڑی کی ہے؟۔ آیت ثانیہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے ایک لڑکے کو مار ڈالنے پر دریافت کیا کہ: اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا؛ تو آخر اس لڑکے کو مار ڈالنے کی کیا وجہ؟ (نوائدِ بزیادہ)

② آیت اولیٰ: یعنی رحمِ مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ (میں حقیقی خالق! یا تم مخلوق!) وہاں تو تمہارا کسی کا ظاہری تصرّف نہیں چلتا؛ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوب صورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے؟ (نوائدِ عثمانی)؛ طلبِ تصور میں جواب تعین کے ذریعے ہوگا، کہ: تُو ہی پیدا کرنے والا ہے۔

آیت ثانیہ: کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا!؛ کہ اس میں علوم و معارف کے سمندر اُتار دیے اور لوازمِ نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کا بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں۔ (نوائدِ عثمانی)؛ طلبِ تصدیق میں جواب: ”نعم، لا“ کے ذریعے دیا جائے گا، کہ: ہاں! تُو نے سینہ کھولا دیا ہے۔

ہمزہ استفہام جب طلب تصور ① کے لیے ہو تو مستفہم عنہ کو ہمزہ سے متصل رکھنا ضروری ہے؛ ہاں! اکثر و بیشتر معادل ② (مقابل) کو اُم کے بعد ذکر کرتے ہیں، اس ”اُم“ کو اُم متصلہ کہتے ہیں؛ لیکن کہیں ایسے مواقع پر معادل کو حذف بھی کر دیتے ہیں جب کہ معادل پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو، جیسے ذکر معادل کی مثال: ﴿يَصَاحِبِيَ السَّجْنِ! عَزَابًا مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [یوسف: ۳۹]؛ حذف معادل کی مثال: ﴿عَأْنَتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا يُابِرْ هَيْمٌ﴾ [الأنبياء: ۶۲]، اُی: عَأْنَتَ فَعَلْتَ هَذَا أَمِ غَيْرُكَ؟۔

ہمزہ تصور کے بعد آنے والے اُم کو ”اُم متصلہ“ ③؛ اور ہمزہ تصدیق اور ہل کے بعد آنے والے اُم کو ”اُم منقطعہ“ کہا جاتا ہے۔

① طلب تصور: اجزائے جملہ میں سے کسی ایک (مفرد) کے بابت دریافت کرنا، جب کہ سائل کو حکم (یعنی: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت) کا یقین ہو؛ لیکن اجزائے جملہ - مثلاً - یہ حکم کس کے لیے ثابت ہے؟ اس کو دریافت کرنا مقصود ہو تو اُسے ”طلب تصور“ کہا جاتا ہے۔

② طلب تصور کی صورت میں ہمزہ سے جو چیز متصل ہوگی اس کو ”مسئول عنہ“ کہیں گے، اور اس کا ایک مقابل ذکر کیا جائے گا جو اُم متصلہ کے بعد آئے گا، اس کو ”معادل“ کہتے ہیں، جیسے: أَعْلَى مُسَافِرٍ أَمِ سَعِيدٌ، اس مثال میں عَلِيٌّ مسئول عنہ ہے، اور سَعِيدٌ مسئول عنہ کا معادل ہے۔

طلب تصدیق: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت کے بارے میں دریافت کرنا؛ اور یہ طلب اس وقت ہوتی ہے جب کہ سائل کو اجزائے جملہ کے بابت تو علم ہوتا ہے؛ لیکن وہ حکم (جملے کی ثبوتی یا سلبی نسبت) سے ناواقف ہوتا ہے؛ لہذا اس حکم پر واقعیت حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے؛ اس کو ”طلب تصدیق“ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: تصدیق کی صورت میں نسبت ہی ”مسئول عنہ“ ہوگی اور اس کے ساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ مثال ﴿أَلَمْ تَفْشَخْ لَكَ صَدْرُكَ﴾ سے ظاہر ہے۔

③ آیت اولیٰ: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے (وہ بہتر ہے)؟ آیت ثانیہ: جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا تو وہ (کافرین) بولے: ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟ (علم المعانی، فوائد)

④ اُم متصلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: اس میں مابعد اُم یہ مابعد ہمزہ سے موافق ہوتا ہے، نیز دونوں مفردات معنوی چور پر باہم مربوط ہوتے ہیں؛ جب کہ اُم منقطعہ دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے؛ اور اس وقت وہ ”اُم“ بہ معنی: بل ہوگا۔

خلاصہ کلام: ہمزہ تصور کے بعد آنے والا ”اُم“ متصلہ ہوگا اور ہمزہ تصدیق اور ”ہل“ کے بعد آنے والا ”اُم“ منقطعہ ہوگا۔

② **هَلْ** صرف طلب تصدیق (وقوع نسبت اور لاوقوع نسبت کو جاننے) کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾^① [فاطر: ۳]؛ اس کے ساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جاتا۔

هَلْ کی دو قسمیں ہیں: **هَلْ بَسِيطَه**، **هَلْ مُرَكَّبَه**۔

هَلْ بَسِيطَه: وہ حرف استفہام ہے جس کے ذریعے وجودی شے کا سوال کیا جائے، جیسے: **هَلِ الْعَنْقَاءُ مَوْجُودَةٌ**، کیا عنقاء پرندے کا وجود ہے؟۔

هَلْ مُرَكَّبَه: وہ حرف استفہام ہے جس کے ذریعے ایک موجود چیز کی صفت کا سوال کیا جائے، جیسے: **هَلْ تَبِيضُ الْعَنْقَاءِ**، کیا عنقاء پرندہ اندھے دیتا ہے؟۔

③ بقیہ ادوات استفہام صرف طلب تصور کے لیے آتے ہیں، مگر وہ تصور ان کے معانی کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

ہمزہ اور **هَلْ** کے درمیان فرق

ہمزہ اور **هَلْ** کے مابین فرق مندرجہ ذیل ہے:

① **هَلْ** صرف طلب تصدیق کے لیے آتا ہے؛ لہذا اس کے بعد ام متصلہ (وہ ام جس کے بعد مفرد ہو) نہیں آئے گا؛ ہاں! ام منقطعہ (جس کے بعد جملہ واقع ہوتا ہے) آسکتا ہے؛ لہذا جب **هَلْ** کے بعد ام متصلہ واقع ہو تو اس مفرد کو جملہ کی تاویل میں کرنا ضروری ہوگا، جیسے: **أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِحَبَابِرٍ: هَلْ تَزَوَّجَتْ بِكَرًا أُمَّ ثَيْبًا؟**^② [البخاری]

① کیا اللہ کے سوا کوئی بنانے والا ہے، وہ اللہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ یعنی مانتے ہو کہ: پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا! جو خالق و رازق حقیقی ہے وہی معبود بھی ہونا چاہیے۔

ملحوظ: **هَلْ** یہ طلب تصدیق (نسبت) کے دریافت کرنے کے لیے آتا ہے جس کا جواب اثبات یا نفی میں آئے گا، اسی وجہ سے ”اُم“ متصلہ لا کر اس کے معادل کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہے؛ چنانچہ ”هل جاء أبوك أم أخوك“ کہنا صحیح نہیں۔

② یہاں ”اُم ثیباً“ یہ عبارت دراصل ”بل هل تزوجت ثیباً“ کی تاویل میں ہے۔

- ② ہل یہ مستفہم عنہ مثبت کے ساتھ خاص ہے، جب کہ ہمزہ مثبت و منفی دونوں پر داخل ہوگا؛ لہذا ”هَلْ مَا جَاءَ زَيْدٌ“ نہیں کہہ سکتے، اور ”أَمَّا جَاءَ زَيْدٌ؟“ کہہ سکتے ہیں۔
- ③ ہل جب مضارع پر داخل ہو تو اس کو مستقبل کے ساتھ خاص کر لیتا ہے ①۔

① یہاں بقیہ ادوات کو اتما للفاعلہ ذکر کیا جاتا ہے:

بقیہ ادوات استفہام

مَنْ: ذوی العقول کی تعیین کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ [البقرة: ۲۷۵]؛ کون شخص ہے جو اللہ کو قرض حسن (اچھا قرض) دے، پھر اللہ اس کے قرض (کے ثواب) کو کئی گنا بڑھا دے۔

ملحوظہ: استفہام کے اسلوب میں کبھی نفی کے معنی بھی ہوتے ہیں، جیسے: ﴿وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]؛ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ [البقرة: ۲۵۵]؛ ﴿فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾ [روم: ۲۹]؛ اللہ کے علاوہ کوئی ہے جو گناہ کو بخشے! یعنی: سوائے اللہ کے کوئی گناہ بخشنے والا نہیں!

ملحوظہ: یاد رہے کہ مَنْ کے جواب میں مستفہم عنہ کی ذات کو ذکر کیا جائے گا یا پھر ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں گے جو مستفہم عنہ کے ساتھ خاص ہوں، جیسے: ﴿قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسَى﴾ [طہ: ۹۱]؛ ﴿فَقَدْ أَجَابَ مُوسَى بَبِيَانِ الصِّفَاتِ الْخَاصَةِ بِرَبِّ الْعِزَّةِ الْمُنْفَرِدِ بِهَا سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى؛ وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً؛ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ [حم السجدة: ۱۵]؛ فالجواب هنا قد اشتمل على ذكر الذات المستفهم عنها. (علم المعانی)

ما: غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اور تین جگہوں میں استعمال ہوتا ہے:

- ① کبھی ما سے ذات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَى﴾ [طہ: ۱۷]؛ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ﴾ [آل عمران: ۷۰]؛ ﴿قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُ لَهَا عَظِيمِينَ﴾ [الشعراء: ۷۰، ۷۱]۔
- ② کبھی ما سے مسمیٰ کی حقیقت اور اس کی صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ﴾ [الأنبياء: ۵۲]۔

③ اور کبھی ما سے مسمیٰ کی محض صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [الشعراء: ۲۳، ۲۴]؛ دوسری آیت میں سوال حقیقتِ مسمیٰ کے بارے میں ہے؛ لیکن جواب مقتضائے استفہام کے خلاف ہے؛ اور تیسری آیت میں سوال صفتِ مسمیٰ کے بارے میں ہے؛ لیکن جواب سائل کی توقع کے خلاف ہے۔ (علم المعانی)

متی: متی سے زمانہ کی تعیین کے بابت دریافت کیا جاتا ہے، چاہے ماضی کا سوال ہو یا مضارع کا، جیسے: ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [یس: ۸۸]۔

• **آیَان:** زمانہ مستقبل کی تعیین کے لیے آتا ہے، اور امورِ عظیمہ کے ساتھ خاص ہے، جیسے: ﴿يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ﴾ [الذاریات: ۱۲]؛ قیامت کا ہولناک دن کب ہے؟ (علم المعانی)

أَيْنَ: مکان (جگہ) کی تعیین کے بابت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ وَحَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۵﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۶﴾ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُوءُ ﴿۷﴾ [القیامہ: ۷-۱۰]؛ یعنی: حق تعالیٰ کی تجلّی قہری سے جب آنکھیں چندھیا نے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آجائے گا، اس وقت آدمی کہے گا: بھاگ کر کہاں چلا جاؤں! (علم المعانی)

أُنَى: یہ تین معنوں میں مستعمل ہے:

① بمعنی کیف استعمال ہوتا ہے، جیسے: ﴿قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلْمٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ﴾ [آل عمران: ۱۰]؛ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: میرے پروردگار! میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا! میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے؛ یہ غیر معقود طور پر اولاد کا ماننا کیسے ہوگا؟ (فوائد)

② بمعنی: مِنْ أَيْنَ، جیسے: ﴿يَمْرَيْمُ أَنَّى لَكَ هَذَا؟ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ [آل عمران: ۳۷]؛ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم میوے آتے، گرمی کے پھل سردی میں، سردی کے گرمی میں؛ اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونا شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریا علیہ السلام سے رہانہ گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ: مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں؟

③ بمعنی: مَتَى، جیسے: ﴿فَسَاوَكُمْ حَزْتُ لَكُمْ فَأَتُوا حَزْزَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [البقرہ: ۲۲۳]؛ تمہاری عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتی کے ہیں؛ سواپنی کھیتی (محلِ حرث) میں - نہ کہ موضعِ فرث میں - جہاں سے (جس وقت یا جیسے) چاہو، ملو! یہاں ”اُنَى“ کے بارے میں تینوں اقوال ہیں: بمعنی: مَنْ أَيْنَ شِئْتُمْ، بمعنی: مَتَى، اُنَى فِي أَيِّ وَقْتٍ شِئْتُمْ اور بمعنی: کَیْفَ شِئْتُمْ. (الکواکب الدرر، علم المعانی)

کَیْفَ: کسی چیز کی کیفیت و حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخْفِي الْمَوْتَى﴾ [البقرہ: ۲۶۰]؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پروردگار! آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے! یہاں کیف سے احیاء کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے؛ یعنی: عینِ یقین کے خواست گار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے؛ ورنہ یقین تو پورا ہی تھا۔

کَمَ: چیز کی بہم تعداد معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ، قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [الکہف: ۱۹]۔ (علم المعانی)

أَيُّ: یہ کسی ایک وصف عام میں شریک ہونے والی دو چیزوں میں سے ایک چیز کی تعیین کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے: ﴿أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ [مریم: ۷۳]؛ دونوں جماعتوں میں کی کونسی جماعت مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے؟ دیکھیے: یہ دونوں جماعتیں وصفِ فریقیت میں شریک ہیں؛ مگر خیریت کس کے لیے ثابت ہے، اس کی تعیین کا سوال کیا جا رہا ہے۔

استفہام کے معانی مجازیہ

کبھی ادوات استفہام اپنے حقیقی معنی کے علاوہ دیگر حاصل ہونے والے مجازی معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں جب کہ قرآن پائے جائیں۔ اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

التَّسْوِيَةِ، التَّنْفِي، الْإِنْكَارُ: (إِنْكَارِيٌّ تَوْبِيخِيٌّ، إِنْكَارِيٌّ تَكْذِيبِيٌّ)، الْأَمْرُ، التَّنْهِي، التَّشْوِيقُ، التَّعْظِيمُ، التَّحْقِيقُ وَالِاسْتِخْفَافُ، التَّوْبِيخُ، التَّعْجِبُ، التَّقْرِيرُ: (طَلَبُ الْإِقْرَارِ، التَّحْقِيقُ وَالْإِثْبَاتِ)، التَّهْكُمُ، الْاسْتِبْطَاءُ، الْاسْتِبْعَادُ وَالتَّعْجِيبُ، التَّنْبِيْهِ عَلَى الْخَطَا، التَّنْبِيْهِ عَلَى الضَّلَالِ، التَّهْوِيلُ، التَّمْنَى، الْوَعِيدُ وَالتَّهْدِيدُ، التَّحْسُرُ، الْعِتَابُ، التَّذْكِيرُ، الْافْتِحَارُ، التَّرْغِيبُ.

① **تسویہ:** یعنی ادوات استفہام کے ذریعے دو چیزوں میں برابری ثابت کرنا، جیسے:

﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ① [یس: ۱۰].

② **نفی:** کسی چیز کے نہ ہونے کو بتلانا، جیسے: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا

الْإِحْسَانُ﴾ ② [الرحمن: ۶۰]

① وہ لوگ جو کافر ہو چکے (اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیے گئے، جیسے ابو جہل ابولہب وغیرہ) برابر ہے کہ تم ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استفہام تسویہ کے لیے ہے۔

② نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ یہاں ”ہل“ یہ ”ما“ نافیہ کے معنی میں ہے۔

ملفوظ: نفی صریحی اور نفی بطریق استفہام میں فرق یہ ہے کہ: استفہام کی صورت میں مخاطب کو نفی کے ساتھ منفی عنہ سے رکنے پر ابھارنا، نیز منفی عنہ کے بابت بار بار سوچنے اور غور و فکر کرنے پر آمادہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے، تاکہ بار بار سوچنے اور غور و فکر کرنے کے نتیجے میں مخاطب کے سامنے غلطی واضح ہو جائے اور اس کام سے ہمیشہ دور رہے؛ دیکھیے! باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۱۷] اور ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ [العنکبوت: ۶۸] میں کس بلیغ اسلوب سے مخاطب کو سوچنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے؛ یہ فائدہ معروف نفی میں ندارد۔ (علم المعانی)

③ **انکار:** کسی چیز کی برائی بتا کر اُس سے روکنا، جیسے: ﴿أَغْيَرَ اللَّهُ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾^① [أنعام: ۴۰]۔

استفہام انکاری کی دو قسمیں ہیں: انکاری تو بخنی، انکاری تکذیبی۔ پھر دونوں کی دو دو صورتیں ہیں: باعتبار ماضی، باعتبار مستقبل^②۔

④ **امر:** کسی کام کے کرنے پر بلیغ انداز میں ابھارنا اور اس کا حکم دینا، جیسے: ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ [المائدة: ۹۱]؛ أَيْ انتهوا؛ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾^③ [القمر: ۱۷]۔

① مشرکین سے آپ کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب آجاوے یا قیامت آجائے تب بھی تم اللہ کے علاوہ کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہوں!

② انکاری تو بخنی باعتبار ماضی: اس کا مطلب ہے ”ماکان ینبغی أن یقع“ یعنی: ماضی میں ہونے والی چیز کا وقوع مناسب نہ تھا، جیسے: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَآ فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ [یوسف: ۸۹]۔
انکاری تو بخنی باعتبار مستقبل: اس کا مطلب ہے ”ینبغی أن لا یكون“ یعنی: مستقبل میں یہ نہ ہونا چاہئے جس کا مستقبل کو خطرہ ہے، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا﴾ [النساء: ۱۴۴]، مؤمنوں سے اس ارادہ کا وقوع نہیں ہوا تھا؛ لیکن مستقبل میں اس کے وقوع کا خطرہ تھا۔

انکاری تکذیبی باعتبار ماضی: اس کا مطلب ہے ”لم یکن“ یہ معاملہ ماضی میں نہیں ہوا، جیسے: ﴿أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا﴾ [بنی اسرائیل: ۷۰]، اس استفہام سے مشرکین کے قول کی تکذیب ہوتی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی طرف سے یہ کام بالکل نہیں ہوا۔
انکاری تکذیبی باعتبار مستقبل: اس کا مطلب ہے ”لن یكون“ یہ تو ہرگز نہ ہوگا؛ جیسے: ﴿أَنْتُمْ لَكُمْ مَكْرُوهًا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ﴾ [ہود: ۲۸]، یعنی ہم تمہیں ہدایت پر مجبور کریں یہ ہرگز نہ ہوگا؛ کیوں کہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ یہ سنت اللہ ہے۔ (مخلص علم المعانی)

③ آیت اولیٰ: کیا تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟ (یعنی: اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ)۔ آیت ثانیہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان بنا دیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے! ان دونوں جگہوں پر مقصود حکم دینا (امر) ہے؛ لیکن استفہام کے اسلوب کو اختیار کر کے مخاطب کو قبول امر پر رغبت دلانا اور اُکسانا مقصود ہے۔ (علم المعانی)

⑤ **نہی:** کسی کام کے ترک کرنے کا حکم دینا، جیسے: ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ

تَخْشَوْهُ﴾^① [التوبة: ۱۳]

⑥ **تشویق:** جب متکلم مخاطب کو کسی بات کی ترغیب دینا چاہتا ہے اور اپنی بات کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو کبھی رغبت اور شوق دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کرتا ہے، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾^② [الصف: ۱۰] ﴿هَلْ أَتَاكَ﴾ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [النازعات: ۱۰].

④ **تعظیم:** کسی کی شان و شوکت یا احترام کو بتلانے کے لیے، جیسے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾^③ [بقرہ: ۲۵۵].

⑧ **تحقیر و استخفاف:** کسی کی توہین و تذلیل کرنے کے لیے ادات استفہام کو لانا، جیسے: ﴿أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا﴾^④ [الفرقان: ۴۱]؛ ﴿وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ: ﴿مَا تَعْبُدُونَ﴾﴾ [الشعراء: ۷۰]

① اے مؤمنو! کیا تم ان (مشرکین) سے ڈرتے ہو (جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کو وطن مقدس سے نکالا، مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر مظالم کی ابتدا کی اور صلح حدیبیہ کے بعد بھی عہد شکنی کی ابتدا کی!) حالاں کہ تم کو زیادہ اللہ سے ڈرنا چاہیے (کیوں کہ کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں!) یہاں ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ﴾ ”لا تَخْشَوْنَهُمْ“ کے معنی میں ہے۔

② اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی سودا گیری بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے!۔ اس جیسی آیات میں مخاطب کو شوق و رغبت دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے تاکہ اولاً مخاطب خود اس کا جواب سوچے، پھر جب طلب کے بعد جواب دیا جائے گا تو اچھی طرح دل میں راسخ ہو جائے گا۔ (علم المعانی)

③ یعنی اس اللہ کے سامنے۔ جو تمام مخلوقات کا موجد ہے، ہر طرح کے نقصان سے منزہ ہے، کائنات پر پوری قدرت ہے اور اعلیٰ درجہ کی عظمت اس کو حاصل ہے؛ کیا کسی کو اتنا استحقاق یا مجال ہے کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اس سے کر سکے؛ اس سے الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ بِإِذْنِهِ کا احترام بھی مقصود ہے۔

④ مشرکین مکہ اپنے سفرِ شام میں قوم لوط کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہیں اور بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ: پیغمبر سے ٹھٹھا کرتے ہیں، چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاء کہتے ہیں: کیا یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت؟ اور منصب رسالت!

⑨ **توبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے: ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ

عَبْدَهُ﴾^① [الزمر: ۳۶]

⑩ **تعجب:** یعنی کسی چیز پر اظہارِ حیرت کرنا، جیسے: ﴿قَالَتْ يُؤْتِلَنِيَّ أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ

وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ﴾^② [ہود: ۷۴]

⑪ **تقریر:** اس کے دو مطلب ہیں: طلبِ اقرار، تحقیق و اثبات۔

① طلبِ اقرار: یعنی گناہ و جرم کا اعتراف کرنا، جیسے: ﴿قَالُوا ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا

بِالْهِنَا يَا بُرْهِيمُ﴾^③ [الانبیاء: ۶۴]؛ ﴿ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ

دُونِ اللَّهِ﴾ [المائدہ: ۱۱۶]

① ﴿صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ، هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا؟﴾

[الزمر: ۲۹] میں شرک کاردار اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا، اس پر مشرکین پیغمبر کو ڈراتے تھے کہ: دیکھو تم ہماری دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ، کہیں تم کو (معاذ اللہ) بالکل خطی اور پاگل نہ بنادیں۔ اس کا جواب دیا گیا کہ: جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اُسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اُس عزیز و منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں! اس آیت میں استفہامی اُسلوب اختیار فرما کر مشرکین کو ڈانٹ پلائی ہے، یہ بھی ان مشرکین کا خطبہ و ضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہے۔

(نوائد عثمانی) بزیاۃ

② ابراہیم کا ایک بیٹا ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا، سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے، مگر اب بوڑھی ہو کر

مایوس ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ: سارہ کی عمر اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم سویا اس سے متجاوز تھے۔ اس وقت یہ بشارت ملی، اس پر حضرت سارہ بول پڑی: ارے کیا میں بچہ جنوں گی (یعنی اس عمر میں!)؛ ایسا ہوا تو بڑی انوکھی اور عجیب و غریب بات ہوگی، حضرت سارہ کے اسی تعجب کو باری تعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے: ﴿أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾

(علم المعانی، نوائد) بزیاۃ

③ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تُو نے یہ

(برتاؤ) کیا ہے؟ ﴿قَالُوا قَاتِلُوْا بِهِ عَلَىٰ أَغْنِيَنَّ النَّاسَ﴾ یعنی: ”اس کو ہلا کر بر ملا مجمع عام میں بیان (اقرار) لیا جائے، تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ: جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی بے شک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی ہوگا کہ: مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ: مشرکین کو عاجز و مبہوت کریں اور علیٰ رؤس الخلاق غلبہ حق کا اظہار ہو؛ اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ،

كَيْبَرُهُمْ هَذَا فَاسْتَلَوْهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ [الانبیاء: ۶۴]۔ (نوائد)

② تحقیق و اثبات: یعنی ثابت کرنا اور منوانا، جیسے: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۖ﴾ [الم نشرح: ۱۰۴]؛ ﴿أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۖ﴾ [الفیل: ۲۰]۔
 ③ **تہکم**: مخاطب کی تحقیر کرنا اور مذاق اڑانا، جیسے: ﴿قَالُوا يُشْعَبُ أَصْلُوْتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ﴾ [ہود: ۸۷]۔

④ **استبطاء**: کسی کام کا دیر سے ہونا سمجھنا، جیسے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمُ الْبَاسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ: "مَتَى نَصْرُ اللَّهِ"﴾ [البقرة: ۲۱۴]۔

⑤ **استبعاد و تعجیب**: استفہام سے کبھی استبعاد مراد ہوتا ہے، یعنی مستفہم کو ناممکن اور خارج از امکان بتلانا، جیسے: ﴿فَقَالَ الْكُفَرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۖ إِذَا مِثْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۖ﴾ [ق: ۲۰]؛ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ

① آیت اولیٰ: کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا!؛ آیت ثانیہ: کیا تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کی کل تدبیروں (چالوں) کو بے اثر و بے کار نہیں کیا؟۔ اس جیسی آیات میں تقریر بمعنی تحقیق و اثبات کی غرض ہوتی ہے۔ اور تحقیقی بات کو استفہامی انداز میں پیش کرنے کا مقصد مخاطب کو متنبہ کرکے پر ابھارنا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

② کیا تیری نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھلایا کہ ہم چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے۔ یعنی: حضرت شعیب علیہ السلام کو لوگ۔ بطور استہزاء و تمسخر۔ یہ کہتے تھے: بس زیادہ بزرگ نہ بنے! کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقل مند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے!۔ (علم المعانی، فوائد عثمانی)

③ صحابہ کرام سے خطاب ہے کہ: کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ بلا آزمائش جنت میں داخل ہو جاؤ حالاں کہ اللہ کی سنت تو یہ ہے کہ: اپنے بندوں کو بڑی سخت آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، جیسے اگلی امتوں کو ایذا میں پیش آئیں کہ: ان کو فقر فاقہ و مرض اور خوف کفار اس درجہ پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر خود نبی (جو اللہ کو۔ اپنی امت کے بالمقابل۔ بخوبی جانتے تھے اور اللہ کے وعدوں پر مکمل بھروسہ رکھتے تھے) اور اس کی امت بھی بول اٹھی کہ: اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ کب آئے گی! (گویا انہوں نے مدت عذاب اور نصرت الہی کو بہت لمبا گمان کیا)۔ یعنی: بمقتضائے بشریت (جس میں کوئی الزام ان پر نہیں) پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ (فوائد، علم المعانی)

④ کفار و مشرکین بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھتے تھے اور اس کے وقوع کے سخت منکر تھے، چنانچہ انہوں نے اس کو بصیغہ استفہام تعبیر کر کے اس کا استبعاد ظاہر کیا۔ (علم المعانی)

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ﴿البقرة: ۲۸﴾.

ملحوظہ: استبعاد اور استبطاء میں فرق یہ ہے کہ: استبعاد کے متعلق کی توقع نہیں ہوتی، جب کہ استبطاء کے متعلق کی توقع ہوتی ہے؛ مزید یہ کہ: استبطاء میں مسؤل عنہ کے ظہور اور وقوع کا انتظار ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

﴿۱۵﴾ **تنبیہ علی الخطأ:** غلطی سے آگاہ کرنا، جیسے: ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ ﴿البقرة: ۶۱﴾

﴿۱۶﴾ **تنبیہ علی الضلال:** مخاطب کو گمراہی پر متنبہ کرنا، جیسے: ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ ﴿۱۷﴾ **تہویل:** کسی چیز کو سنگین اور ہولناک بتانے اور مخاطب کو انتہائی خوف زدہ کرنے کے لیے استفہامی اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿الْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا أَذْرَكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝﴾ ﴿الحاقة: ۱۳﴾.

① جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکم الہی مصر سے شام کی طرف چلے، جنگل میں اناج نہ رہا تو من (ترجمین کے مشابہ شریں دھنیے کے سے دانے) اور سلوی (ایک پرندہ جس کو بیڑ کہتے ہیں) مدتوں تک کھاتے رہے۔ بنی اسرائیل اس طعام آسمانی سے اکتا گئے تو کہنے لگے: ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا! ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ، سبزی چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: من و سلوی جو ہر طرح بہتر ہے، لہسن اور پیاز سے بدلتے ہو! (فوائد عثمانی)

② باری تعالیٰ نے مشرکین کو غلط بیانی اور ضلالت و گمراہی پر متنبہ کیا؛ چنانچہ غافل کو متنبہ، سرکش کو ڈرانے اور حق کے سلسلے میں بغض و عناد رکھنے والے کو غور و فکر پر ابھارنے کی غرض سے استفہامی اسلوب اختیار فرمایا۔ اور کہا: اے مشرکین! بعثت سے پہلے تم ہمیشہ آپ ﷺ کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے ہو، اب بلا وجہ اُسے جھوٹا یا دیوانہ کیوں کر کہتے ہو؛ لہذا آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ، دیوانگی، تخیل، توہم اور کہانت وغیرہ سب احتمالات مسرفوع ہوئے تو بجز صدق و حق کے اور کیا باقی رہا! پھر اے مشرکین! اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جاتے ہو! (فوائد، علم المعانی)

③ وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی! یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے، اور قیامت کے وجود کے بارے میں جھگڑا کرنے والے سب اُس وقت مغلوب و مقہور ہو کر ۷

۱۸ **تمنی:** جب کہ سائل محال یا شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) امور کا سوال کرے، جیسے: جہنمیوں کا قول: ﴿فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾ [الأعراف: ۵۳]؛ ﴿هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ﴾ ① [الشوریٰ: ۴۴]۔

۱۹ **وعید و تہدید:** ڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی (انشائی) اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ ② [الفیل: ۱]؛ ﴿وَيُلْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ﴾ [المرسلات: ۱۶]۔

۲۰ **تحسّر:** مستفہم استفہام کے ذریعے گزرے ہوئے زمانے پر حزن و ملال اور افسوس ظاہر کرے، جیسے: ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ﴾ ③ [القیامۃ: ۱۰-۷]۔

○ رہیں گے؛ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال و کیفیات اپنے اندر رکھتی ہے؟ یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی چاہے کتنا ہی سوچے اس کے ہولناک مناظر کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا؛ وہ گھڑی جو تمام زمین، آسمان، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی، اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر ڈالے گی! (نوائد، علم المعانی)

① جہنمی جب عذاب الہی میں گرفتار ہوں گے اس وقت ایسے سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا معاف کرا دیں؛ لیکن کافروں کو کوئی ایسا سفارشی نہ ملے گا؛ پھر وہ اس ہولناک اور سخت عذاب کو دور کرنے کے لیے ایک غیر ممکن الحصول چیز کی تمنا کریں گے کہ: ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان لیا جائے کہ: اس مرتبہ ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کا کام کرتے ہیں؛ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل! (علم المعانی، نوائد)

② یہاں کافروں کو دھمکی دینے، کفر کا قلع قمع کر کے صدائے حق کی طرف تیزی سے سبقت کرنے کے لیے اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانے کا ہدف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب الہی نازل نہ ہو جائے؛ دیکھیے! یہاں مقتضائے حال کے مطابق اخباری کلام ہونا چاہیے تھا کہ: اے مکہ والو! تم ماضی قریب میں پروردگارِ عالم کا ہاتھی والوں کے ساتھ معاملہ دیکھ چکے ہو! اسی مضمون کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی اسلوب میں یوں فرمایا: کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کو (نافرمانی کے سبب) کیسے عذاب میں مبتلا کیا تھا؟ یعنی: اگر تم بھی نافرمانی کرو گے تو تم پر بھی ایسا ہی عذاب آوے گا جیسا اُن پر آیا تھا۔ (نوائد، علم المعانی)

③ یعنی جب حق جل مجدہ کی تجلی قہر سے آنکھیں چندھیا نے لگے گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائے گی، چاند بے نور ہو جائے گا، سورج سر سے قریب آجائے گا، اس وقت انسان بدحواس ہو کر کہے گا کہ: آج کدھر بھاگوں! کہاں پناہ لوں! یہاں استفہام، انسان کی گذشتہ زندگی پر حسرت و ندامت کو خوب واضح کر رہا ہے۔ (نوائد، علم المعانی)

۲۱) **عِتَاب:** کسی سے تعلق کی بناء پر اس لیے اظہارِ ناگواری کرنا تا کہ وہ اپنے فعل کی اصلاح کر لے جو باعثِ ناگواری ہوا ہے، جیسے: ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ﴾^① [الحديد: ۱۶]۔

۲۲) **تَذْکِیر:** وعظ و نصیحت کرنا، جیسے: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾^② [یوسف: ۸۹]۔

۲۳) **اِفْتِخَار:** فخر کرنا، جیسے: فرعون کی بات نقل کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا: ﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ﴾^③ [الزخرف: ۵۱]۔

۲۴) **تَرْغِيب:** شوق دلانے کے لیے، جیسے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [البقرة: ۲۴۵]؛ ﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾^④ [الصف: ۱۰]۔

① اوپر منافقوں کے متعلق۔ جو زبان سے تو کلمہ تو حید کا اقرار کرتے تھے اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ خبر دی کہ: دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور وہی ان کا رفیق ہے؛ اب مؤمنین سے جو ان کے اقوال کو سنتے تھے اور ان کی عادات کو دیکھتے تھے خطاب ہو کر فرمایا کہ: تم ان کے پیچھے نہ چلنا، کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل قرآن اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے سامنے جھک جائے! اور نرم ہو کر گڑ گڑانے لگے! (الزیادة، فوائد)

② اللہ اکبر! صبر و مروّت و اخلاق کی حد ہو گئی کہ: تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے! اتنا سوال بھی اس لیے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کر لیں تا کہ ماضی و حال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی حقیقت روشن ہو جو یوسف علیہ السلام پر ان مصائب و حوادث کے بعد ہوئے جن کی طرف آگے ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ میں اشارہ ہے؛ پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار فرمایا جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے، یعنی: جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی نا سمجھی اور بے وقوفی سے ہو گئی۔ تمہیں کیا معلوم تھا کہ: یوسف علیہ السلام کا خواب پورا ہو کر اور ہلال ایک روز بدر بن کر رہے گا۔ (الزیادة)

③ مصر کے گرد و پیش ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، اور نہریں اس نے بنائی تھیں، دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا، مطلب یہ کہ: ان سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰ جیسے معمولی آدمی کے سامنے گردن جھکا دے؛ اس میں فرعون استفہام کی صورت میں فخر کر رہا ہے۔

④ آیت اولیٰ: کون ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ دے۔ قرضہ حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرضہ دے کر تقاضہ نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے، اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔ آیت ثانیہ: اے ایمان والوں! میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔

فصل رابع: تمنی

تمنی: کسی ایسے امر محبوب و مرغوب محال یا شبیہ بالمحال کو طلب کرنا جس کے حصول کی امید نہ کی جا سکے، محال کی مثال: جیسے جہنمیوں کا قول: ﴿لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا﴾ [البقرة: ۱۶۷]؛ اُئی: لَيْتَ لَنَا كَرَّةً؛ ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۷]؛ شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) کی مثال: ﴿يَلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ، إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾^① [القصص: ۷۹]۔

ادوات تمنی چار ہیں: اُن میں سے ایک اصلی ہے اور وہ لیت ہے، اور باقی تین غیر اصلی ہیں۔

① **لیت:** کے ذریعے تمنا کرنا، جیسے: ﴿قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِثُّ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا

① آیت اولیٰ: یعنی: وہ وقت ایسا ہوگا کہ: بے زار ہو جائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرستوں اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا۔ عذاب الہی دیکھ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور مشرکین اس وقت کہیں گے کہ: اگر اسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں، اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جدا ہو جائیں؛ لیکن اس آرزوئے محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہوگا۔ یہاں ”لو“ ادوات تمنی برائے محال مستعمل ہے۔

آیت ثانیہ: جب روز قیامت ظاہر و باطناً صورت و معنی اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی تب کافر بڑی سخت مشکل اور مصیبت سے مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا اور افسوس کرے گا کہ: کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا! اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکاوے میں آگیا کہ آج یہ دن دیکھنا پڑا! لیکن تب اس امید کا پورا ہونا محال ہوگا۔

آیت ثالثہ: ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ: کسی قوم کا خون چوسنے کے لیے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں، فرعون نے بنی اسرائیل میں سے قارون کو چن لیا تھا، قارون نے اُس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار بھی حاصل کیا۔ ایک دن وہ لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خشم و خدام کے ساتھ بڑی شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے: کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے! بے شک یہ بڑا صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے! دیکھیے قارون کا سا خزانہ حاصل کرنا محال نہیں تھا؛ لیکن قوم کے دیگر افراد کے لیے بعید الوقوع ضرور تھا۔

مَنْسِيًّا ﴿١﴾ [مریم: ۲۳].

﴿٢﴾ **هَلْ**: سے تمنی بیان کرتے ہوئے مستحیل الوقوع کی طرف اپنی شدتِ رغبت اور کمالِ توجہ ظاہر کرنا، جیسے: ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَخْيَتْنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ﴾ ﴿٢﴾ [غافر: ۱۱].

﴿٣﴾ **لَوْ** کے ذریعے: جیسے: ﴿أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿٣﴾ [الزمر: ۵۸].

﴿٤﴾ **لَعَلَّ** کے ذریعے: جیسے: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَهَامُنُ ابْنِ لِي صَرَحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾ ﴿٤﴾ [المؤمن: ۳۶].

① حضرت مریم علیہا السلام کو جب درودِ زہ کی تکلیف ہوئی تو ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لیے اُس کے قریب جا پہنچی۔ اُس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بے کسی، سامانِ ضرورت و راحت کا فقدان اور سب سے بڑھ کر ایک پاکبازِ عقیفہ خاتون کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور، سخت بے چین کیے ہوئے تھا! حتیٰ کہ اسی کرب و اضطراب کے غلبہ میں کہہ اُٹھی: اے کاش! میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مرجئی ہوتی! کہ دنیا میں میرا نام و نشان نہ رہتا۔ شدتِ کرب و اضطراب میں گذشتہ بشارات کو جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئی۔ (علم المعانی، فوائد)

﴿٢﴾ افسوس! اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی جانب واپس بھیج دے۔ تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ دیکھیے! حشر و نشر کے بعد دوبارہ دنیا میں آنا محال ہے؛ یہاں استغفہامی انداز میں تمنا کا اظہار کر کے مستحیل الوقوع کو ممکن الوقوع کی شکل میں ظاہر کر کے شدتِ رغبت اور کمالِ توجہ کی طرف اشارہ ہے۔ (علم المعانی)

ملفوظ: اَدَوَاتِ اسْتَفْهَامِ میں ”آین، ومتنی“ سے بھی تمنی کو مراد لیا جاتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَتَيْنَ الْمَقَرَّ﴾ ﴿١١﴾ [القيامة: ۱۱]، قیامت کے دن انسان بدحواس ہو کر کہے گا: آج کدھر بھاگوں! کہاں پناہ لوں!۔

﴿٣﴾ جب حسرت و اعتذار دونوں بے کار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدتِ اضطراب سے کہے گا: کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے، دیکھو! میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

﴿٤﴾ فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے انتہائی بے شرمی و بے باکی سے کہا کہ: اچھا اینٹوں کا ایک پڑاؤ (بھٹا) لگاؤ تاکہ بچی اینٹوں کی خوب اوچھی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ: کہاں ہے اور کیسا ہے؟ کیوں کہ زمین میں تو کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں آتا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی؛ سچ ہے جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں۔

ادات تمنی لیت سے عدول کی حکمت

هَلْ: متمنی، متمنی کی طرف کمال توجہ ظاہر کرنے کے لیے متمنی کو بذریعہ ہل شئی ممکن کی

صورت میں ظاہر کرتا ہے، جیسے: ﴿هَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ ۖ﴾^① [المومن: ۱۱۰]

لَوْ: متمنی کی ندرت اور اس کے قلیل الوقوع ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے متمنی کو بذریعہ لو

غیر موجود چیز کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ

لَرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ﴾^② [الحشر: ۱۸]

لعل کے ذریعے مَرُوعِہ کا ایسا بعد بیان کیا جاتا ہے جس کے حصول کی امید نہ کی

جاسکے، جیسے: ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا، لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾^③ [طہ: ۱۶۱]

ملفوظ: یہاں آسمان کے رستوں میں جا پہنچنا امر محال ہے جو لیت کا تقاضا کرتا ہے؛ لیکن اس کو امر ممکن، قریب الحصول بتلانے کے لیے لعل کو استعمال کیا۔ (فوائد، علم المعانی)

① وہ کافر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، ”تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے!!!“۔

یعنی افسوس! اب تو یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی بہ ظاہر کوئی راہ نظر نہیں آتی، ہاں! آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں؛ تا کہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ ایک مرتبہ کی موت سے مراد تو پیدائش سے پہلے کا وہ وقت ہے جب انسان وجود ہی میں نہیں آیا تھا، اور اُس وقت گویا مردہ تھا، اور دوسری موت سے مراد وہ موت ہے جو زندگی کے آخر میں آئی۔

② دیکھیے! اللہ تعالیٰ کی چاہت (تمنا) تو یہ تھی کہ: انسان قرآن مجید کی عظمت کے سامنے دَب جاتا؛ لیکن مقام حسرت و افسوس ہے کہ: (عام) آدمی کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہوا! حالاں کہ قرآن کی تاثیر تو اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ: اگر (بالفرض) وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اُتارا جاتا، اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا؛ تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دَب جاتا، اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا!

③ یعنی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان، رقت انگیز اور بلند بات کہو، گو اس کے تہرّ دو طغیان کو دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم فرعون سے اس خیال سے نرم گفتگو کرو! کہ: کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کر لے، یا اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرماں برداری کی طرف جھک پڑے۔ اسی سے دُعا و مبلغین کے لیے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے، چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے: ﴿أَدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [نحل: ۱۲۵]۔

ملحوظہ: باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾^① [کہف: ۶۰] میں لعل محض رجا کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ نہی (حکمِ واجب) کے لیے ہے۔

هَلَّا، لَوْلَا، لَوْمًا: بھی هَلْ اور لَوْ سے ماخوذ ہیں، اور فعلِ ماضی پر دخول کے وقت تنذیم کا معنی اور فعلِ مضارع پر دخول کے وقت تخصیص کا معنی دیتے ہیں۔ (جواہر، علم المعانی)

فصل خامس: تَرْجِي

تَرْجِي: کسی امرِ مرغوب متوقع الحصول (ہو سکنے والے) کا منتظر رہنا، جیسے: ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكِّيٰ ۚ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرُ ۚ﴾ [عبس: ۲، ۳، ۴] ﴿عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِالْفَتْحِ﴾^② [المائدة: ۵۴]

① یہ کافر اگر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ غم میں اپنے آپ کو بالکل گھلایئے نہیں! آپ تبلیغ و دعوت کا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں؛ لہذا آپ کو اس قدر ہمدردیِ خلاق میں اس قدر گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں! آپ تو بہر حال کامیاب ہیں، اشیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔ (اعراب القرآن، فوائد)

② آیتِ اولیٰ: پیغمبر نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجیں ہو کر منہ پھیر لیا حالانکہ وہ طالبِ صادق تھا، تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیضِ توجہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مُزکّیٰ ہو جاتا؛ یا تمہاری کوئی بات کان میں پڑتی اس کو اخلاص سے سوچتا، سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آ جاتی۔ یہاں مخاطب کی غایت کرامت کا لحاظ کرتے ہوئے اول کلام بطورِ غیبیہ بت تھا اور آگے شبہٴ اعراض کو دور کرتے ہوئے بطورِ التفات خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا گیا۔ (علم المعانی، فوائد)

آیتِ ثانیہ: یعنی ہو سکتا ہے کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہٴ عطا فرمائے، اور مکہ معظمہ میں بھی۔ جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا۔ حضور کو فائز و داخل کرے؛ یا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور اُمور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو، اور انہیں منکشف ہو جائے کہ: دشمنانِ اسلام کی مَوالات کا نتیجہ دنیوی ذلت و رسوائی اور اخروی عذابِ الیم کے سوا کچھ نہیں! (علم المعانی، فوائد عثمانی)

ملحوظہ: یاد رہے کہ: باری تعالیٰ نے جہاں افعالِ رجا کو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد - العیاذ باللہ - یہ نہیں ہے کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ اس امر کی توقع کر رہے ہیں؛ بلکہ اس لیے افعالِ رجا کو ذکر فرمایا ہے تاکہ بندے اس امر کے امیدوار رہیں، جیسے: ﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَذُوُّكُمْ﴾ [الأعراف: ۱۲۹]، اُنّی: کُونُوا رَاجِئِينَ فِي ذَلِكَ. (مفردات القرآن)

ادواتِ تَرْجَمی دو ہیں: لَعَلَّ اور عَسَىٰ.

① لَعَلَّ جیسے: ﴿وَمَا يُذَرِّكَ لَعَلَّهُ يَزَّكِّيٰ ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ۝﴾ [عبس: ۳۰، ۳۱]

② عَسَىٰ جیسے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ، فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝﴾ [التوبة: ۱۷].

فصل سادس: نداء

نداء: متکلم کا مخاطب کی توجہ طلب کرنا ہے ایسے حرف کے ذریعہ جو اَدْعُوا فعل محذوف کے قائم مقام ہو، ③ جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ

① تفصیل ابھی اوپر گزر چکی۔ (علم المعانی)

② خدا کی مساجد حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جو دل سے خدائے واحد پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاکچے ہیں، جو ارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے؛ پس ایسے لوگوں کی نسبت توقع (وعدہ) ہے کہ وہ اپنے مقصود یعنی جنت و نجات تک پہنچ جاویں گے؛ کیوں کہ ان کا عمل بوجہ ایمان مقبول ہوگا اس لیے آخرت میں نفع ہوگا، اور مشرکین اس شرط سے محروم ہیں پس شرعہ عمل سے بھی محروم ہیں، اور عمل بے ثمر پر فخر لا حاصل!۔ (فوائد، بیان القرآن)

③ ملحوظ: معلوم ہونا چاہئے کہ عبارت میں حروفِ ندا کو جو اَدْعُو کے قائم مقام ہیں۔ ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ذکر کردہ آیات سے معلوم ہوا؛ لیکن کبھی ایجازاً حرفِ ندا کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے، جیسے: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ [یوسف: ۲۹]، ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصّٰدِقُ﴾ [یوسف: ۶۶]، ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ﴾ [الذاریات: ۳۱]؛ کہ اصل میں یا یوسف، یا ایہا الصدیق اور یا ایہا المرسلون تھا۔

فائدہ: قرآن مجید کے طرزِ بیان میں لفظِ رب سے پہلے حرفِ ندا کو حذف کر دیا گیا ہے، جو داعی کے حق جل مجدہ سے غایتِ قرب کی طرف مشیر ہے، اور صرف دو جگہوں پر ”یا رب“ فرمایا گیا ہے، غالباً یہ اسلوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والی مخصوص نفسانی کیفیت کی تعبیر کے لیے ہے، کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دی، انہیں عاقبت کا ڈر سناتے رہے؛ لیکن ضدی قوم نے کسی طرح کان نہ دھرے، تب بارگاہِ الہی میں حزن و ملال کے ساتھ شکایت کی: ﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنِّي قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ [الفرقان: ۳۰]، ﴿وَقِيلَ لَهُ رَبِّ إِنِّي هَلُوءٌ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ [الزخرف: ۸۸]، باری تعالیٰ! ہمیں قرآن کریم کی تلاوت، تصحیح ۷

فَطَهَّرْ ﴿١﴾ [المدثر: ۱-۴].

ندا کا مقصد یہ ہے کہ: منادی کو کسی مہتمم بالشان امر کی طرف متوجہ کرے؛ لہذا عموماً ندا کے بعد امر، نہی، استفہام یا کسی حکم شرعی کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾﴾ [المدثر: ۱-۴]؛ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا، إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾﴾ [المائدة: ۸۷]؛ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ [التحریم: ۱]؛ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ ﴿٢﴾﴾ [الطلاق: ۱].

ندا کے ادوات آٹھ ہیں: اُ (ہمزہ)، اُئی، یا، آیا، ہیاء، وا؛ قرآن مجید میں عموماً ندا کے لیے ”یا“ کو استعمال کیا گیا ہے؛ ادوات ندا کی دو قسمیں ہیں: ہمزہ، اُئی منادی قریب کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، اور بقیہ ادوات منادی بعید کے لیے ﴿٣﴾۔

۵ قراءت، اس میں تدبیر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہجرانِ مسترآن سے ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لفظ اللہ کے منادی ہونے کی حالت میں بجائے حرف ندا کے اخیر میں میم مشدداً لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ [آل عمران: ۲۶] (علم المعانی)

① اے وحی کے ثقل اور فرشتہ کی دہشت سے لحاف میں لپٹنے والے! آپ کا کام تو یہ ہے کہ: سب آرام و چین چھوڑ کر دوسروں کو خوفِ خدا سناؤ اور کفر و معصیت کے برے انجام سے لوگوں کو ڈراؤ!؛ اور اپنے پروردگار کی تکبیر بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو!

② آیت اولیٰ: اس کا ترجمہ ابھی گذرا۔ آیت ثانیہ: اے ایمان والو! اللہ پاک نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، یقیناً جانو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، یعنی: جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔

آیت ثالثہ: اے نبی! جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے کیوں حرام کرتے ہو!، یعنی: آپ اپنی (شہد نہ مینے کی) قسم کو توڑ دیں اور کفارہ ادا کر دیں۔

آیت رابعہ: اے نبی جب تم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں اُن کی عدت کے وقت طلاق دو! یعنی: ایسی پاکی کی حالت میں طلاق دو جس میں جماع نہ کیا ہو۔ (علم المعانی، توضیح القرآن)

③ معلوم ہونا چاہیے کہ: ادواتِ ندا ”یا“ کو بلا غشی خوبیوں کی وجہ سے منادی قریب کے لیے استعمال کرنا بہ کثرت ۷

فائدہ: ① منادی قریب کو کبھی حرفِ نداء بعید کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ تین مواقع میں کیا جاتا ہے: ① مخاطب کے علو مرتبت، ② مخاطب کی غفلت، ③ مخاطب کے گھٹیا ہونے کی طرف اشارہ کرنے لیے، جیسے: ﴿يَا بَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾ ① [مریم: ۴۴]۔

ملفوظ: باری تعالیٰ کا اپنے بندوں کو باوجود غایتِ قرب کے بذریعہ ”یا“ پکارنے کی حکمت یہ ہے کہ: ایسے مواقع میں امرِ مدعولہ کی عظمت اور علو شان پر متنبہ کرنا ہوتا ہے، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الرِّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ [المائدہ: ۶۷]؛ ﴿يُمُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ﴾؛ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ وغیرہ۔

فائدہ: ② منادی بعید کو کبھی حرفِ نداء قریب کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ دو مواقع میں کیا جاتا ہے: منادی بعید ذہن میں مستحضر ہو، یا منادی کی طرف کان لگائے ہوئے ہو؛ اول کی مثال شعر: أَسْكَانَ نَعْمَانَ الْأَرَاكِ تَيَقَّنُوا بِأَنْتُمْ فِي رُبْعِ قَلْبِي سُكَّانَ ②؛ ثانی کی مثال دور کھڑے زہیر کو: اُی زہیر! کہہ کر پکارنا۔

نداء کی اغراضِ مجازیہ

کبھی حرفِ نداء کو اپنے اصلی معنی (مخاطب کی توجہ طلب کرنا) کے علاوہ دوسرے مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ معنی مجازی مراد لینے پر قرینہ پایا جائے؛ اُن معانی مجازیہ

۱۔ ہے، جیسے باری تعالیٰ نے غایتِ درجہ قریب ہونے کے باوجود ”یاء“ کو استعمال فرمایا ہے؛ جب کہ نجات نے استعمال کو دیکھتے ہوئے اُسے مشترکِ اداتِ نداء (قریب و بعید) میں شمار کرایا ہے؛ ورنہ وضع تو منادی بعید کے لیے ہے۔ (علم المعانی)

① باپ کا درجہ بیٹے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اس کے لحاظ سے حرفِ نداء ”یاء“ کو استعمال فرمایا۔

② مثال اول: اے وادیِ عراق کے باشندو! تم یقین کر لو کہ: تم میرے دل کی بستی میں آباد ہو؛ دیکھیے! شاعر جہاں بیٹھ کر کلام کر رہا ہے وہاں سے وادیِ نعمان الاراک کو سوں اور میلوں دور ہے؛ لہذا اصلی وضع کے اعتبار سے شاعر کو چاہیے تھا کہ حروفِ نداء بعیدہ کا استعمال کرے؛ لیکن اس نے ”ہمزہ“ برائے نداء قریب کا استعمال کیا ہے، سامع پر یہ تاثر ڈالنے کے لیے کہ: میرے منادی (سکان وادیِ نعمان) کا خیال و تصور میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔

مثال ثانی میں دیکھیے زہیر تو دور ہے پھر بھی حرفِ نداء قریب کا استعمال کیا گیا اس لیے کہ زہیر متکلم کی بات کی طرف پہلے ہی سے کان لگائے ہوئے تھا۔

میں سے بعض یہ ہیں:

الإغراء، التأنيس والملاطفة، التحريض، التثنيه، الزجر، الترحم والترقيق،
التأسف، الاستغاثة، التذبة، التعجب، التحسر والتحزن، التحير والتضجر،
التوجع، التذکر.

① **اغراء:** مخاطب کو کسی اچھے کام کرنے پر ابھارنا ہو، جیسے: ﴿يُعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ! لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ ① [الزمر: ۵۳].

② **تأنيس وملاطفة:** مانوس کرنے اور لاڈ پیار کے اظہار کے لیے، جیسے:
﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۖ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۖ﴾ ② [المدثر: ۱-۴].

③ **تحريض:** کسی کام پر آمادہ کرنے اور رغبت دلانے کے لیے، جیسے: آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرْطٌ يَأْمُوقُهُ!“ ③ [جمع الوسائل]

④ **تنبيه:** مخاطب کو محض آگاہ کرنے اور متنبہ کرنے کے لیے؛ یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ حرفِ ندا حروفِ پرداختل ہوں، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”يَا رَبَّ كَاسِيَةٍ فِي“

① وسیع مغفرت والی ذات نے اپنے گنہگار بندوں کو استغفار پر ابھارنے کے لیے مذکورہ اسلوبِ خطاب استعمال فرمایا ہے۔

② تأنيس وملاطفة: ندا کی ایک غرض تأنيس بھی ہے، جیسا کہ بعض روایات کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ: کفار نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کیا جائے، کسی نے کاہن کہا، کسی نے ساحر، تو کسی نے مجنون کہا، مگر اتفاق رائے نہ ہوا، اخیر میں ساحر کی طرف رجحان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر سے رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے، اس پر باری تعالیٰ نے تأنيس وملاطفة کے لیے ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اے کپڑے میں لپٹنے والے! عنوان سے خطاب فرمایا۔ اور جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کو ”قم أبا ثراب!“ فرمایا تھا، جب کہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چل دیے تھے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ (فوائد)

③ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں جس کے دوفرط (پیش رو) ہوں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جس کا ایک فرط ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خیر کی باتیں معلوم کرنے کی توفیق دی ہوئی عورت! جس کا ایک فرط ہو اس کے لیے بھی وہی ثواب ہے۔ یہاں ”يَأْمُوقُهُ“ تحريض علی السؤال کے لیے ہے۔

الدُّنْيَا عَارِيَّةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“^① [البخاري].

⑤ **زجر:** مخاطب کو جھڑکنا اور ملامت کرنا، جیسے: ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَامِرِي﴾^②

[طہ: ۹۵].

⑥ **ترحم و ترقیق:** کسی پر رحم و کرم کا اظہار کرنے یا رحم دل بنانے کے لیے، جیسے: ﴿يَبْنُوْنَ لَا تَأْخُذْ بِلَحِيَّتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾^③ [طہ: ۹۴].

④ **تأسف:** افسوس کرنا، کف افسوس ملنا، جیسے: ﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ: يَقُومُ لَقَدْ

أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولِي رَئِي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ أَسَى عَلَى قَوْمٍ كُفِرِينَ﴾^④ [اعراف: ۹۳]

⑧ **استغاثہ:** کسی سے فریاد طلب کرنا اور مدد چاہنا، جیسے حضرت سلمہ بن الاکوع

– رضی اللہ عنہ – کا فرمان: يَا صَبَاحَا! ⑤.

① قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ: بہت سی عورتیں دنیا میں (بظاہر) کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی؛ لیکن (کپڑے کے تنگ ہونے، باریک ہونے، چھوٹے ہونے یا پھر عمل سے کوری ہونے کی وجہ سے) قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔ یہاں حرفِ نداء ”رَبِّ“ پر داخل ہے اور مخاطب کو متنبہ اور آگاہ کرنا مقصود ہے۔ رواہ البخاری فی التہجد، رقم: ۱۱۴۶۔ (علم المعانی)

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے سامری! تیری کیا حقیقت ہے؟ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تُو اپنی حقیقت بیان کر کہ: یہ حرکت تُو نے کس وجہ سے کی ہے؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے!۔ اسی طرح آپ ﷺ کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمانا: يَا مُعَاذُ! أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ فِتْنًا. [مصنف عبدالرزاق]

③ اے میری ماں کے جنے! نہ میری ڈاڑھی پکڑ! اور نہ میرا سر! دیکھیے! استرحام کے لیے ”ابن اُمی“ کہنا بھی کافی تھا؛ لیکن ”یاء“ حرفِ نداء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بلند رتبہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا، اور یہ بتایا کہ: آپ مرتبے میں مجھ سے بڑے ہیں! اور بڑا اپنے سے چھوٹے پر رحم کیا کرتا ہے؛ یہ بھی استرحام کا ایک اسلوب ہے۔

④ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد اُن پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا: میں تو اپنے رب کا پیغام بھی پہنچا چکا اور خیر خواہی بھی کر چکا؛ لیکن افسوس کہ تم نے نہ مانا! پھر فرمایا: ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل!

⑤ یہاں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے قول میں نداء برائے استغاثہ ہے؛ کیوں کہ اُس زمانے میں اکثر صبح میں غفلت کے وقت دشمن کی جانب سے حملہ ہوتا تھا، تب مستغیث ”یا صَبَاحَا“ کہہ کر اپنی قوم سے مدد چاہتا تھا؛ [مشکوٰۃ، کتاب الجہاد]، اور اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿رَبِّ إِنِّي قَوْلِي كَذْبُونِ﴾ اے میرے پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلادیا۔

⑨ **نُذِبِه:** مُردے کے محاسن بیان کر کے رونا، جیسے حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا فرمان: يَا

أَبَتَاهُ! أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ. [البخاري، باب مرض النبي ﷺ].

⑩ **تَعْجَب:** کسی چیز پر اظہار حیرت کرنا، جیسے: غیر متوقع موقع پر ٹھنڈا میٹھا پانی میسر

آجانے پر کہا جائے: ”يَا لَلْمَاءِ“.

⑪ **تَحْسُرُ وَتَحْزُنُ:** افسوس ظاہر کرنا، درد مند ہونا، جیسے: ﴿يُوَيْلَتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ

فُلَانًا خَلِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۸]؛ وفات نبوی ﷺ پر صدیق اکبرؓ کا فرمان: ”وَإِنِّيَّاهُ!

وَاصْفِيَّاهُ! وَاخْلِيلَاهُ!“^①. [شمائل الترمذي]

ملحوظہ: حروفِ ندا کو جب قیام گاہوں، سواریوں، قبروں، مُردوں اور وِیل و حسرت کے

مقامات پر استعمال کیے جائیں تو وہ تحسُر و تحزُن کے لیے ہوتے ہیں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ

الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ ﴿يُوَيْلَتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ

فُلَانًا خَلِيلًا﴾^② [الفرقان: ۲۷-۲۸]

⑫ **تَحِيرُ وَتَضْجُرُ:** سخت گھٹن اور حیرانی و پریشانی بتلانے کے لیے ادا تِ ندا کو

استعمال کرنا، جیسے: ﴿يَا سَفَى عَلَى يُونُسَ﴾^③ [یوسف: ۸۶]

① مثال اول: یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس!

ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوتی! مثال ثانی: حضرت

عائشہؓ فرماتی ہیں: حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کو وفات کے بعد بوسہ دیا، اپنا منہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا

اور اپنے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کی دونوں کلائیوں پر رکھے اور کہا: ہائے نبی! ہائے مخلص دوست! ہائے جگری دوست!۔

② جس دن گنہگار مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا، اور افسوس کرے گا: اے کاش میں نے

رسول کا راستہ پکڑا ہوتا! اے خرابی میری! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! یعنی: جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا

یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا۔ اس جیسی آیات میں حسرت و وِیل کو پکارنا حسرت و ندامت کا فائدہ دے

گا، گویا وہ شدت و ہولناکی سے یہ گمان کرے گا کہ: وِیل و حسرت دونوں اس کے سامنے کھڑے اس کی آواز سن رہے ہیں

اور اس کا جواب بھی دیں گے، اب ان کو پکارے گا: یا وِیلَتی و یا حسرتی اقبلَا فہذا اوانکما۔ (علم المعانی نوآمد)

③ یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف علیہ السلام کی فوق العادت محبت ڈال دی گئی، پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو

— جو خاندانِ ابراہیمی کا چشم و چراغ تھا — ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا، غم زدہ اور زخم خوردہ یعقوب علیہ السلام

⑬ **تَوَجَّع:** مصیبت سے تکلیف محسوس کرنا، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان: ”وَأَرَأَيْتُمْ إِيَّاهُ؟“ ① [البخاری]

⑭ **تَذَكَّر:** یعنی پرانی یادوں کو تازہ کرنا، جیسے: ﴿يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ﴾ ② [یوسف: ۸۴]

۵ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھالیا تھا، وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرفِ شکایت زبان پر لاتے تھے، نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، نہ غم کی بات منہ سے نکلتی!

ہاں! جب بہت گھوٹے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا، بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض و حقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا، ان کا دل جتنا یوسف کے فراق میں روتا تھا اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑ گڑاتا تھا، درد و غم کی شدت اور اشک باری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی، بے تابی اور اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا، دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے، زبان سے اُف نہ نکالتے! بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا، تو اس وقت بے اختیار ﴿يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحب: ایسا در داتی مدت دبار کھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے؟ (فوائد)

① ہائے در و سرائے البخاری، باب قول المريض: إني وجع.

② حضرت یعقوب علیہ السلام پر فراق یوسف کی بے تابی اور اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے، زبان سے اُف نہ نکالتے! بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا تو اس وقت بے اختیار ﴿يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! بول اُٹھے: نیز اسی طرح شاعر کا قول: أَيَا مَنَزَلِي سَلَمِي سَلَامٌ عَلَيَّكُمْ، هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّائِي مَضَيْنَ رَوَّاجِعُ؛ اے سلمیٰ کے دوٹھکانو! تم پر سلامتی ہو، کیا وہ زمانے جو گذر گئے ہیں لوٹ آئیں گے؟ یہاں ندا کی غرض: سلمیٰ کی منزلوں کو متوجہ کرنا نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ متوجہ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے؛ بلکہ یہاں ندا کے مجازی معانی میں سے تذکر کا معنی مراد ہے۔

سوالات انشائے غیر طلبی

- ① یہ جملہ اگر انشائے غیر طلبی میں سے ہے تو اس کی (سات) قسموں میں سے کیا ہے؟
- ② کیا خبر، انشاء کی جگہ یا انشاء، خبر کی جگہ واقع ہوئی ہے؟ اگر واقع ہے تو کیوں؟
- ③ خبر کو انشاء کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کیا ہے؟
- ④ انشاء کو خبر کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

انشائے غیر طلبی

انشاء غیر طلبی: وہ انشائی کلام ہے جس میں کسی مطلوب کا تقاضہ نہ ہو۔ انشاء غیر طلبی کی سات قسمیں ہیں:

تَعَجُّب، قَسَم، صَيَغُ الْعُقُود، أفعال الرِّجَاء، أفعال المَدْح والذَّم، رُبَّ، كَمْ الخبريّة.

① **تَعَجُّب:** کسی چیز پر اظہار حیرت کرنا؛ اس کے دو صیغے ہیں: مَا أَفْعَلَهُ، أَفْعِلْ بِهِ، اول کی مثال، جیسے: ﴿قَتَلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ﴾ [عبس: ۱۷]؛ ثانی کی مثال: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ [مریم: ۳۸]

ملفوظ: تعجب کا صیغہ جب باری تعالیٰ سے وارد ہو تو اُس کا مقصد صرف سامعین کے دلوں میں اس متعجب منہ کو بڑا دکھانا مقصود ہوتا ہے۔ (الزيادة والاحسان)

② **قَسَم:** اپنے قول کو مضبوط کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کا نام لینا، یا اپنے عقیدے کے مطابق کسی طاقت و رشتے کا ذکر کرنا اور اپنی بات کی سچائی کا یقین دلانا، جیسے: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ أَفْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ [یوسف: ۹۱]

③ **صَيَغُ عُقُود:** معاہدات کی مخصوص عبارتیں اور الفاظ، مثلاً: بیع و شراء، نکاح و طلاق

① تعجب: کسی چیز کی ظاہری خصوصیت کو دیکھ کر بہت بڑا محسوس کرنا جس کا سبب مخفی ہو۔ تعجب کے دو وزن ہیں: مَا أَفْعَلَهُ، أَفْعَلْ بِهِ؛ مثال اول: یعنی انسان نے قرآن جیسی نعمتِ غلطی کی کچھ قدر نہ کی، اور اس نے اللہ کا کچھ حق نہ پہچانا؛ مارا جیو انسان! انسان کیسے ناشکرہ ہے!۔ مثال ثانی: کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے! یعنی آج جب کہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں، اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا آنکھیں اور کان کھل جائیں گے۔

② اخوان یوسف کو جب یقین ہو گیا کہ یہی یوسف ہے تو بولے: (عالی شان ذات) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اس لائق تھا، ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی؛ آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بے کار ثابت ہوا!

اور ہبہ و اعتاق میں: بَعَثْتُ، اشْتَرَيْتُ، نَكَحْتُ، طَلَّقْتُ، وَهَبْتُ، أَعْتَقْتُ، وغیرہ کہنا، جیسے: ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا "زَوَّجْنَاهَا"﴾^① [الأحزاب: ۳۷]۔

④ **افعال رَجَاء:** (برائے اشفاق) ناپسندیدہ خطرہ سے (بر بنائے ہمدردی) فکر مند رہنا کہ کہیں یہ خطرہ لاحق نہ ہو جائے، جیسے: ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾^② [البقرة: ۱۶۶]

ملفوظ: افعال رجا (لعلّ وعسى) جب ترجی کے لیے استعمال ہوں تو انشاء طلبی کے قبیل سے ہوں گے، اور جب اشفاق من مکروہ کے قبیل سے ہوں تو انشاء غیر طلبی کے قبیل سے ہوں گے۔

⑤ **افعال مدح و ذم:** تعریف اور برائی پر دلالت کرنے والے افعال، جیسے فعل مدح کی مثال: ﴿فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ﴾ [الزمر: ۷۴]؛ فعل ذم کی مثال: ﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾^③ [الزمر: ۷۴]۔

⑥ **رُبَّ:** یہ تقلیل و تکثیر دونوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی تعین حسب موقع سیاق کلام سے کی جاتی ہے، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ^④ [البخاري]

① پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کر دیا۔
② یعنی: یہ بات ضروری نہیں کہ: جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہو کرے؛ بلکہ ہو سکتا ہے کہ: تم ایک چیز کو اپنے لیے مضر سمجھو اور وہ تمہارے حق میں مفید ہو، اور کسی چیز کو مفید خیال کر لو اور وہ مضر ہو، جیسے تم نے سمجھ لیا کہ: جہاد میں جان و مال کا نقصان ہے، اور ترک جہاد میں دونوں کی حفاظت ہے! اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا و آخرت کے کیا کیا منافع ہیں، اور "اس کے ترک میں کیا کیا نقصانات ہیں"؛ بس تم اپنا خیال چھوڑو! اور حکم خدا کو برحق سمجھو!۔ (نوائد، النخوالوانی)

③ آیت اولی: مؤمنین سے کہا جائے گا: جنت میں جہاں چاہو، رہو! سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا۔ آیت ثانیہ: کافرین سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ ہمیش کے لیے، سو کیا بُری جگہ ہے غرور والوں کے رہنے کی۔

④ رواہ البخاري في الفتن، رقم الحديث: ۷۰۶۹۔

④ کم خبریہ: جس سے بڑی تعداد (عدد میں زیادتی) بیان کی جاتی ہے، جیسے:

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾^① [بقرہ: ۲۴۹]۔

خبر و انشاء کو ایک دوسرے کی جگہ لانا

وضع الخبر موضع الإنشاء: جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی غرض و فائدے

کے لیے استعمال کرنا؛ اس کی بنیادی تین عرضیں ہیں: ① تفاؤل (نیک فالی)، ② ادب (صیغہ امر و نہی سے احتراز کرنا)، ③ حث علی الاتثال (اظہار حرص و رغبت میں مخاطب کو ابھارنا):

① **تفاؤل:** مخاطب کو خوش کرنے اور معنی انشائی کے وقوع میں حرص و رغبت کا اظہار

کرنے کے لیے انشاء کی جگہ خبر کو استعمال کرنا، جیسے: دعا کے موقع پر متکلم صیغہ طلب (امر و نہی) سے اعراض کرے، اور وقوع فعل کے یقینی ہونے کو بتلانے کے لیے صیغہ ماضی (اخبار) کو لا کر یہ بتلائے کہ: مخاطب کے لیے یہ دعا حاصل ہو چکی ہے، جیسے آپ ﷺ کی دعا: نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتي وَحَفِظَهَا فَوَعَاها وَأَدَّأها كَمَا سَمِعَهَا؛ أَي: اللَّهُمَّ! نَصُرْ أَمْرًا، إلخ^②۔

② **ادباً:** امر کی صورت سے احتراز کرنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے

غلام اپنے آقا سے یوں کہے: يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِي أَمْرِي، میرے آقا میرے معاملے میں

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جالوت نامی کافر بادشاہ مسلط ہوا، جس نے بنی اسرائیل کو شہر سے نکال دیا، تب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کی، اس پر حضرت شموئیل نے طالوت کو بادشاہ بنایا، ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب بنی اسرائیل تیار ہو گئے تاکہ جالوت سے مقابلہ کریں؛ لیکن آزمائش کے بعد صرف تین سوتیرہ رہ گئے، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے چھ بھائی بھی تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو مار ڈالا؛ پس یہی اللہ کی رحمت ہے کہ: بارہا تھوڑی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب ہوئی ہے۔

② اسی طرح اللَّهُمَّ وقفہ، وسدّد خطاه، وارحمہ؛ اور اللَّهُمَّ لاتسمعه مکروہا، ولا ترہ شرا کے بجائے:

”وقفك الله للتقوى، والعمل الصالح، وسدّد خطاك، ورحمك“ اور ”لا سمعت مکروہا، ولا ترہ شرا“ کہنا۔

غور فرمائیں گے!

③ **حَثَّ عَلَى الْاِمْتِثَالِ:** حکم کی بجا آوری پر مخاطب کو ابھارنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ "لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ..."، وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ "لَا تَسْفِكُونَ" دِمَاءَكُمْ "وَلَا تُخْرِجُونَ" أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ﴾ ① [البقرة: ۸۴]

وضع الانشاء موضع الخبر: اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، مثلاً: الاهتمام بالشئیء، الرضا بالواقع كأنه مطلوب، الامتتان، الاحتراز عن مساواة اللأحق بالسابق، تجاهل العارف.

① **الاهتمام بالشئی:** کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنا، جیسے: ﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ② [الأعراف: ۲۹].

② **الرضا بالواقع كأنه مطلوب:** کسی چیز کا مطلوب ہونا بتانے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، جیسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ③.

① جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ: وہ اللہ کے علاوہ کی عبادت نہ کریں گے، نہ آپس میں خون ریزی کریں گے اور نہ اپنوں کو اپنے وطن سے نکالیں گے۔ یہاں حالت کا تقاضہ کلام کو انشائی صورت میں بصیغہ نہی لانے کا تھا، یعنی: "لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَلَا تَسْفِكُوا دِمَاءَكُمْ، وَلَا تُخْرِجُوا أَنْفُسَكُمْ"؛ لیکن مخاطبین کو جلدی سے حکم کی بجا آوری پر ابھارنے کے لیے اس مضمون کو کلام خبری سے تعبیر فرمایا۔ (علم المعانی، وجوہا)

② آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا، اور یہ کہ ہر نماز کے وقت اپنے رخ کو سیدھا کروں! یہاں مامور بہ (نماز) کے حکم کی اہمیت جتانے کے لیے "وَأَقَامَةِ وَجُوهَكُمْ" نہیں فرمایا؛ بلکہ صیغہ امر کو استعمال فرمایا۔ (علم المعانی)

③ حدیث: جس نے میرے اوپر بہتان باندھا اُسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے، (یعنی: اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا!) یہاں پر "تَبَوُّاً" (بصیغہ ماضی) خبر کے بجائے ﴿فَلْيَتَّبِعُوا﴾ صیغہ امر استعمال فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ: آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنے والے کا ٹھکانا جہنم ہو، یہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب بھی ہے! انعوذ باللہ کس قدر سخت وعید ہے! کہ آقا ایک امتی کی دنیوی ادنیٰ تکلیف برداشت نہ کر سکتے تھے؛ لیکن بہتان تراشنے والے کے جہنم میں جانے پر رضامند ہے! (علم المعانی)

③ **امتنان:** احسان جتانے کے لیے بجائے خبر کے انشاء لانا، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا، فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾^① [ملک: ۱۰]

④ **الاحتراز عن مساواة اللاحق بالسابق:** کلام لاحق کی کلام سابق سے برابری ہو جانے سے احتراز کرنے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، جیسے: ﴿قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ، وَأَشْهَدُ أَنَّ بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾^② [ہود: ۵۰]

⑤ **تجاهل العارف:** یعنی تعجب، مبالغہ یا توخیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئی کی جگہ لانا؛ تفصیل کے لیے ”بدیع القرآن“ فصل ثامن در تحسین مضمون کلام ملاحظہ فرمائیں۔

① ترجمہ: وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر کر لیا؛ سو تم اس کے راستوں میں چلو! یعنی: تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو۔ یہاں بجائے لَمْ تَمْشُوا خبر کے ﴿فَأَمْشُوا﴾ انشاء کو استعمال کرنا برائے امتنان ہے۔

② حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو! کہ: میں اُن معبودوں سے بے زار ہوں جن کو تم شریک کرتے ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی بے زاری پر اللہ کو اور مشرکین کو گواہ بنایا تھا؛ لیکن مشرکین کی گواہی اللہ عز و جل کی گواہی کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی؛ لہذا ”إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُكُمْ“ کے بجائے ﴿إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُكُمْ﴾ فرمایا۔ (علم المعانی)

باب ثانی

تعریف و تنکیر

سوالات تعریف و تنکیر

- ① تعریف و تنکیر کی تعریفات کیا ہیں؟
- ② اگر کلام کا کوئی جزو بہ صورتِ معرفہ ہے تو معرفہ کی سات قسموں میں سے کیا ہے؟
- ③ اگر کلام کا کوئی جزو معرفہ ہے اور بہ صورتِ ضمیر ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟
- ④ اگر کوئی جزو بہ صورتِ علم ہے تو اس کی (پانچ) اغراض میں سے کیا ہے؟
- ⑤ اگر کوئی جزو کلام معرفہ بہ صورتِ اسم اشارہ ہے تو اس کی (گیارہ) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑥ اگر کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ اسم موصول ہے تو اس کی (چودہ) اغراض میں سے کیا ہے؟
- ⑦ اگر کوئی جزو معرفہ باللام ہے تو وہ اجمالی (دو) اور تفصیلی (چھ) قسموں میں سے کیا ہے؟
- ⑧ اگر کوئی جزو مضاف ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کیا ہے؟
- ⑨ اگر کوئی جزو منادی ہے تو اس کی (دو) اغراض میں سے کیا ہے؟
- ⑩ اگر کسی جزو کو بجائے معرفہ کے نکرہ لایا گیا ہے تو اس کے (تیرہ) مقاصد میں سے کیا ہے؟
- ⑪ جملے مسند نکیرہ ہے یا معرفہ؟ اگر نکرہ ہے تو اس کی (چار) اغراض، اور معرفہ ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کیا ہے؟

تعریف و تنکیر

معرفہ: وہ اسم ہے جو کسی معین (خاص) چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: خالد، مکہ، مدینہ وغیرہ۔

ملفوظ: معلوم ہونا چاہیے کہ: مسند الیہ میں تعریف اصل ہے، اور مسند میں تنکیر اصل ہے؛ لیکن چند اغراض کی وجہ سے مسند الیہ میں تنکیر اختیار کی جاتی ہے جس کے دواعی آگے مذکور ہیں، اور مسند میں تنکیر اصل ہے؛ لیکن افادہ حصر وغیرہ فوائد کے لیے تعریف کا اُسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ﴾^① [الإخلاص: ۱-۲]۔

معرفہ کی سات قسمیں ہیں: ضمیر، علم، اسم اشارہ، اسم موصول، معرف باللام، مضاف الیٰ المعروفہ اور منادی۔

فصل اوّل: ضمیر

ضمیر: وہ اسم غیر متمکن ہے جو متکلم، مخاطب یا ایسے غائب پر اختصاراً دلالت کرے جس کا ذکر لفظاً، یا معنی، یا حکماً آچکا ہو۔

مسند الیہ کو ضمیر کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

- ① تَعْيِينُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ ② كَوْنُ الْمَقَامِ لِلتَّكْلُمِ: لِلإِنْسَانِ أَوِ الطَّمَانِينَةِ؛ ③ كَوْنُ الْمَقَامِ لِلخِطَابِ، ④ كَوْنُ الْمَقَامِ لِلغَيْبُوبَةِ مَعَ الْاِخْتِصَارِ لِتَقْدِيمِ ذِكْرِهِ.
- ① **تعیین المسند الیہ:** مسند الیہ کے متعین ہونے کو واضح کرنے کے لیے، جیسے: ﴿هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ [غافر: ۲۰]۔

① یہاں پر ﴿أَحَدٌ﴾ کی تنکیر اور ﴿الصَّمَدُ﴾ کی تعریف میں مختلف حکمتیں بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ: ﴿هُوَ اللَّهُ﴾ - ایک قول کے مطابق - اور ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ دونوں ترکیبیں مبتدا خبر ہیں اور خبر کی تعریف سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا ہے، اور ﴿أَحَدٌ﴾ کے بغیر ہی ﴿هُوَ اللَّهُ﴾ میں حصر ہو گیا ہے؛ لہذا ﴿أَحَدٌ﴾ مسند اپنی اصل کے مطابق تنکیرہ مستعمل ہوا ہے۔ (الاتقان)

② **کون المقام للتکلم:** تکلم کا موقع ہونا، جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹]؛ تکلم کے ساتھ اختصار مد نظر ہو، جیسے: ﴿وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ﴾ ① [یوسف: ۱۱]

ملفوظ: جب متکلم اپنے ہی بارے میں کوئی بات بیان کرے تو یہ ”مقام تکلم“ کہلاتا ہے، اور جب اپنے سامنے موجود کسی شخص سے بات کرے تو یہ ”مقام خطاب“ کہلاتا ہے، اور اگر کسی غائب کے بارے میں گفتگو کرے تو یہ ”مقام غیبیوت“ کہلاتا ہے، جس میں اس غائب کا تذکرہ لفظاً یا حکماً پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے یا پھر کسی قرینے (سیاق و سباق یا احوال) سے اس غائب کا علم ہو جائے۔ (علم المعانی)

تکلم کی ضمیر لانے کی دو اغراض مجازیہ ہیں: الإیْناس، الطَّمَانِیَّةُ.

① **ایناس:** مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے ضمیر متکلم کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يُمُوسَىٰ، إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ، إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ و ”أَنَا“ اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ② [طہ: ۱۱-۱۲]

① (اے مشرکین! تمہارا استہزاء و تعنت اور حامل قرآن کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن اور حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا؛ یاد رکھو!) (اس قرآن کو اتارنے والے ہم ہیں) (قیامت تک) اس کی (تحریف لفظی و معنوی ہر طرح سے) حفاظت کرنے والے ہم ہیں، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کی صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و انحطاط محسوس نہ ہوگا؛ لہذا مؤمنین کو بھی مطمئن رہنا چاہیے۔

اسی طرح انسیت اور مہربانی کے مقام میں ضمیر تکلم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يُمُوسَىٰ ① إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ② وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ③﴾ [طہ: ۱۱، ۱۲]، چنانچہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں ندا دی گئی کہ: اے موسیٰ! یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا رب ہوں، اب تم اپنے جوتے اتار دو! تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو، اور میں نے تمہیں (نبوت کے لیے) منتخب کیا ہے؛ لہذا جو بات وحی کے ذریعے کہی جا رہی ہے اسے غور سے سنو! حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے؛ اس لیے میری عبادت کرو! اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو!۔ (علم المعانی)

آیت ثانیہ: اخوان یوسف نے تمام بھائیوں کا نام لینے کے بجائے ﴿إِنَّا﴾ ضمیر کی صورت میں اختصاراً بیان فرمایا۔

② اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ پکارا تھا؛ معلوم ہوا کہ: یہ مقام مانوس کرنے کا تھا؛ ③

② **طمانینت:** مخاطب کو اطمینان و بھروسہ دینے کے لیے ضمیر تکلم کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۱۰]؛ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ”أَنَا“ النَّبِيُّ لَا كَذِبَ، ”أَنَا“ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ①۔

③ **کون المقام للخطاب:** خطاب کا موقع ہونا، جیسے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَا قُوَّةَ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ﴾ ② [سبا: ۵۱]

ملحوظہ: عموماً متکلم معین مخاطب سے بات کرتا ہے؛ لیکن کبھی مستقبل میں آنے والے ہر مخاطب بننے کی صلاحیت رکھنے والے کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام خطاب کرنا، جیسے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا﴾ [الدھر: ۴۰]؛ اور آپ ﷺ کا فرمان: ”يَخْرُجُ (أَيُّ: الدَّجَالُ) مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِينًا وَشِمَالًا؛ يَا عِبَادَ اللَّهِ! الْبُثُؤا“ ③ [الجامع الترمذی]

④ **کون المقام للغيبة مع الاختصار لتقديم ذكره:** مقام غیبت میں (مرجع کے مذکور ہونے کی حالت میں) اختصار ملحوظ ہو، جیسے: ﴿فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَخْضَعُكُمْ

۵ لہذا ضمیر تکلم ﴿أَنَا﴾ سے تعبیر فرمائی۔ (علم المعانی)

① یہاں نزول قرآن اور اس کی حفاظت کے بابت مؤمنین کے دلوں میں اعتماد و بھروسہ رکھوانے کے لیے ضمیر تکلم ﴿إِنَّا﴾ کا اسلوب اختیار کیا؛ نیز حدیث رسول اللہ ﷺ میں نبی ہوں، یہ کوئی خلاف واقع بات نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں؛ چونکہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ: عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور وہ خاتم النبیین ہوں گے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے کفار کو یہ مشہور چیز یاد دلائی؛ یعنی: اللہ کی مدد ضرور آئے گی! آپ حضرات بالکل مطمئن رہیں۔ (بخاری، شامی، ترمذی)

② (اے پیغمبر! تمہیں اُن کی حالت عجیب و غریب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو، جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے! اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور انھیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ (علم المعانی)

③ مثال اول: (جنت کا حال کیا کہا جائے!) جب تم وہ (ایک ادنیٰ درجے کے جنتی کو نصیب ہونے والی) جگہ دیکھو گے تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہاں اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی! یہ بات اس قدر واضح ہوگی جو کسی سے مخفی نہ ہوگی کہ کسی مخصوص کو نظر آئے اور دوسرے کو نہیں! لہذا خطاب میں عمومیت ہے۔ مثال ثانی: قرب قیامت میں دجال سے مقابلہ کرنے والے (مستقبل میں آنے والے) مسلمانوں سے آپ ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ کے بندو! جم جاؤ! ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرو!“۔ (ترمذی، فی فتنۃ الدجال)

اللَّهُ بَيْنَنَا، ”وَهُوَ“ خَيْرُ الْحَكِيمِينَ ﴿١﴾ [الأعراف: ۸۷].

ملفوظ: یہاں ایک قاعدہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ: ”أَسْمَاءُ الظَّوَاهِرِ كُلُّهَا غَيْبٌ“، اسمِ ظاہر کو غائب کے درجے میں رکھا جاتا ہے اگرچہ وہ خود موجود ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمُوتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ﴿١﴾ [الرعد: ۴].

فصل ثانی: علم

علم: وہ اسم ہے جو کسی معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس وضع میں وہ کسی دوسرے کو شامل نہ ہو، جیسے: ﴿”مُحَمَّدٌ“ رَسُولُ اللَّهِ﴾ ﴿٣﴾ [الفتح: ۲۹].

فائدہ: سامع کے ذہن میں مسند الیہ کے مدلول کو معین و مشخص صورت میں لانے کا تقاضہ ہو تو مدلول کے خاص نام (علم) کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ﴿١﴾ [الإخلاص: ۱-۲].

① (اگر تم نے میرے لائے ہوئے دین کے بارے میں اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے اور اسے تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے) تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ رب العالمین ہمارے درمیان فیصلہ کرے، وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہاں پہلے لفظ اللہ کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے ”أَسْمَاءُ الظَّوَاهِرِ كُلُّهَا غَيْبٌ“، اس کے پیش نظر ضمیر غائب راجع فرمائی ہے۔ (علم المعانی)؛ ومنه قوله تعالى: ﴿إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ [المائدة: ۸]، أي: العَدْلُ المفهوم من قوله: ﴿إِعْدِلُوا﴾؛ وقوله عز وعلا: ﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ﴾ [النور: ۲۸]، أي: الرجوع المفهوم من قوله: فَارْجِعُوا (علم المعانی)

② دیکھیے! باری تعالیٰ تو ہر جگہ ہر آن موجود ہے پھر بھی اسمِ ظاہر ہونے کی بناء پر ﴿رَفَعَ﴾ میں باری تعالیٰ کی طرف ضمیر غائب کو راجع فرمایا۔

③ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ دیکھیے! جب آپ ﷺ کے لیے وصفِ رسالت کے اثبات کا موقع آیا تو باری تعالیٰ نے آپ کے مخصوص نام ”محمد“ کو ذکر فرمایا، نہ کسی اور صفت کو؛ تاکہ آپ کی رسالت پر شہادت پختہ ہو جائے۔

④ (جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ: وہ کیسا ہے؟) آپ کہہ دو! بات یہ ہے کہ اللہ (ذات و صفات) ہر لحاظ سے ایک ہے؛ چوں کہ یہ مقام بے دین لوگوں پر رد کا ہے اور ان کے سامنے توحید الہی کو واضح کرنے کا ہے؛ لہذا ذات باری کی مخصوص نام سے تذکرہ زیادہ موزوں اور مناسب تھا، اس وجہ سے لفظ ﴿اللَّهُ﴾ کو ذکر کیا گیا۔

مسند الیہ کو علم کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

إِحْضَارُ الْمَعْنَى فِي ذَهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ، الْإِهَانَةُ وَالتَّحْقِيرُ،
الاسْتِلْذَازُ، لِبَيَانِ الْاِخْتِصَاصِ.

① **إِحْضَارُ الْمَعْنَى فِي ذَهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ:** مسند الیہ کو اس کے خاص نام کے ساتھ مخاطب کے ذہن میں مستحضر کرنا مقصود ہو، تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے، جیسے: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ "وَأَسْمِعِيلُ"﴾ ① [البقرة: ۱۲۷].

② **التَّعْظِيمُ:** عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ وہ مدح، کنیت یا لقب پر مشتمل ہو اور اس میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ﴾ [آل عمران: ۹۳]؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ ② [الفتح: ۲۹].

③ **الْإِهَانَةُ وَالتَّحْقِيرُ:** حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ ③ [أبي لهب: ۱].

① اور جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔ یہاں ابراہیم و اسماعیل مسند الیہ کو خاص نام سے ذکر کیا ہے، تاکہ دیگر حضرات سے ممتاز ہو جائیں۔

② مثال اول: بنی اسرائیل کے لیے سب چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز (اونٹ کا گوشت اور دودھ) جو اسرائیل (اللہ کے بندے یعقوبؑ) نے تورات کے نزول سے پہلے (عرق النساء بیماری کی وجہ سے بطور نذر) اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ یہاں ﴿إِسْرَءِيلَ﴾ بمعنی: عبد اللہ، حضرت یعقوب کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ مثال ثانی: اس میں باری تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کو بیان کیا ہے کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جن کی تعریف اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور ملائکہ کرتے ہیں وہ) تو اللہ کے رسول ہیں؛ چاہے تم مانو، یا نہ مانو!

③ ابولہب (انگار والا) کے دونوں ہاتھ ٹوٹ چکے؛ ابولہب کا نام عبد العزی بن عبد المطلب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا؛ لیکن اپنے کفر و شقاوت کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا؛ اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے، یعنی: اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی، اس کے اعمال اکارت ہوئے، اس کا زور ٹوٹ گیا اور خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا۔ اس آیت میں یہ کنایہ ہے کہ: ابولہب انگار والی جہنم میں جائے گا۔

④ **استلذاذ:** لذت حاصل کرنا ہو جب کہ وہ قابل لذت ہو، جیسے: **قَالَتِ الْعَاصِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ! "مَالِكٌ" خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ** ①۔

⑤ **بیان اختصاص:** معین ذات کے ساتھ مخصوص امر کو ذکر کرتے ہوئے اس معین ذات کو بصورت علم تعبیر کرنا، جیسے: ﴿"اللَّهُ" الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ [الرعد: ۲]؛ ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ ② [الأنعام: ۱۲۴]۔

فصل ثالث: اسم اشارہ

اسم اشارہ: وہ اسم غیر متمکن ہے جو کسی محسوس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو؛ اسی طرح جب کسی چیز کو مکمل ممتاز کرنا مقصود ہو تو اسم اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّ "هَذَا" الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ ③ [بنی اسرائیل: ۹]۔

د ملحوظ: جب مسند الیہ کی تعظیم یا تحقیر و اہانت مقصود ہو تو اس وقت کنیتوں اور اچھے برے القاب کو ذکر کیا جاتا ہے، چوں کہ عربی النسل لوگ طبعی طور پر القاب مذمومہ سے نفرت کرتے ہیں، ان کی طرف نسبت کو ناپسند کرتے ہیں؛ اور اچھے القاب کو قبول کرتے ہیں، ان کی طرف نسبت کو پسند کرتے ہیں اس لیے القاب محمودہ میں ابو الخیر، ابو المعالی وغیرہ کہتے ہیں، اور القاب مذمومہ میں ابو الجہل، أنف الناقۃ وغیرہ لاتے ہیں۔ (علم المعانی)

① حدیث اُمّ زرع میں دسویں عورت نے کہا تھا: "میرا شوہر مالک ہے، مالک کے کیا کہنے! مالک تو ان تمام عورتوں کے شوہروں سے بہتر ہے (جن کا ذکر اب تک ہوا ہے)؛" یہاں تیسری جگہ مالک کا تذکرہ کرنا برائے استلذاذ ہے۔ (شمائل ترمذی)

② آیت اولی: اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے قائم رکھا ہے؛ دیکھیے: آسمانوں کو بلسند کرنا، صرف اسی کی طرف منسوب ہے؛ لہذا لفظ اللہ کو بصورت علم ذکر کیا۔ (علم المعانی)۔ آیت ثانیہ: اور جب اہل مکہ کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں: ہم اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اُس (پیغمبری) جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی؛ حالاں کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے"۔ دیکھیے: رسول کی تعیین کرنا صرف اُس کی طرف منسوب ہے۔

③ بے شک یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔ یعنی: یوں تو تورات بھی بنی اسرائیل کو راہ بتلانے والی تھی جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِیْلَ﴾؛ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام توہم راہیں اس "اقوم" کے تحت مندرج ہو گئیں؛ دیکھیے! قرآن مجید کو مکمل ممتاز کرنے کے لیے اشارہ قریب کا اُسلوب اختیار فرمایا۔

مسند الیہ کو اسم اشارہ کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِاحْضَارِ مَعْنَاهُ، لِمَعْنَى تُسْتَفَادُ بِالْقَرِينَةِ كَالْقُرْبِ، لِبُعْدِ الْمُرْتَبَةِ،
لِلتَّعْظِيمِ، لِلتَّحْقِيقِ، لِكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهِ، لِإِظْهَارِ الْاسْتِغْرَابِ، التَّعْرِیْضِ بِغَبَاوَةِ
السَّمَاعِ، تَمْيِيزِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ أَكْمَلَ تَمْيِيزِ، تَجَسِّدِ الْمَعْنَوِيَّاتِ فِي صُورَةِ مُحْسُوسَةٍ،
تَلْخِیْصِ الْكَلَامِ.

① **تعیین طریقاً لإحضار معناه:** سامع کے ذہن میں مشار الیہ کا معنی حاضر کرنے اور اس کا تصور جمائے جانے کے لیے اشارہ کا طریقہ متعین ہو، مثلاً: جب مشار الیہ کا نام یاصفت سے ناواقف ہو، جیسے: ﴿ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا﴾ بِالْهَيْتِنَا يَا بُرْهِيمَ ﴿﴾ [الأنبياء: ۶۲]؛ ﴿يُبَشِّرِي هَذَا غُلْمٌ﴾ ① [یوسف: ۱۹]۔

② **لمعنى تستفاد بالقرينة كالقرب:** مشار الیہ کے قرب، بعد اور توسط کے حال کو بیان کرنا، جیسے: ﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي﴾ [یوسف: ۹۰]؛ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ② [مریم: ۶۳]۔

③ **بعد مرتبت:** اسم اشارہ بعید کو کبھی بعد مرتبت اور علو مکان کے لیے بھی استعمال فرماتے ہیں، جیسے: ﴿الْمَ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ③ [البقرة: ۱-۲]۔

① آیت اولیٰ: کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تُو نے یہ برتاؤ کیا ہے؟ تفصیل انشاءِ ظہلی میں استفہام کے تحت ”تقریر“ کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔ آیت ثانیہ: جب قافلے والوں میں سے ایک شخص نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ (یوسف علیہ السلام کو) دیکھ کر (بے ساختہ) پکار اٹھا: لو خوش خبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے، دیکھیے: ڈول ڈالنے والا یوسف علیہ السلام کے نام سے ناواقف تھا؛ لہذا اس نے اشارہ کا اسلوب اختیار فرمایا۔

② آیت اولیٰ: (جب بھائیوں کو یہ احتمال پیدا ہوا کہ یہی یوسف ہیں)، تو وہ بول اُٹھے: ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟ یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں، اور یہ (میرے قریب موجود) میرا بھائی ہے۔ آیت ثانیہ: یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو، دیکھیے! یہاں جنت کے بعد کو (تلك) سے تعبیر فرمایا۔ اس آیت میں شاید لفظ میراث اس لیے اختیار فرمایا ہو کہ وہ اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم و احکم قسم ہے، جس میں نسخ کا احتمال، نہ لوٹائے جانے کا، نہ ابطال و اقالہ کا۔ (نوائد، علم المعانی)

④ **التعظیم:** مشار الیہ کی عظمت و جلالت شان کو بیان کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ [بنی اسرائیل: ۹]؛ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ① [مریم: ۶۳]۔

⑤ **التحقیر:** مشار الیہ کی حقارت و ذنات ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَمَا "هَذِهِ" الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ، وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [العنکبوت: ۶۴]؛ ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ۚ فَ"ذَلِكَ" الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۚ﴾ ② [الماعون: ۱-۲]۔

ملفوظ: یاد رہے کہ اسم اشارہ قریب کے ذریعے دو متضاد امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے: کہیں پر مشار الیہ کی تحقیر، ہلکا پن اور اس کے گھٹیا پن کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو کہیں مشار الیہ کے

③ ترجمہ: اَلَمْ، یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں!۔

① آیت اولی: حقیقت یہ ہے کہ یہ (قیامت تک ساری دنیا کو ہدایت دینے والا) قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب (کتب سماویہ کی راہوں) سے زیادہ سیدھا ہے۔ یعنی یوں تو "تورات" بھی ﴿هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِیْلَ﴾ تھی؛ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے، تمام "توہم راہیں" اس ﴿أَقْوَمُ﴾ کے تحت میں مندرج ہو گئیں؛ لہذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو! یہاں ہادی (قرآن) کو اسم اشارہ کے ذریعے بالکل قریب ہی بتلایا ہے، اور ہادی جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔

آیت ثانیہ: اللہ تعالیٰ جناتِ عدن کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو؛ یہاں اسم اشارہ بعید (تلك) برائے تعظیم ہے۔

② آیت اولی: اور یہ (چند روزہ) دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں! اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت (اور اس کی لامحدود زندگی) ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔ یعنی: یہ دنیا انتہائی درجہ حقیر اور گھٹیا ہے! مؤمن کو اس میں دل نہ لگانا چاہیے۔ یہاں دنیا کی دنائت اور اس کے گھٹیا پن کو تعبیر کرنے کے لیے (ہذہ) اسم اشارہ برائے قریب کو استعمال فرمایا۔

آیت ثانیہ: کیا تو نے اس آدمی کو دیکھا جو جزا و سزا (یا بقول بعض: دین و ملت) کو جھٹلاتا ہے اور یتیم کو (اس کے ساتھ غم خواری و ہم دردی کرنے کے بجائے) دھکے دیتا ہے۔ یہاں مکذّب اور یتیم کو دھکا دینے والے کی تحقیر ظاہر کرنے کے لیے اس کو اسم اشارہ بعید سے تعبیر فرمایا۔ (علم المعانی)

غایت قرب کو بتلا کر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا اور راہنمائی حاصل کرنا نہایت آسان ہے، جیسے: تعظیم و تحقیر دونوں کی مثالوں سے واضح ہے۔ ایسا ہی حال اسم اشارہ بعید میں بھی ہے، جیسے: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ﴾ ”فَأُولَٰئِكَ“ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱﴾ [المؤمنون: ۱۰۲-۱۰۳]

⑥ **کمال العنایۃ بہ:** مشاۃ الیہ کی طرف دوسروں کو مکمل طور پر متوجہ کرنا اور اس کو ہم جنسوں سے ممتاز و نمایاں کرنا مقصود ہو، جیسے فرزدق کا شعر:

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطَائِفُهُ ﴿۱﴾ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ ﴿۲﴾
④ **إظهار الاستغراب:** یعنی کسی شے کو اس کے انوکھا و نادیدہ ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے اسم اشارہ کی صورت میں لانا، جیسے:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَغْيَتْ مَذَاهِبُهُ ﴿۱﴾ وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلَقَّاهُ مَرْزُوقًا
هَذَا الَّذِي تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً ﴿۲﴾ وَصَيَّرَ الْعَالَمَ النَّحْرِيرَ زِنْدِيقًا ﴿۳﴾
⑧ **تعريض بغبوات السامع:** سامع کی غبوات کی طرف اشارہ کرنا، کہ اس کے سامنے مسند الیہ اشارہ حسیہ ہی سے ممتاز ہوگا، جیسے: ﴿هَذَا﴾ ”خَلَقَ اللَّهُ، فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ“

① اس جگہ اول اسم اشارہ برائے تعظیم ہے، اور ثانی برائے تحقیر ہے۔ (علم المعانی)

② یہ (حضرت زین العابدین علی بن حسین کی) وہ شخصیت ہے جن کے نشان قدم کو ارض بطحاء (مکہ مکرمہ کی سر زمین) پہچانتی ہے، اور بیت اللہ اور حل و حرم انہیں جانتے ہیں؛ دیکھیے! فرزدق شاعر نے امام رضی اللہ عنہ کے لیے اسم اشارہ قریب استعمال فرما کر بتلایا کہ: حضرت تو ذات کے اعتبار سے بڑی شان والے ہیں، اور عالی نسب سے ان کا تعلق ہے؛ اسی وجہ سے وہ لوگوں سے بہت زیادہ قریب بھی ہیں؛ یہاں شاعر نے اسم اشارہ لا کر دوسروں کو بھی حضرت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ (علم المعانی)

③ ترجمہ: کتنے ہی عقلمند ایسے ہیں کہ ان کو کسبِ معاش کے طریقوں نے پریشان کر رکھا ہے اور کتنے ہی نرے جاہلوں کو اے مخاطب تو خوش عیش اور تو نگر دیکھے گا، اسی چیز نے تو عقلوں کو چکر میں ڈال دیا ہے اور عالم با کمال کو کافر بنا دیا ہے؛ اس دوسرے شعر میں لفظ ”هَذَا“ کا استعمال کرنے کی غرض ندرت اور غرابت کا اظہار کرنا ہے۔

الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ﴿١﴾ [لقمن: ۱۱]

⑨ **تمییز المسند الیہ اکمل تمییز:** سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو کامل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ [بنی اسرائیل: ۹۰]

⑩ **تجسید المعنویات فی صورة محسوسة:** امور معنویہ کو امور محسوسہ کی صورت میں پیش کرنے کے لیے بھی اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ [النور: ۴۴]

ملفوظ: کبھی کسی چیز کے متعدد صفات ذکر کرنے کے بعد اسم اشارہ لا کر یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ: وہ چیز مذکورہ متعدد صفات کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کو اسم اشارہ کے بعد ذکر کیا جائے،

① یعنی بغیر ستونوں کے آسمانوں کو پیدا کرنا، زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دینا، زمین سے ہر قسم کی پُر رونق خوش منظر اور نفیس و کار آمد درخت زمین سے اُگانا: ”یہ سب کچھ“ اللہ کا بنایا ہوا ہے، اب ذرا مجھکو دکھاؤ کہ: اس کے سوا اوروں نے کیا بنایا؟

② یعنی: حقیقت یہ ہے کہ: یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے؛ دیکھیے! یہاں مسند الیہ (قرآن مجید) کو مکمل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اسم اشارہ کو ذکر کیا گیا جو اعراف المعارف ہے؛ نیز اسم اشارہ قریب لا کر یہ بتلایا کہ: اس کتاب ہدایت سے فائدہ اٹھانا اور ہدایت پانا نہایت قریب (آسان) ہے۔

ملفوظ: یہ مقصد اس جگہ ہوتا ہے جہاں مشار الیہ پر ایسا حکم لگانا مقصود ہو جس حکم کا اظہار مرغوب ہو اور حکم میں زیادتی تاکید مطلوب ہو، اس بنا پر آیت کریمہ میں ”إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ“ کے بجائے مذکورہ اسلوب اختیار فرمایا۔ (اتقان، علم المعانی)

③ ترجمہ: وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے، یقیناً ان سب باتوں (رات دن کے الٹ پھیر، ان کو گھٹانے بڑھانے اور سردی و گرمی کو ایک دوسرے سے بدلنے) میں ان لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ یہاں اسم اشارہ کے ذریعے معنوی چیز (رات و دن کا اُلٹ پھیر) کو محسوس صورت میں پیش کیا ہے؛ ہاں! اسم اشارہ بعید لا کر یہ بھی اشارہ فرمایا کہ: یہ وہ نصیحت ہے جس کو صرف مؤمنین ہی حاصل کرتے ہیں۔ اسی قبیل سے ہے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقْنِي إِلَّا نَبَأُكُمْ بِمَا تَأْتِيكُمَا، ذَلِكَمَا﴾ (أَي: عِلْمُ التَّأْوِيلِ) مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ﴿[یوسف: ۳۷]

جیسے: ﴿أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ① [البقرة: ۵]۔

② **تلخیص الکلام:** متکلم کئی جملوں کا اعادہ کرنے؛ بلکہ بسا اوقات پورے صفحے کے مضمون کا اعادہ کرنے کے بجائے اس مضمون کو اختصاراً اسم اشارہ کے ذریعے سمیٹ لے، جیسے: ﴿ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ ⑤ [بنی اسرائیل: ۳۹]۔

فصل رابع: اسم موصول

اسم موصول: وہ اسم غیر متمکن ہے جو بغیر صلے کے جملے کا جز نہ بن سکے، جیسے: الذی، الی؛ اور مسند الیہ وغیرہ کو اسم موصول کی صورت میں معرفہ اس وقت لایا جائے گا جب کہ متکلم و مخاطب دونوں صلہ کے بابت جانکاری رکھتے ہوں۔

مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ، عَدَمُ الْعِلْمِ عَنْ أَمْرِهِ سِوَى الصَّلَاةِ، التَّفْخِيمُ، التَّهْوِيلُ، قَصْدُ الْهَدَايَةِ، التَّوْبِيخُ، إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ، التَّنْبِيهُ عَلَى الْخَطَا، التَّهَكُّمُ، الْكَرَاهِيَّةُ، زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ، التَّغْلِيلُ (الْإِيْمَاءُ إِلَى وَجْهِ الْخَبَرِ)،

① ترجمہ: یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں؛ اس آیت سے قبل متقیوں کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کیا جو قلبی اطاعت ہے، پھر اقامت صلاۃ کا ذکر کیا جو بدنی عبادت ہے، پھر ایثار زکوٰۃ کا ذکر فرمایا جو مالی عبادت ہے؛ گویا ان لوگوں نے اللہ کا، لوگوں (فقراء) کا اور دیگر انبیاء کا حق ادا کیا ہے؛ چنانچہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت اور کامیابی کا مزدہ سنایا جائے۔ اسی قبیل سے یہ آیات بھی ہیں: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ﴾ ⑤ [المؤمنون: ۱۰]، ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ⑥ [البقرة: ۲۷]۔ (علم المعانی)

② یعنی اوپر جو پرمغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ...﴾، وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ...، وَاتَّزِقْ الْقُرْبَى...، لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً، وَلَا تَبْسُطْهَا...، لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ...، وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَى...، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ...، وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ...، وَأَوْفُوا الْكَيْلَ...، وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ...، وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا... یہ تمام علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں، جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی ﷺ کی طرف بلا واسطہ اور امتِ اُمیہ کی طرف بواسطہ حضور ﷺ بھیجی گئیں۔ دیکھیے ایک اسم اشارہ میں کس قدر نصائح کو سمیٹ لیا گیا ہے؛ یہ اسلوب بھی کلامِ الہی کے اسالیبِ عالیہ میں سے ایک اسلوب ہے۔ اللھم ارزقنا تلاوتہ وحلاوتہ! (علم المعانی)

إِرَادَةُ الْعُمُومِ، الْاِخْتِصَارِ.

① **تَعَيَّنَ طَرِيقًا لِحَضَارِ مَعْنَاهُ:** سامع کے ذہن میں اس کا معنی حاضر کرنے اور تصور جمانے کے لیے یہی ایک طریقہ متعین ہو جائے، جیسے جنت کی نعمتوں کے بارے میں حدیث قدسی ہے: ”أَعَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَآ لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ“ ①. [مسلم]

② **عَدَمُ الْعِلْمِ عَنْ أَمْرِهِ سَوَى الصَّلَاةِ:** مخاطب کو مسند الیہ کے صلہ کے علاوہ خاص احوال کا علم نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ، أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ ② [الأنبياء: ۱۰۱].

③ **تَفْخِيمُ:** کسی چیز کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اسم موصول کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِذْ يَغْشَى السُّدْرَةَ مَآ يَغْشَى﴾ ③ [النجم: ۱۶].

④ **تَهْوِيلٌ تَعْظِيمًا أَوْ تَحْقِيرًا:** کسی چیز کی عظمت یا حقارت کے اعتبار سے

① دیکھیے! محدود سوچ رکھنے والے انسان کے دل و دماغ میں جنت کی لامحدود و غیر متصور نعمتوں کا کسی حد تک تصور جمانے کے لیے ”مَآ لَا عَيْنٌ رَأَتْ...“ کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے، اور واقعی اس کے لیے یہی ایک طریقہ متعین معلوم ہوتا ہے۔ (مسلم شریف، کتاب الجنۃ وصفۃ نعمتها)

② جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے مقدر (لکھی جا چکی) ہے (یعنی: نیک مؤمن)، اُن کو جہنم سے دور رکھا جائے گا؛ دیکھیے! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے وہ بے حساب لوگ جنہیں جہنم سے دور رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا؛ اُن لوگوں کے خاص احوال (علاقے، زمانے اور شرائع) سے مخاطب ناواقف ہے؛ لہذا ﴿الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ﴾ کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال اسی مضمون میں ”تنبیہ علی الخطأ“ میں بھی ہے۔ اسی طرح: الَّذِي كَانَ مَعَنَا بِالْأُمْسِ رَجُلٌ صَالِحٌ.

③ ترجمہ: (معراج کے) وقت اُس بیری کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو کچھ اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ یہ آیت عربی محاورہ کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ اس کے صحیح تاثر کے ساتھ بہت مشکل ہے کہ درخت پر کیا چیزیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب آقا ﷺ کی فرمائی ہوئی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ: اس وقت لاتعداد فرشتے سنہرے پروانوں کی شکل میں آقا ﷺ کی زیارت میں جمع ہو گئے تھے، اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے؛ دیکھیے! یہاں ﴿مَآ يَغْشَى﴾ کے ابہام سے تفخیم پیدا ہوئی ہے۔

سگینی و ہولنا کی کو بیان کرنے کے لیے اسم موصول کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَغَشِيَهُمْ مِّنَ اللَّيْمِ مَا غَشِيَهُمْ﴾^① [طہ: ۷۸]۔

⑤ **قصد الہدایت:** کبھی متحد عنہ (جس کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے اس) کے نام کو چھپایا جاتا ہے تاکہ متحد عنہ اور دوسرے لوگ بھی حق و ہدایت کی طرف مائل ہوں، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾^② [نور: ۱۹]۔

⑥ **التوبيخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اظہار ناراضگی کے لیے، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرَنَا الَّذِينَ أَضَلُّنَا مِنَ الْحَنِّ وَالْإِنْسِ﴾^③ [فصلت: ۲۹]۔

④ **إخفاء الأمر عن غير المخاطب:** غیر مخاطب سے بات کو پوشیدہ رکھنا ہو، جیسے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾^④ [النور: ۱۴]۔

① عربی محاورے کے مطابق ”وہ چیز“ کہہ کر اس کے ناقابل بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی: کل تک جو لوگ حکومت و سلطنت پر مغرور تھے ظلم و جور اور جبر و تسلط کے خوگر تھے، کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے ان سب کو کس طرح ہمیشہ کے لیے ڈھانپ دیا۔ دیکھیے! اس آیت میں ”ما“ اسم موصول ہے جو بڑائی اور ہولنا کی ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ وہ موجیں اتنی بڑی تھیں کہ ان کی ہولنا کی و خوفناکی کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

② بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلے، یہ چاہنے والے منافقین تھے؛ لیکن منافقین کا تذکرہ کیے بغیر اسم موصول لا کر مؤمنین کو بھی متنبہ فرمادیا کہ: اگر فرض کرو! کسی کے دل میں خطرہ گذر تو اب چاہیے کہ ایسی مہمل بات کا چرچہ کرتا نہ پھیرے! اگر خواہی نہ خواہی کسی مؤمن کی آبروریزی کرے گا وہ خوب سمجھ لے! کہ: اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔

③ یعنی کافرین جہنمین کہیں گے: خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں؛ لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کیا ہے، ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجیے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں؛ تاکہ انتقام لے کر ہمارا دل کچھ ٹھنڈا ہو۔ اسی طرح: وَالَّذِي أَحْسَنَ إِلَيْكَ أَسَأْتَ إِلَيْهِ! وہ شخص جو تجھ پر احسان کرتا ہے تو اس سے بدسلوکی کرتا ہے!

④ عبد اللہ بن ابی بڑا خبیث بد باطن اور دشمن رسول تھا، اُسے واقعہ اُفق کی ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بد بخت نے واہی بتا ہی بکنا شروع کر دیا؛ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی منافقین کی مَغْوِیَانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے، ایک مہینہ تک یہی چرچہ رہا!۔

ملحوظہ: کبھی متحدث عنہ کو راہِ راست پر لانے اور حق و ہدایت کی طرف مائل کرنے میں رغبت کی وجہ سے اس متحدث عنہ کو اسم موصول سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ﴾^① [الحج: ۸]۔

⑧ **التنبیہ علی الخطأ:** مخاطب کو غلطی پر متنبہ کرنا ہو، جیسے: ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النور: ۱۱]؛ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ [الأعراف: ۱۹۴]؛ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا﴾^② [الحج: ۷۳]۔

⑨ **تہکم:** اسم موصول کے ذریعے کسی کی استہزاء اور تمسخر کا اظہار مقصود ہو، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾^③ [حجر: ۶]۔

❧ اسی کو یہاں ﴿فِي مَا أَفَضْتُمْ﴾ سے تعبیر فرمایا، کہ: جو کچھ مؤمنین مخلصین نے چرچہ کیا تھا غیر مخاطب سے مخفی رکھا اور پیغمبر کے طفیل امت کو معاف فرمادیا۔

① اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ ہی کوئی روشنی دینے والی کتاب؛ یعنی: ایسے واضح دلائل و شواہد سننے کے بعد بھی بعض کج رو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں، اُن کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے، نہ دلیل عقلی و سمعی، محض اَوہام و ظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھیے! یہاں کج رو اور ضدی لوگوں کو۔ اُن کے نام یا اوصاف بیان کیے بغیر۔ راہِ حق کی طرف مائل کرنا مقصود ہے؛ اسی لیے تعریضی اُسلوب اختیار فرما کر اُن کو اسم موصول سے ذکر فرمایا۔

② آیت اولی: یعنی بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا، یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا، سادہ لوگ مؤمنین اس کی ظاہری حالت سے دھوکہ میں پڑے؛ اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے آیت کریمہ میں ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ سے اشارہ فرمایا، اور اس غلط فہمی کو دور کیا۔ آیت ثانیہ: میں مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی غلطی پر متنبہ کیا ہے۔ (علم المعانی) آیت ثالثہ: لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے؛ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا ہے اور جس سے دُعا مانگی جا رہی ہے وہ بھی بودا ہے۔ یہاں مخاطب کو متنبہ کرنے کے لیے ان معبودانِ باطلہ کی حقیقت کھولی گئی ہے، نیز یہ مثال عدم العلم سوی الصلۃ کی بھی ہو سکتی ہے۔

③ ترجمہ: اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا تو تو مجنون ہے۔ یہاں موصول وصلہ کے ذکر کرنے سے کفار کی غرض العیاذ باللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء و تمسخر ہے کہ: آپ ہی بڑے رہ گئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے منتخب کر لیا۔

⑩ **کراہیت:** نام لینے میں ناگواری محسوس ہو، جیسے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا؛ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ① [لقمن: ۶]؛ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ [یوسف: ۲۳]

⑪ **زیادۃ التقریر:** کسی چیز کو پختگی کے ساتھ ثابت کرنا، جیسے: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ ② [یوسف: ۲۳]

⑫ **التعلیل** (ایملاء الی وجہ الخبر): آنے والے انجام کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی اسم موصول کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرَيْنَ﴾ [المؤمن: ۶۰]؛ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ③ [الکہف: ۱۰۷]

⑬ **إرادة العموم:** مسند الیہ کو بھی اسم موصول کے ذریعے معرفہ لانا عمومیت کی غرض

① اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں تاکہ اُن کے ذریعے بے سمجھے ہو جائیں اللہ کے راستے سے بھٹکائیں اور اُس کا مذاق اڑائیں؛ ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ یہاں نصر بن حارث کے نام کو تحقیر اچھپایا گیا ہے جو اسی کوشش میں غیر ملکوں کا سفر کرتا تھا۔ نیز آیت ثانیہ میں زلیخا کے نام کی تصریح نہیں فرمائی؛ کیوں کہ عورت کا نام لینا معیوب اور ناشائستہ قرار دیا جاتا ہے، لہذا قرآن مجید میں سوائے مریم کے کسی عورت کا نام مذکور نہیں؛ اور مریم کا ذکر بھی نصاریٰ کے عقیدہ ”عیسیٰ ابن اللہ“ کی تردید کے لیے ہے۔

② اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام (ہر وقت) رہتے تھے اس نے ان کو (اسباب عیش و عشرت میں نہایت محبت اور پیار سے) ورغلائے اور پھسلانے کی کوشش کی؛ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے -زاہد کے تقویٰ کو پاش پاش کرنے والے اسباب و دواعی اور خلوت کے باوجود- اعراض کرتے ہوئے صرف ایک لفظ ﴿مَعَاذَ اللَّهِ﴾ خدا کی پناہ! کہہ کر اپنے آپ کو شیطانی جال سے بچانے کے لیے اسی قادر مطلق سے مدد لی۔ یہاں ﴿الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا﴾ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کو اچھی طرح ثابت کرتا ہے۔ (علم المعانی)

③ آیت اولیٰ: بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے، اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔ گویا تکبر کی بناء پر اللہ کی عبادت سے منہ موڑنا دخول جہنم کا سبب ہے؛ یہاں صلہ ﴿يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي﴾ آنے والے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (علم المعانی) آیت ثانیہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں (اُن کے ایمان و اعمال کی بناء پر) ان کی مہمانی کے لیے ٹھنڈی چھاؤں کے باغات ہوں گے۔ یہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ پر جنت الفردوس کا وعدہ ہے؛ لہذا اگر یہ علت نہ پائی جائے تو جنت الفردوس میں داخلہ نہ ہوگا۔

سے ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ ① [العنکبوت: ۶۹]۔

② **اختصار:** مسند الیہ یا اس کے علاوہ کو شمار کرنا دشوار ہو تو اسم موصول کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا...﴾ ② [الأحزاب: ۶۹]

فصل خامس: معرف باللام

معرف باللام: وہ اسم ہے جس کو الف لام داخل کر کے معرفہ بنایا گیا ہو، جیسے: الرَّجُلُ؛ الف لام کے ذریعے معرفہ بنانا دو غرضوں کے لیے ہوتا ہے: ① مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے کسی معہود (بین المتکلم والمخاطب) فرد کی طرف اشارہ کرنا، ② مدخول کی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا؛ اول کو ’لام عہد خارجی‘ اور ثانی کو ’لام حقیقت‘ یا ’لام جنس‘ کہتے ہیں۔ الف لام کی دو قسمیں ہیں: عہد خارجی اور حقیقی۔

① **لام عہد خارجی:** جس سے متکلم و مخاطب کے درمیان کسی ایک متعین فرد کی طرف اشارہ ہو؛ جس کے مدخول کا ذکر کلام میں پہلے صراحتاً ہوا ہو، یا کنایۃً ہوا ہو، یا پھر نہ صراحتاً ہوا ہو اور نہ ہی کنایۃً ہو۔

اس کی تین قسمیں قرآن میں مستعمل ہیں: ① صریحی، ② کنائی، ③ علمی۔

۱- **لام عہد خارجی صریحی:** وہ لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ صراحتاً کلام میں پہلے گزر چکا ہو، جیسے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ،

① یعنی جو لوگ (بھی) اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب و رضا کی یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے؛ چاہے وہ عربی ہو یا عجمی، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، کالا ہو یا گورا؛ ہر ایک کو یہ حکم عام ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

② یہاں اگر قائلین کے ناموں کو شمار کرایا جاتا تو کلام طویل ہو جاتا؛ اور تمام بنی اسرائیل پر حکم لگایا جاتا تو درست نہیں تھا؛ کیوں کہ سبھی حضرات اس بات کے قائل نہ تھے؛ لہذا اختصار کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔

(الاتقان فی علوم القرآن)

”الْمُصْبَاحُ“ فِي زُجَاجَةٍ، ”الزُّجَاجَةُ“ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ ﴿١﴾
[النور: ۳۵].

۲- لام عہد خارجی کنائی: وہ لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ صراحتاً نہ ہو؛ بلکہ کنایہ پہلے گزر چکا ہو، ان دونوں کی مثال باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَيْسَ ”الذَّكَرُ“

① نور الہی سے مومنین و قانتین کو جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال: ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمک دار شیشہ (قدیل) رکھا ہو۔ یہ شیشہ اس کا قلب ہو جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اس قدیل میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسی صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے۔ یہاں ﴿الْمُصْبَاحُ﴾ اور ﴿الزُّجَاجَةُ﴾ دونوں معرف باللام ہیں جس سے ما قبل میں مذکور ﴿مُصْبَاحُ﴾ اور ﴿زُّجَاجَةُ﴾ کی طرف اشارہ ہے۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ جب ایک ہی اسم کو دو مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی چار حالتیں ہوتی ہیں:

۱- دونوں معرف ہوں تو اسم ثانی سے عموماً عین اول مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾، ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ [الفاتحہ: ۶-۷]۔

۲- دونوں نکرہ ہو تو ثانی سے عموماً غیر اول مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِيفٍ، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعِيفٍ قُوَّةً، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبًا﴾ [الروم: ۵۰]؛ آیت کریمہ میں ضعف اول سے مراد نطفہ ہے اور ثانی سے طفولیت اور ثالث سے مراد شیخوخت ہے۔

مذکورہ دونوں قاعدوں کی مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ [الم نشر: ۵-۶]؛ اس طور پر کہ: عسر ثانی عین عسر اول ہے اس وجہ سے کہ دونوں معرف ہیں؛ اور یسر ثانی غیر یسر اول ہے کیوں کہ دونوں نکرہ ہیں۔

۳- پہلا نکرہ اور دوسرا معرف ہو تو ثانی سے عموماً عین اول مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝﴾ [المزمل: ۱۵-۱۶]۔

۴- پہلا معرف اور دوسرا نکرہ ہو تو اس کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ ہاں قرآن کے ذریعے تعیین ہوگی، چنانچہ دوسرا پہلا کا غیر ہو، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِئُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ [الروم: ۵۰]؛ اور جیسے: ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا﴾ [النساء: ۱۰۳]؛ اور ثانی اول کا عین ہو، جیسے: ﴿وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝﴾ [الزمر: ۲۸-۲۷] (الاتقان فی علوم القرآن)

كَالْأُنثَى ﴿١﴾ [ال عمران: ۳۵-۳۶].

۳- لام عہدِ خارجی علمی: جس کے مدخول کا تذکرہ نہ صراحتاً پہلے ہوا ہو، اور نہ ہی کنایہ، جیسے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ ﴿٢﴾ [الفتح: ۱۸].

﴿۲﴾ لام حقیقت: اس کی تین صورتیں ہیں: جنسی، استغراقی اور عہدِ ذہنی۔

۱- الف لام جنسی: وہ الف لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت و ماہیت مراد ہو، جیسے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ [البقرة: ۱۳]؛ ﴿الرِّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ﴿٣﴾ [النساء: ۳۴].

﴿۱﴾ (چنانچہ اللہ کے دعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو!) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ”اے میرے رب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اُسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی، میری اس نذر کو قبول فرما! بے شک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“

پھر جب اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ”یارب یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوئی ہے!“۔ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ اور (مطلوبہ) لڑکا، (قابلِ مبارکباد و مسعود و نعمت) لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ آیت مذکورہ میں ﴿الَّذِي﴾ مسند الیہ کے شروع میں الف لام عہدِ خارجی کنائی ہے جس کا تذکرہ کنایہ ﴿مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ سے ہو چکا ہے؛ کیوں کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکا کا ہبہ کیا جاتا تھا، اور ﴿الْأُنثَى﴾ میں الف لام عہدِ خارجی صریحی ہے؛ کیوں کہ اس کا تذکرہ پہلے ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى﴾ میں ہو چکا ہے۔ (علم المعانی)

﴿۲﴾ یقیناً اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان مؤمنین سے بڑا خوش ہو واجب وہ درخت کے نیچے سے بیعت کر رہے تھے، یہاں درخت کا تذکرہ نہ صراحتاً پہلے ہوا ہے اور نہ ہی کنایہ۔ (علم المعانی)

﴿۳﴾ آیت اولیٰ: اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ: تم ایمان لاؤ جس طرح سب لوگ ایمان لائے، تو کہتے ہیں رِاح۔ یہاں الناس میں الف لام جنس کے لیے ہے، اُنّی: کما آمَنَ جنسُ النّاسِ یعنی جیسے: جنسِ ناسِ ایمان لائے ویسا ایمان لاؤ۔ اس الف لام کو برائے جنس ماننے سے یہ لطیف معنی پیدا ہوئے کہ: درحقیقت کامل مؤمنین ہی انسانیت میں کمال رکھنے والے ہیں، رہے منافقین و مشرکین کہ وہ انسانیت کے شمار ہی میں نہیں۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمَخْلُصِينَ۔

ملحوظہ: النَّاسُ کا الف لام جیسے جنسی ہو سکتا ہے عہدی علمی بھی مان سکتے ہیں اور عبارت یوں ہوگی: ﴿كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ اُنّی: کما آمَنَ الرّسُولُ ﷺ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الصّٰحَبَةِ۔ (علم المعانی)

آیت ثانیہ: مرد عورتوں کے گنہگار ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک (جنس) کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

۲- **الف لام استغراقی:** وہ الف لام حقیقی ہے جس سے (قرائن کی وجہ سے) مدخول کی حقیقت کے تحت داخل ہونے والے تمام افراد مراد ہوں، جیسے: ﴿عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [الرعد: ۹]؛ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ [الَّذِينَ آمَنُوا] [العصر: ۲]؛ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ① [البقرة: ۱۹۰]۔

۳- **الف لام عہد ذہنی:** وہ لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے ایک مبہم (غیر معین) فرد مراد ہو، جس کا معہود ذہن میں ہو، جیسے: ﴿وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ﴾ ② [یوسف: ۱۳]۔

فصل سادس: معرفہ بہ اضافت

مضاف الی المعرفہ: جو معرفہ بہ ندا کے علاوہ معرفہ کی پانچ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔

مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی اغراض بلاغیہ یہ ہیں:

① آیت اولی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام پوشیدہ اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے؛ اس آیت میں علم الہی کی لام محدود وسعت کا بیان ہے کہ دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اور تمام عالم اس کے زیر تصرف ہے۔ اسی قبیل سے باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ۲۸]۔

آیت ثانیہ: درحقیقت (تمام) انسان بڑے گھائے میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو چار اوصاف کے حبا مع ہوں: ① اللہ و رسول پر ایمان لائے اور ان کے وعدوں پر پورا یقین رکھے۔ ② اس ایمان و یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے؛ بلکہ اعضاء و جوارح میں ظاہر ہو۔ ③ محض اپنی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے؛ بلکہ قوم و ملک کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ ④ شخصی و قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں۔ اس جگہ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا استثناء قرینہ ہے کہ ﴿الْإِنْسَانُ﴾ میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔

② اور مجھے (یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم کے ساتھ) یہ اندیشہ بھی ہے کہ یوسف کو بھیڑ یا کھاجائے اور تم اس کی طرف سے غافل ہو۔ یہاں بھیڑیے کی حقیقت کے افراد میں سے ایک غیر معین فرد مراد ہے؛ اور اس کو لام حقیقی اس لیے کہا گیا؛ کیوں کہ مدخول کی حقیقت اس معہود پر مشتمل ہے۔

الْإِيجَازُ وَالِاخْتِصَارُ، لَتَعْظِيمِ الْمَضَافِ، لَتَعْظِيمِ الْمَضَافِ إِلَيْهِ، لَتَحْقِيقِ الْمَضَافِ، لَتَحْقِيقِ الْمَضَافِ إِلَيْهِ، لَتَعَذُّرِ التَّعَدُّدِ، لَتَعَسَّرِ التَّعَدُّدِ، لِلخُرُوجِ مِنْ تَبِعَةِ تَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ، الْإِخْتِصَارُ لِضَيْقِ الْمَقَامِ، لِلِاسْتِعْطَافِ وَالْحَثِّ عَلَى الشَّفَقَةِ، لِقَصْدِ الْعُمُومِ.

① **إيجاز واختصار:** کلام کو مختصر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾^① [الفرقان: ۶۳].

② **تعظیم مضاف:** مضاف کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، یعنی: اضافت کرنے سے مضاف کی تعظیم مستنبط ہو، جیسے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الأحزاب: ۳۹]؛ ﴿يُقِيمُونَا أَجِيْبُوا دَاعِيَ اللَّهِ﴾^② [الأحقاف: ۳۱]

③ **تعظیم مضاف الیہ:** مضاف الیہ کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِـ"عَبْدِهِ"﴾^③ [الإسراء: ۱].

④ **تحقیر مضاف، تحقیر مضاف الیہ:** مضاف یا مضاف الیہ کی حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو؛ اول کی مثال، جیسے: ﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا، إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ﴾^④ [زمر: ۸]؛ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾^⑤ [البقرة: ۱۶۸]

① ترجمہ: اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اس جگہ ﴿عِبَادُ الرَّحْمَنِ﴾ مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کی مختصر راہ ہے، اس عبارت کے نسبت کہ یوں کہا جائے: "وَالْعِبَادُ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الرَّحْمَنَ هُمْ" الذین إلخ؛ نیز اس اضافت سے مضاف کی تعظیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ (علم المعانی)

② (مسلمانو!) محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے؛ لیکن وہ اللہ (بلند و بالا ذات) کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں؛ یہاں رسول کی اضافت اللہ کی طرف برائے تعظیم ہے۔ (علم المعانی)

③ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی؛ اس جگہ معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے اس آیت میں اللہ رب العزت اپنی عظمت و جلال کو بیان فرماتے ہیں۔

④ آیت اولیٰ: تو کہہ: (اے انسان!) اچھا کافر رہ کر چند روز یہاں اور عیش اڑالے، اور خدا نے جب تک

⑤ **تَعَذُّرُ التَّعَدُّنِ التَّعَدُّدُ:** کسی معدودی چیز کی گنتی اور شمار کرنا دشوار یا مشکل ہو؛

اول کی مثال جیسے: ﴿”أَصْحَبُ الْجَنَّةِ“ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝﴾ [الفرقان: ۲۴]؛

دوسرے کی مثال جیسے: ﴿وَأِنْ كَانَ ”أَصْحَبُ الْأَيْكَةِ“ لَظَلَمِينَ ۝﴾ ① [الحجر: ۷۸]

⑥ **خروج من تبعه تقديم البعض على البعض:** یعنی بعض افراد کو دوسرے

بعض پر مقدم کرنے کی صورت میں پہنچنے والے کسی شر اور ضرر سے بچنا مقصود ہو، جیسے: حَضَرَ
أَمْرَاءُ الْجُنْدِ ②۔

④ **الاختصار لضيق المقام:** یعنی تنگی مقام کے سبب کلام کو مختصر کرنا، جیسے شاعر کا

شعر:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيِّنَ مُصْعِدٍ ❖ جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثِقٌ ③

⑤ مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ، اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (نوائد)

آیت ثانیہ: شیطان ملعون کی پیروی ہرگز نہ کرو جس کو چاہا حرام کر لیا جیسے: بتوں کے نام کے ساند و غیرہ، اور جس کو چاہا حلال کر لیا جیسے: اہل لغیر اللہ وغیرہ۔ اس میں ”شیطان“ مضاف الیہ کی تحقیر مراد ہے۔

① آیت اولی: میں اصحاب جنت کو شمار کرنے کے بعد ان پر فرداً فرداً حکم لگانا ہمارے حق میں دشوار (متعذر) تھا؛ لہذا جنتیوں پر حکم لگانے کے لیے اضافت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ آیت ثانیہ: تحقیق کہ بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب شہر ”مدین“ میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن بھتا کچھ وہاں رہتے ہوں گے) گنہگار تھے، یہاں ”أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ“ کی گنتی متعذر ہے۔

مسندہ: تعذر اور تعسر کے درمیان فرق یہ ہے کہ: بڑی دشواری کو تعذر اور نسبتاً کم دشواری کو تعسر کہتے ہیں۔ تعذر کی مثال: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [آل عمران: ۷۸]، اور تعسر کی مثال: ﴿إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ [العنکبوت: ۳۱]، اُی: قَرْيَةُ لُوطٍ، وَاسْمُهَا ”سُذُومٌ“۔

② اُمراء لشکر آئے؛ یہاں امراء الجند کو ترکیب اضافی کی شکل میں معرفہ لا کر متکلم نے اپنے آپ کی حفاظت کی پیشگی تدبیر اختیار کر لی؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ: اگر امراء الجند نہ کہا جاتا تو لاجمالہ متکلم ان کے نام ذکر کرتا اور ان کے ناموں کے ذکر کرنے میں تقدیم و تاخیر ضرور ہوتی، تب جن امیروں کے نام مؤخر ہوتے شاید وہ برا مان جاتے اور ہو سکتا ہے کہ: ان میں سے کسی کی طرف سے اس متکلم کو اس کا عتاب بھی برداشت کرنا پڑ جائے۔

③ ترجمہ: میرا محبوب یعنی قافلے والوں کے ساتھ جا رہا ہے اس کو آگے چلایا جا رہا ہے دریاں حالاں کہ میرا جسم ④

⑧ **الاستعطاف والحثُّ علی الشفقة:** اضافت سے کبھی مہربانی کو طلب کرنا اور شفقت پر اُبھارنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِـ”وَلَدِهَا“ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِـ”وَلَدِهِ“﴾ ① [البقرة: ۲۳۳]۔

⑨ **قصد العموم:** اضافت کے اُسلوب سے کبھی عمومیت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ﴾ ② [النور: ۶۳]۔

فصل سابع: نداء

معرفہ بندا: وہ اسم جو پکارنے کی وجہ سے معرفہ بن جائے، جیسے: یا رَجُلُ، اس میں ”یا“ حرف نداء ہے، اور ”رَجُلُ“ منادی ہے۔

کلام کا کوئی جز معرفہ بہ صورتِ منادی ہے تو اس کی اغراض یہ ہیں: لَمْ يُعْرِفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ، الإِشَارَةُ إِلَى الْعِلَّةِ۔

① **لَمْ يُعْرِفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ:** جب کہ متکلم مخاطب کے کسی خاص

• مکہ کے قید خانے میں مقید ہے۔ یہاں لفظ ”هَوَايَ“ بہ معنی: حَبِيبِي (مضاف مضاف الیہ) کو شاعر نے ”الَّذِي أَهْوَاهُ“ کی جگہ استعمال کیا ہے؛ کیوں کہ محبوب سے فراق و جدائی کے وقت شدتِ رنج و ملال کی وجہ سے وقت میں تنگی آگئی ہے؛ لہذا شاعر نے اختصار کو پسند کیا ہے۔

① ترجمہ: (میاں بیوی کے درمیان جدائیگی کے بعد دودھ پینے والے بچے کے بارے میں) فرمایا: نہ ماں کو اپنے بچے کے بابت ستایا جائے، اور نہ ہی باپ کو اپنے بچے کے بابت ستایا جائے؛ یعنی: اگر بچہ ماں کے پاس ہے تو باپ سے کہا گیا کہ: اگر ماں ”اپنے بچے“ کو دودھ پلانے پر راضی ہے تو اُس سے بچے کو چھین کر ستایا نہ جائے؛ کیوں کہ یہ آخر عورت کا بھی حقیقی بچہ ہے؛ اور اگر بچہ باپ کے پاس ہے تو ماں سے کہا گیا کہ: اگر شوہر ”اپنے بچے“ کے بارے میں پریشان ہے، اور ”تیرا“ بچہ کسی اور کا دودھ نہیں لیتا تو تو ہی دودھ پلا دے! آخر یہ بھی تو شوہر کا حقیقی بیٹا ہے۔

یہاں ﴿وَلَدٌ﴾ کی اضافت ماں اور باپ میں سے ہر ایک کی طرف کر کے بتلایا کہ: میاں بیوی میں سے کسی ایک کو تکلیف دینا درحقیقت بچے کو تکلیف دینا ہے اور آپسی اختلاف سے اپنے پیارے کو کیوں تکلیف پہونچائے۔ (علم المعانی)

② یعنی اللہ و رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے۔ یہاں ﴿أَمْرِهِ﴾ سے ”کل أمر اللہ والرسول“ مراد ہے، یعنی اس مختصر لفظ میں اللہ و رسول ﷺ کے تمام اوامر کا احاطہ کر لیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

عنوان (عَلَّمَ يَاصِلَهُ وَغَيْرَهُ) کو نہ جانتا ہو، جیسے: ﴿ثُمَّ أَدْنَىٰ مُؤَذِّنٌ "أَيُّهَا الْعِزُّ" إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ۝﴾^① [یوسف: ۷۰]۔

② **الإشارة إلى العلة:** کسی چیز کی علت کی طرف ایماء و اشارہ کرنے کے لیے منادی مخاطب کو بجائے اس کے خاص نام کے کسی ایسے وصف سے پکارنا جس سے دیے جانے والے حکم کی علت کی طرف اشارہ ہو، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾^② [المائدة: ۶۷]۔

ملحوظہ: کبھی ندا میں خطاب عام ہوتا ہے جس میں حاضرین و غائبین تمام شامل ہوتے ہیں، جیسے خروج دجال کے وقت کے مخاطبین سے آپ ﷺ کا خطاب: يَا عِبَادَ اللَّهِ! الْبُتُّوا! اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام خطابات بھی اس میں شامل ہیں جن کا تعلق پوری امت سے ہے۔

تنکیر: فصل اول: تنکیر مسند الیہ

نکیرہ: وہ اسم ہے جو کسی غیر معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: فَرَسٌ کوئی گھوڑا۔ جب مسند الیہ کو معرفہ کی سات صورتوں سے متعلق اغراض میں سے کوئی بھی غرض وابستہ نہ ہو؛ بلکہ نکیرہ استعمال کرنے کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو تو اس وقت مسند الیہ کو نکیرہ لایا جاتا ہے۔ مسند الیہ کو بجائے معرفہ کے نکیرہ لانے میں بلغاء کی اغراض یہ ہیں:

تَنْكِيرُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، قَصْدُ الْإِفْرَادِ، قَصْدُ التَّوَعِيَةِ، قَصْدُ الْجِنْسِ، التَّقْلِيلُ، التَّكْثِيرُ، التَّعْظِيمُ، التَّحْقِيرُ، التَّهْوِيلُ وَالتَّخْوِيفُ، الْعُمُومُ بَعْدَ النَّفْيِ، إِخْفَاءُ الْأَمْرِ،

① پھر پکارا ایک پکارنے والے نے: اے قافلہ والوں تم ہی چور ہو! دیکھیے یہاں پکارنے والے کو قافلہ والوں کا مطلق کوئی علم نہ تھا؛ لہذا یہ اسلوب اختیار کیا۔

② یعنی: اے پیغمبر (پیغام پہنچانے والے) آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے۔ خصوصاً فیصلہ گن اعلانات۔ آپ بے خوف و خطر اور بلا تاثر پہنچاتے رہیے! اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے۔ بحیثیت رسول آپ کو رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل تفویض ہوا ہے۔ کوتاہی ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ: آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا؛ دیکھیے! یہاں پیغمبر کو پیغام رسانی پر ابھارنے کے لیے انہیں منصب رسالت سے پکارا گیا۔

اِئْتِفاء الحَضَر، تَجَاهُل العَارِف.

① **تنکیر مسند الیہ:** یہ بتانا کہ مسند الیہ ایک فرد غیر معین ہے؛ اور مسند الیہ کو نکرہ اس وقت لایا جاتا ہے جب کہ اس کو بصورت معرفہ لانے کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو، جیسے: ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى﴾ [القصص: ۲۰]؛ ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ ① [المؤمن: ۲۸]

② **قصد افراد:** وحدت کا معنی بیان کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿لَا تَتَّخِذُوا آلَ الْهِنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ ② [النحل: ۵۸]

③ **قصد النوعیہ:** یعنی عبارت میں ذکر کردہ اسم نکرہ ایک ایسی مخصوص نوع سے تعلق رکھتا ہے جو مخاطب کے نزدیک مشہور و معروف نوع سے علاحدہ ہے، جیسے: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشْوَةٌ﴾ ③ [البقرة: ۷]

① آیت اولی: شہر کے بالکل دور دراز علاقے سے ایک (نیک طینت) شخص دوڑتا ہوا آیا۔ آیت ثانیہ: اور فرعون کے خاندان میں سے ایک (نیک طینت) مؤمن شخص (شمعان) جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، مسرعون کی سازش: ﴿ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى﴾ کے جواب میں بھری مجلس میں بول اٹھا: کیا تم ایک (ایسے عظیم الشان) شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے: ”میرا پروردگار اللہ ہے“۔ یہاں مسند الیہ (رجل) کی تعیین سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے؛ لہذا اس کو نکرہ کی صورت میں لایا گیا ہے؛ بلکہ اس نکرت کی صورت میں تعظیم بھی مترشح ہوتی ہے جیسا کہ ذکر کردہ وضاحت سے معلوم ہو گیا۔ (علم المعانی، فوائد)

مذکورہ دونوں آیتوں میں ﴿رَجُلٌ﴾ کی تعیین سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح تائید فرمائی اور کس طرح سے فرعون کے مشورے کی اطلاع پہونچائی۔

② اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”دو دوسرے معبود نہ بنا بیٹھنا! وہ تو بس ایک ہی معبود ہے؛ یہاں ﴿واحد﴾ کا لفظ برائے تاکید ہے، نہ برائے عدد؛ کیوں کہ عدد (وحدت) کا مقصد تولفظ (إله) سے پورا ہو گیا ہے۔ (علم المعانی) اور جیسے: وَنِيلٌ أَهْوَىٰ مِنْ وَنِيلَيْنِ، ایک ہلاکت دو ہلاکتوں سے آسان ہے۔

③ ترجمہ: اللہ نے ان (مخصوص کفار) کے دلوں پر مہر کردی (یعنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق بات نہیں سمجھتے) اور ان کے کانوں پر مہر کردی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور ان کی آنکھوں پر (ایسا مخصوص غارت کرنے والا) پردہ پڑا ہوا ہے (جس کی وجہ سے وہ راہ حق کو نہیں دیکھ پاتے)۔ (علم المعانی) اس کی دوسری مثال ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۷] ہے، یہاں وہ مخصوص دردناک عذاب مراد ہے جو انسان کی سوچ سے بالاتر ہے۔

④ **قصہ جنس:** کبھی نکرہ کی صفت ذکر کی جاتی ہے اور اس سے مراد پوری جنس ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ ① [الأنعام: ۳۸]۔

⑤ **تقلیل:** قلت وکی بتلانا، جیسے: ﴿وَلَيْنُ مَسَّئُهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ [الأنبياء: ۴۶]؛ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ ② [التوبة: ۷۲]۔

⑥ **تکثیر:** زیادتی بتلانا، جیسے: ﴿وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ، قَالُوا إِنَّ لَنَا "أَجْرًا" إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ﴾ [الأعراف: ۱۱۳]؛ ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ "رُسُلٌ" مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ③ [فاطر: ۴]۔

④ **تعظیم:** عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ "حَيَوَةٌ" يُأْوِي الْأَلْبَابَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۱۷۹]؛ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشْوَةٌ﴾ ④

① اور زمین میں جتنی قسم کے جانور چلتے ہیں اور جتنی قسم کے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی "اصناف" ہیں؛ اس آیت میں ﴿دَابَّة﴾ اور ﴿طَائِر﴾ کی جنس مراد ہیں۔ اور جیسے: لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، ہر قسم کی بیماری کے لیے کوئی نہ کوئی دواء ہے۔

② آیت اولیٰ: اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا جھونکا (یعنی: عذاب الہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ جائے یا خدا کے قہر و انتقام کی ادنیٰ بھاپ چھو جائے) تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ: ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔ آیت ثانیہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے معمولی رضامندی بھی دنیا کی ہر قسم کی نعمت سے بڑھ کر ہے۔ (علم المعانی)

③ آیت اولیٰ: اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے (اور) انہوں نے کہا کہ: اگر ہم (موسیٰ) پر غالب آگئے تو ہمیں بہت زیادہ اجر تو ضرور ملے گا! اس پر فرعون نے کہا: مزدوری کیا چیز ہے؟ وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقررین خاص اور مصاحبین خاص میں داخل کر لیے جاؤ گے۔ (علم المعانی)؛ آیت ثانیہ: آپ سے پہلے بہت سے بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے؛ یہ مثال تعظیم و تکثیر دونوں ہی کی ہے؛ کیوں کہ یہ آپ ﷺ کو سلی دینے کا مقام ہے۔

④ آیت اولیٰ: اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگانی (کا سامان) ہے، تاکہ تم (کسی کو قتل کرنے سے یا قصاص کے سبب عذابِ آخرت سے) بچتے رہو؛ دیکھیے! یہاں قصاص کا حکم دے کر بتایا کہ اس میں حیاتِ عظیمہ ہے؛ کیوں کہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رُکے گا تو دونوں کی حسابیں محفوظ رہیں گی، اور ۷

[البقرة: ۷]، اُنْی: غِشَاوَةٌ عَظِيمَةٌ.

⑧ **تحقیر:** حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ﴾ [عبس: ۱۹]؛

﴿إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا﴾ [الجاثیہ: ۳۲]؛ ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ ① [الحجرات: ۶]

⑨ **تھویل و تخویف:** کسی کو دہشت زدہ کرنے اور ڈرانے کے لیے مسند الیہ کو نکرہ

لانا، جیسے: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ②.

⑩ **عموم بعد النفی:** نفی کے بعد عموم کا فائدہ پہنچانے کے لیے مسند الیہ کو نکرہ لانا،

جیسے: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ، لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ③ [البقرة: ۲].

⑪ **إخفاء أمر:** یعنی کسی خاص بات کو لوگوں سے مخفی رکھنا، جیسے: قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ

اُخْرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ! تُخْفِي اسْمَهُ حَتَّى لَا يَلْحَقَهُ أَذَى ④.

⑫ **انتفاء حصر:** خبر کا مبتدا میں حصر کرنا مقصود نہ ہو، ایسی صورت میں خبر کو تنکیرہ لانا،

۵ قصاص کے سبب قاتل و مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی اور ہزاروں جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں گی جیسا کہ عرب میں ہوتا تھا۔ (علم المعانی) اسی طرح تکثیر میں ذکر کردہ آیت ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ﴾ میں ﴿رُسُلٌ﴾ کی تنکیر بھی برائے تعظیم ہے۔

① آیت اولیٰ: ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا، کہ: تو آخر پیدا کس چیز سے ہوا؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرہ آب سے، جس میں حس و شعور، حسن و جمال، عقل و ادراک کچھ نہ تھا! سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ آیت ثانیہ: کفار یہ کہتے تھے کہ: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے! تم جو کچھ قیامت کے عجیب و غریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا؛ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ ”ضعیف سا مکان اور دھندلا سا خیال“ کبھی آجائے تو وہ دوسری بات ہے۔

② اس آیت میں ﴿أَلِيمٌ﴾ کی تنکیر مخصوص دردناک عذاب سے دھمکانے اور ڈرانے کے لیے ہے۔

③ یعنی: قرآن کے کلام الہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں!۔ اس کی دوسری مثال: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ، وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ [الإسراء: ۴۴]، یعنی: ”ہر قسم کی مخلوق“ زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہیں؛ لیکن تم اُسے سمجھتے نہیں! یہاں ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ نکرہ تحت النفی مبتدا واقع ہے۔

④ ترجمہ: ایک شخص نے مجھ سے یوں کہا کہ: تو راہِ حق سے ہٹ گیا ہے۔ تو اس قول کے قائل کا نام چھپایا جا رہا ہے

تاکہ اُسے کسی کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔

جیسے حضرت ہود علیہ السلام کا فرمان: ﴿قَالَ يَقُومُ لَيْسَ بِي "سَفَاهَةٌ" وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾^① [الأعراف: ۶۷]

③ **تجاہل عارفانہ:** متکلم کا کسی مسند الیہ کے بابت لاعلمی کا اظہار کرنا، اور یہ بتانا کہ: میں نہ اس کا نام جانتا ہوں، اور نہ ہی اس کی حقیقت جانتا ہوں، جیسے: ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ "رَجُلٍ" يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُرِّقْتُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ، إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾^② [السبا: ۷]

فصل ثانی: تنکیر و تعریف مسند

مسند کو نکرہ لانے کی اغراض: ① الإصالة ② انتفاء الحضر والعهد ③ تفخيم المسند۔
① **إصالة:** یعنی مسند میں اصل تنکیر ہے اس وجہ سے نکرہ لانا، یہ غرض اکثر و بیشتر ہوتی ہے۔
② **انتفاء حصر وعهد:** یعنی تعریف سے حاصل ہونے والا حصر مقصود نہ ہو، اور نہ ہی معبود کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہ ہو، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ، عَمْرٌو شَاعِرٌ^③۔

③ **تفخيم مسند:** مسند کی علوشان بتلانا مقصود ہو، جیسے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾^④۔
مسند کو معرفہ لانے کی اغراض: ① إرادة العهد ② إفادة القصر ③ إفادة اللطائف،
④ تَعْظِيمُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ۔

① **إرادة عهد:** جب کہ مخاطب کو مسند کا وقوع معلوم ہو؛ لیکن اس کا مسند الیہ معلوم نہ

① حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میں بے عقل نہیں ہوں؛ بلکہ پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجا ہوا ایک رسول ہوں۔

② کفار قریش نبی کریم ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے، یعنی: آؤ! تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ: تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا؛ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کرے گا؟۔

③ اسی مثال میں اگر تخصیص کا ارادہ ہوتا تو زَيْدٌ الْكَاتِبُ، عَمْرٌو الشَّاعِرُ کہا جاتا؛ اسی طرح متکلم و مخاطب کے درمیان معبود کے بابت بات ہو تو کہا جائے گا: فُلَانُ الْكَاتِبُ، فُلَانُ الشَّاعِرُ۔ (علم المعانی)

④ اس آیت میں ﴿هُدًى﴾ مسند کی تنکیر نے ہدایت القرآن کی تعظیم و تفخیم کا فائدہ دیا ہے، یعنی قرآن مجید کی ہدایت اس درجہ پہنچی ہوئی ہے جس کی کنہ و حقیقت کا ادراک کرنا ممکن ہی نہیں!۔ سبحان اللہ العظیم!

ہو، جیسے: زَيْدُ الْمُنْطَلِقِ ①۔

② **افادہ قصر:** مسند کو مسند الیہ پر منحصر ہونے کا فائدہ دینا، جیسے: ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى﴾ ② [طہ: ۶۸]۔

③ **افادہ لطائف:** مسند کے مسند الیہ پر منحصر ہونے سے بڑھ کر ایسے لطائف و دقائق بیان کرنا جس کا ادراک ایک بلند اسالیب اور عمدہ تعبیرات سے باخبر آدمی کر لے؛ اور یہ فائدہ خبر کو معرفہ بذریعہ اسم موصول لانے سے حاصل ہوگا، جیسے: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ، قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾؛ ﴿وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ③ [المؤمنون: ۷۸، ۸۰]۔

④ **تعظیم مسند الیہ:** مسند نکرہ کی اضافت کسی عظمت و شرافت اور رفیع المرتبت ذات کی طرف کر کے مسند الیہ میں تعظیم پیدا کرنا، جیسے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [الفتح: ۲۹]؛

① دیکھیے! جب مخاطب کو انطلاق کا علم ہی نہ ہو تب ”زَيْدُ الْمُنْطَلِقِ“ کہا جائے گا اور اس وقت یہ اشارہ ہوگا کہ: یہاں انطلاق (مسند) کا وقوع معہود نہیں ہے؛ لیکن اگر پہلے سے انطلاق معہود و معلوم ہو تو اس وقت ”زید المنطلق“ کہا جائے گا یعنی: چلنے والا زید ہی ہے۔

② موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں کی نظر بندی سے یہ خیال ہونے لگا کہ: گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں؛ اس پر اللہ پاک نے فرمایا: آپ دل سے ڈر کو نکال دیجیے! آپ ہی غالب اور سر بلند رہو گے، نہ کہ ساحرین! دیکھیے! یہاں (الاعلیٰ) مسند کی تعریف سے مسند الیہ پر حصر و قصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ (علم المعانی، فوائد)

③ ان آیات میں خبر کو بذریعہ اسم موصول ذکر کرتے ہوئے صلہ میں مشہور چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾، ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ لا کر مخلوق کو صلہ میں ذکر کردہ امور میں مشغول ہونے اور تدبر کرنے پر ابھارا ہے، یعنی: اللہ نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں؛ پس کانوں سے اس کی آیات تزیلیہ کو سنو! اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو! اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکریہ تو یہ تھا کہ: اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو کام میں لاتے؛ لیکن ایسا نہ ہوا! اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ آیت ثانیہ میں بتلایا کہ: زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ، یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالا سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ و قدرت میں ہے، اس کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے۔

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾^① [مریم: ۳۰]

① دیکھیے یہاں ﴿رَسُول﴾ اور ﴿عَبْد﴾ مسند کی اضافت باری عز اسمہ کی طرف فرما کر ﴿مُحَمَّد﴾ اور ﴿عَبْد﴾ میں تعظیم پیدا کرنا مقصود ہے۔

باب ثالث

تقديم وتاخير

سوالات تقدیم و تاخیر

- ① کلام مذکور میں مسند الیہ یا مسند کی تقدیم ہوئی ہے؟
- ② اگر مسند الیہ کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون ساداعیہ ہے؟
- ③ اگر مسند کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون ساداعیہ ہے؟
- ④ اگر فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کس غرض سے ہوئی ہے؟

فصل اول: تقدیم مسند الیہ

متکلم اپنے کلام ذہنی (کلام نفسی) کو کلام لفظی میں دفعۃً واحدۃً تعبیر نہیں کر سکتا؛ لہذا وہ لامحالہ اجزائے کلام میں سے کسی جز کو دوسرے سے مقدم و مؤخر کرنے کا محتاج ہوگا، اور فصیح متکلم کی یہ تقدیم و تاخیر کسی نہ کسی داعیہ سے ہوگی؛ تقدیم مسند الیہ کے اسباب و دواعی مندرجہ ذیل ہیں:

لِلْأَهَمِّيَّةِ، لِاتِّبَاعِ الْقَوَاعِدِ، التَّشْوِيقِ إِلَى الْمَتَأَخَّرِ، تَعْجِيلِ الْمَسْرَّةِ، تَعْجِيلِ الْمَسَاءَةِ، مُرَاعَاةَ التَّرْتِيبِ الْوُجُودِيِّ، النَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ، النَّصُّ عَلَى سَلْبِ الْعُمُومِ، التَّخْصِصُ، تَقْوِيَةِ الْحُكْمِ بِتَكَرُّرِ الْإِسْنَادِ، تَاكِيدِ الْحُكْمِ بِغَيْرِ الْاِخْتِصَاصِ، الْاِسْتِلْدَازِ، التَّبَرُّكِ.

① **أَهَمِّيَّة:** جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تقدیم اصل ہے، جیسے: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾^① [الإخلاص: ۲]۔

② **إِتِبَاعُ الْقَوَاعِد:** قواعد کی رعایت میں مسند الیہ کو مقدم کرنا جیسا کہ ان الفاظ میں جن کے لیے صدر کلام ہے، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ؛ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ﴾^② [الشعراء: ۲۳]۔

③ **التَّشْوِيقُ إِلَى الْمَتَأَخَّرِ:** ندرت و غرابت کی جانب اشارہ کرنے والے لفظ کو شروع میں لانا تاکہ مخاطب آنے والے کلام کو شوق و رغبت اور دھیان سے سنے، جیسے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى﴾^③ [الحجرات: ۱۳]۔

① اے نبی ﷺ کہہ دو! اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ جملہ اسمیہ میں مسند الیہ (مبتدا) اہم ہوتا ہے؛ لہذا لفظ ﴿اللَّهُ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے۔

② فرعون نے کہا: اور یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور ان ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں؛ اس جگہ ﴿مَا﴾ مبتداء، مسند الیہ کو صدارت کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے؛ کیوں وہ استفہامی معنی ادا کرتا ہے۔

③ اصل انسان کا بڑا، چھوٹا اور معزز و حقیر ہونا اس کی ذات و خاندان سے تعلق نہیں رکھتا؛ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت اور مؤدب ہو اسی قدر اللہ کے یہاں معزز و مکرم ہے۔ یہاں ”اَکْرَمَکُمْ“ مسند الیہ سنتے ہی یہ شوق پیدا ہوگا کہ ایسا کون ہے جو رب العالمین کے دربار میں معزز ہے؟۔ اس کی نظیر (تقدیم مسند برائے تشویق) آپ ﷺ کا فرمان: ﴿

④ **تَعْجِيلُ الْمَسْرَةِ:** اچھی چیز سے مخاطب کو جلدی باخبر کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا: "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ، فَأَدْخُلُوهَا خُلْدَيْنِ"﴾ ① [الزمر: ۷۳]

⑤ **تَعْجِيلُ الْمَسَاءِ:** کسی بُری چیز سے مخاطب کو جلدی سے باخبر کرنا ہو، جیسے: ﴿"النَّارُ" مَثْوَكُمْ خُلْدَيْنِ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ ② [الانعام: ۱۲۸]

⑥ **مُرَاعَاةُ التَّرْتِيبِ الْوُجُودِي:** چند مسند الیہ کو ذکر کرتے وقت واقعی اور فطری ترتیب کی رعایت کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ "الصَّافَا وَالْمَرْوَةَ" مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۱۰۸]؛ ﴿لَا تَأْخُذْهُ "سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ"﴾ ③ [البقرة: ۲۰۰]

○ **كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ:** سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ اس جگہ ”کلمتان“ موصوف مع صفات ثلاثہ خبر مقدم ہے اور ”سبحان الله“ مبتدأ مؤخر ہے۔
① جنتیوں کو جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے کلمات سلام و دعا سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی بشارت سنائیں گے؛ یہاں مسند الیہ (سلام) کو برائے تعجیل المسرات مقدم کیا ہے، اسی طرح الْحَبِيبُ أَقْبَلُ، دوست آگیا۔

② (اے بت پرستو!) آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اسی میں تم ہمیشہ رہو گے؛ مگر جب اللہ چاہے۔ یعنی: جب وہ چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے؛ لیکن وہ ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جا چکی، اب وہ ٹل نہیں سکتی۔
مسند کی تقدیم برائے تعجیل المساءت ہو اس کی مثال آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ“ هَلَاكُ الْعَرَبِ“۔ [ترمذی، فی فضل العرب]، اُمّ الحریر کا حال یہ تھا کہ جب کسی عرب کا انتقال ہوتا تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ: جب کبھی کسی عرب کا انتقال ہوتا ہے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے میرے آقا طلحہ بن مالکؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: قرب قیامت (کی علامت) میں سے عربوں کا ہلاک ہونا ہے؛ دیکھیے! یہاں ”مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ“ خبر (مسند) کی تقدیم برائے تعجیل المساءت ہے۔
ملحوظہ: یہ حدیث ام الحریر کے مہولہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

③ آیت اولیٰ: یہاں دو مسند الیہ میں سے صفا کا ذکر مروہ سے پہلے فرمانا ترتیب واقعی کے پیش نظر ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے سعی کی ابتدا کے بابت فرمایا: نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ. (الاتقان)۔ آیت ثانیہ: حق تعالیٰ نے قرآن میں مضامین ثلاثہ (علم توحید و صفات، علم احکام اور علم قصص و حکایات) کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ آیت الکریسی میں۔ جس کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے۔ توحید ذات و تقدس غایت عظمت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں! وہ زندہ ہے، سب کو تھامنے والا ہے، نہ اسے اُنکھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔ دیکھئے پہلے اُنکھ آتی ہے پھر نیند، ○

④ **نص علی عموم السلب:** مسند الیہ کے ہر ہر فرد سے نفی حکم کی صراحت کرنا؛ یہ مقصود ادااتِ عموم کو ادااتِ نفی پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے، جیسے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ“^①۔ [مسلم، کتاب المساجد]۔

⑤ **نص علی سلب العموم:** مسند الیہ کے جملہ افراد (افراد کے مجموعہ) سے حکم کے منفی ہونے کی تصریح کرنا، نہ کہ ہر ہر فرد سے؛ یہ مقصود ادااتِ سلب کو ادااتِ عموم پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے، جیسے:

”مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُذَرِّكُهُ ﴿٦﴾ تَأْتِي الرِّيحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ“^②
 ملحوظہ: سلب العموم میں بعض سے حکم کی نفی اور بعض کے لیے اثبات ہونا اکثری و غلبی ہے، قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ لہذا فرمانِ الہی: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [لقمان: ۱۸]؛ ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾^③ [البقرة: ۲۷۶]، وغیرہ میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

⑥ **تخصیص:** کسی شے کے ساتھ کسی حکم کو خاص کرنا، جیسے: ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ

⑦ ان دونوں مسند الیہ (اونگھ اور نیند) میں ترتیب واقعی کی رعایت کی ہے۔ نیز دو جملوں کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا، جیسے: ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا، فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا، ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ﴾ [المؤمنون: ۱۴]۔
 ① ذوالیدین صحابیؒ کے سوال: ”أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟“ کے جواب میں آپ ﷺ کا فرمان: ”كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ“؛ یعنی ان دونوں چیزوں (قصر اور نسیان) میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

② ترجمہ: انسان کی ساری تمنائیں اس دنیا میں پوری نہیں ہوا کرتیں؛ ہاں بعضے پوری ہوتی ہیں اور بعضے نہیں۔ یہاں جملہ افرادِ تمنا کے پورا ہونے کی نفی ہے، تمنا کے ہر ہر فرد کے پورا ہونے کی نفی مقصود نہیں ہے۔ دیکھیے! یہاں ”ما کل ما يتمنى المرء“ تک مبتدا ہے، اور اس میں ”ما“ کی تقدیم نص علی سلب العموم (مجموعہ کی نفی) کے لیے ہے، جو جزیت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ نیز مسند الیہ کے علاوہ میں نص علی سلب العموم کی مثال آپ ﷺ کا فرمان ہے: مَا أَمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ؛ لَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً۔ [مشکوٰۃ، أبوداؤد وابن ماجہ]، مجھے ہر استنجاء کے بعد وضوء کا حکم نہیں! اور نہ یہ عمل سنت ہو جائے گا۔ یہاں ادااتِ نفی ادااتِ عموم پر مقدم ہے؛ لہذا جملہ افرادِ استنجاء کے بعد وضوء کی نفی ہے، نہ کہ ہر فردِ استنجاء کے بعد۔

③ آیت اولیٰ: یقین جانو! اللہ تعالیٰ کسی (بھی) اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (برائے عموم السلب)۔
 آیت ثانیہ: اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو پسند کرتا ہے جو ناشکر اگنہ گار ہو؛ یہ مثالیں سلبِ عموم کے قبیل سے ہیں؛ اس کے باوجود بعض کے لیے حکم کا اثبات نہیں ہے۔

كَفَرُوا حِينَ لَا يَكْفُونُ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ ”وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ“ ﴿١﴾ [الأنبياء: ۳۹-۴۰]

ملفوظ: تقدیم مسند الیہ کے باب میں تخصیص و اختصاص سے مراد یہ ہے کہ: اس میں تین امور ملحوظ ہوں: ① منطوق کلام کے ذریعے مقدم مسند الیہ سے فعل کی نفی کرنا؛ ② مفہوم کلام کے ذریعے (اس) غیر مسند الیہ کے لیے نفس فعل کو ثابت کرنا، جیسے: ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ، وَمَا أَنتَ“ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ“﴾ ﴿٢﴾ [ہود: ۹۱]؛ ③ مقدم مسند الیہ کے علاوہ کسی ایسے معنوی فاعل کا پایا جانا جس سے یہ فعل سرزد ہو۔

فائدہ: حصول تخصیص کی تین صورتیں ہیں: ① مسند الیہ ادات نفی کے بعد ہو اور خبر (یعنی مسند) فعل ہو، جیسے: ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾؛ ② ادات نفی مسند الیہ سے مؤخر ہو اور مسند فعل ہو، جیسے: ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى، وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ﴾ [فصلت: ۱۶]، اور اَنَا مَا قُلْتُ؛ ③ مسند الیہ منفی نہ ہو اور خبر فعل ہو، جیسے: ﴿إِنَّ وَلِيََّ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ، وَهُوَ“ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ“﴾ [الأعراف: ۱۹۶]؛ اور اَنَا فَتَحْتُ الْبَابَ. (جو اہر البلاغۃ شرح دروس البلاغۃ؛ علم المعانی)

① ترجمہ: کاش ان (کافروں) کو اس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دور کر سکیں گے اور نہ اپنے پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میر آئے گی، بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اسے پیچھے ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ اس آیت کریمہ میں ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾ نے تخصیص کا فائدہ دیا ہے؛ اس لیے کہ اس دن کافروں کے لیے نصرت کی نفی ہے اور ان کے علاوہ (یعنی مؤمنین) کے لیے نصرت کا اثبات ہے؛ یعنی عدم نصرت کا حکم صرف کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ (علم المعانی)

ملفوظ: تخصیص کا مذکورہ حکم اکثری ہے، کلی نہیں؛ کیوں کہ: آیت ثانیہ ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾ ”کافروں کو اس دن مہلت نہ دی جائے گی“ اور مؤمنین کو مہلت دی جائے گی“؛ دیکھیے! قیامت آ جانے کے بعد مہلت کا سوال ہی نہیں ہوتا! اس سے معلوم ہوا کہ تخصیص کا مذکورہ حکم اکثری و اغلبی ہے، کلی نہیں۔ (علم المعانی)

② اگر تیرے بھائی بند (جو ہمارے ساتھ ہیں) نہ ہوتے تو ہم تجھ کو سنگ سار کر ڈالتے؛ اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں! دیکھیے یہاں قوم شعیب نے (۱) منطوق کلام کے ذریعے حضرت شعیب علیہ السلام سے عزت کی نفی کی (۲) (مسند الیہ کے علاوہ) کسی اور کے لیے عزت کا اثبات کیا، (۳) مفہوم کلام کے ذریعے رھط شعیب کے لیے عزت کا اثبات کیا؛ اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے افسوس کرتے ہوئے قوم کو جواب دیا: ﴿أَرْهَطِنِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ﴾. (علم المعانی)

⑩ تقویۃ الحکم بتکرار الإسناد مع الاختصاص: تکرار اسناد کے

ذریعے حکم کو پختہ کرنا، جب کہ خبر فعل ہو، جیسے: ﴿وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾^① [النحل: ۶۵]

⑪ تاکید الحکم بغیر الاختصاص: تکرار اسناد کے ذریعے محض حکم میں تاکید

کا پیدا کرنا مقصود ہو، نہ کہ اختصاص، جیسے: ﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾^② [النحل: ۲۰]

ملحوظہ: جب کبھی تقدیم سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہوگا تو وہاں تاکید و تقویۃ الحکم کا فائدہ بھی ضرور حاصل ہوگا؛ لیکن جہاں تاکید اور تقویۃ الحکم کا فائدہ حاصل ہو رہا ہو وہاں اختصاص کا فائدہ حاصل ہونا ضروری نہیں۔

⑫ استلذاذ: لذت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کرنا جب کہ مسند الیہ قابل

لذت ہو جیسے: ﴿وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا...﴾^③ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّكُمْ...﴾^④ ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ...﴾^⑤ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا...﴾^⑥ [النحل]

① ترجمہ: اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس میں جان ڈال دی۔
ملحوظہ: مبتدایا معنی مبتدا کے بعد خبر میں فعل کو لایا جائے گا تو وہ فعل دومرتبہ مسند ہوگا، اولاً مبتدا کی طرف مسند ہوگا خبر ہونے کے اعتبار سے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہوگا عامل ہونے کے اعتبار سے؛ دیکھیے! اس مثال میں ﴿أَنْزَلَ﴾ اولاً ﴿اللّٰهُ﴾ کی طرف مسند ہے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہے۔ (علم المعانی)

② ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ (مشرکین) لوگ (حماقت میں) جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں وہ کچھ (بتکا بھی) پیدا نہیں کرتے وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔

اس آیت کے آخری جزو میں خود اُن دیوی دیوتاؤں کا مخلوق ہونا واضح کیا ہے، اور جو مخلوق ہو وہ خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی مفہوم کے لیے ﴿لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا﴾ ذکر کیا گیا ہے، گویا ﴿هُمْ﴾ کی تقدیم سے تقویۃ الحکم کا فائدہ تو حاصل ہے؛ لیکن اختصاص (صرف وہی دیوی، دیوتا اللہ کی مخلوق ہوں یہ) مراد نہیں۔ (علم المعانی)

③ اسی طرح ”لَيْلِي وَصَلَتْ وَسَلَّمِي هَجَرْتُ“، لیلیٰ مل گئی اور سلمیٰ چھوٹ گئی؛ اللہ ربی، اللہ میرے رب ہے۔

۱۳) تبرک: برکت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کرنا جب کہ مسند الیہ و قابل برکت ہے، جیسے: ﴿"اللَّهُ" نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي﴾^① [الزمر: ۲۳]

فصل ثانی: تقدیم مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، انہیں اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی مقدم کر دیا جاتا ہے؛ تقدیم مسند کے دواعی مندرجہ ذیل ہیں:

گوئہ عاملاً، لا تَبَاعُ الْقَوَاعِدُ، التَّخْصِیصُ، التَّشْوِیْقُ إِلَى الْمَتَأَخَّرِ، التَّقْدِیْمُ لِعَرَضٍ، الْحَافِظَةُ عَلَى وَزْنٍ، الْحَافِظَةُ عَلَى سَجْعٍ، لِلتَّبَرُّكِ، لِلتَّفَاوُلِ، كَوْنُ الْمَقْدَّمِ مَحَظَّ السُّوَالِ، كَوْنُ الْمَقْدَّمِ مَحَظَّ التَّعَجُّبِ، كَوْنُ الْمَقْدَّمِ مَحَظَّ الْإِنْكَارِ، سُلُوكُ سَبِيلِ التَّرْقِيّ.

① كونه عاملاً: مسند کا اپنے مابعد (مسند الیہ) میں عامل ہونا، یہ اس کی تقدیم کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾^② [الصف: ۱].

② اتباع القواعد: قواعد کی رعایت میں مسند کو مقدم کرنا، جیسا کہ مسند صدر کلام کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿يَسْأَلُ: "أَيَّانَ" يَوْمُ الْقِيَمَةِ﴾^③ [القيامة: ۶].

③ تخصیص: حصر (مسند کے مسند الیہ کے ساتھ مخصوص ہونے) کا فائدہ دینا مقصود ہو، جیسے: ﴿"لِلَّهِ" مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ [البقرة: ۲۸۴]؛ ﴿"لَكُمْ" دِينُكُمْ

① اللہ تعالیٰ نے بہتر بات یعنی آپس میں ملتی جلتی دوہرائی ہوئی کتاب اُناری؛ یعنی یہ کتاب صحیح، صادق، مضبوط، نافع، معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں بہتر ہے، دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں! کتاب اللہ کون کر خوف الہی اور اس کے کلام کی عظمت سے اُن کے دل کانپ اٹھتے ہیں؛ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی یاد اُن کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اس کی دوسری مثال: اِسْمُ اللَّهِ أَهْدَىٰ بِهٖ، اللہ ہی نام سے ہدایت یاب ہوا ہوں۔ اسی طرح اَللَّهُ رَیِّی، اللہ تعالیٰ میرے رب ہے۔

② آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے؛ دیکھیے: یہاں ﴿سَبَّحَ﴾ کی تقدیم اپنے معمولوں پر عامل ہونے کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ عامل بمنزلہ علت ہے اور معمول بمنزلہ معلول؛ اور علت اپنے معلول سے مقدم ہوا کرتی ہے۔

③ انسان یہ پوچھتا ہے کہ: کب آئے گا وہ؟ قیامت کا دن! یہاں ﴿أَيَّانَ﴾ اداتِ استفہام ہونے کی بنا پر صدر کلام کا متقاضی ہے۔

وَلِي دِينَ ﴿١﴾ [الكفرون: ٦]

④ **تشویق الی المتأخر:** بعد میں آنے والے مسند الیہ کا شوق و لانا مقصود ہو،

جیسے آپ ﷺ کا فرمان: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ ⑤ (ترمذی)

⑤ **التقدیم لغرض:** کسی خاص (لفظی یا معنوی) غرض کی وجہ سے خبر کو مقدم کرنا،

جیسے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ ⑥ [الأعراف: ٢٤]

⑥ **المحافظة علی وزن:** وزن شعری کی رعایت کرنا مقصود ہو، جیسے:

إِذَا نَطَقَ السَّفِيهُ فَلَا تُجِبُهُ ❖ فَخَيْرٌ مِّنْ إِجَابَتِهِ السُّكُوتُ ④

④ **المحافظة علی سجع:** رعایت سجع کی غرض سے مسند کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿أُمِّ

لِلْإِنْسَانِ مَا تَمُنِّي ۚ فَ"لِلَّهِ" الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ۝﴾ ⑤ [النجم: ٢٤-٢٥]

① آیت اولیٰ: آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے؛ اس میں مسند کی تقدیم، تخصیص کے لیے ہے۔ آیت ثانیہ: یعنی تمہارا دین یعنی شرک کرنا تم پر مقصور ہے، میری طرف متجاوز نہیں! اور میرا دین، یعنی: توحید میرے ساتھ خاص اور مقصور ہے تمہاری طرف متجاوز نہیں۔

② دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہوتیں: بخل اور بد خلقی؛ یہاں ابن الملک کے قول کے مطابق "البخل وسوء الخلق" مبتدائے مؤخر ہے اور "خصلتان" اپنے مابعد صفت سے مل کر خبر مقدم ہے؛ یہ تقدیم مسند برائے تشویق ہے۔ نعم اور بنس افعال مدح و ذم کی مثالیں بھی اسی قبیل سے ہوں گی۔

③ کسی مخصوص غرض سے مسند کی تقدیم کرنا، مثلاً ابتدائے کلام میں اس بات پر متنبہ کرنا کہ: یہ لفظ، مسند (خبر) ہے نہ کہ صفت، جیسے مثال بالا میں "لکم" کی تاخیر سے "مستقر" کی صفت کا شبہ ہو سکتا تھا جو تقدیم کی صورت میں نہ رہا؛ کیوں کہ صفت اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوا کرتی؛ اسی طرح ابتدائے کلام میں تعجب، تعظیم، مدح، ذم، ترحم اور دعا کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، جیسے: لله درك، عظیم أنت یا الله، نعم الزعيم سعد، بنس الرجل خليل، فقير أبوك، مبارك وصولك بالسلام۔

④ جب بے وقوف تجھ سے بات کرے تو تُو اسے جواب نہ دے؛ کیوں کہ اس کو جواب دینے سے بہتر چُپ رہنا ہے۔ دیکھیے: اس شعر میں "خَيْرٌ" مسند کو وزن شعری کی حفاظت کے لیے "السُّكُوتُ" مسند الیہ سے مقدم کیا گیا۔

⑤ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؟ کیوں کہ آخرت اور دنیا تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے؛ یہ خطاب اُن مشرکین سے ہے جو اپنے من گھڑت خداؤں کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تمہاری یہ تمنا ضرور ہوگی؛ لیکن ہر انسان کو ہر وہ چیز نہیں ملا کرتی ۝

⑧ **تقدیم للتبرک:** حصول برکت کے لیے مسند کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ، فَإِنَّ "لِلَّهِ" خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ ① [أنفال: ۱۱]۔

⑨ **التفاؤل:** نیک فالی حاصل کرنے کے لیے خبر کو مقدم کرنا، جیسے: فِي عَافِيَةٍ أَنْتَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ؛ "سَعِدْتَ" بِعُرَّةٍ وَجْهَكَ الْيَوْمَ ②۔

⑩ **كون المقدم محط السؤال:** مقدم ہونے والے مسند کا محل سوال ہونا، جیسے: ﴿أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْهَيْتِ يَا بُرْهَيْمُ﴾ ③ [مریم: ۱۶]۔

⑪ **كون المقدم محط التعجب:** مقدم ہونے والے مسند کا محل تعجب ہونا ظاہر کرنا، جیسے: ﴿كَيْفَ "يُحْكُمُونَكَ" وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ﴾ ④ [المائدة: ۴۳]۔

• جس کی وہ تمنا کرے۔ یہاں ﴿لِلَّهِ﴾ مسند ہے، ﴿الْآخِرَةُ وَالْأُولَى﴾ مسند الیہ ہے، اور جمع کی رعایت میں مسند الیہ کی تاخیر اور مسند کی تقدیم ہوئی ہے؛ کیوں کہ فواصل کا حرف روی "الف" ہے۔ فواصل اور روی کی تعریف "بدیع القرآن" میں ملاحظہ فرمائیں۔

① یعنی جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے اور اُسے تو مال کی ضرورت نہیں، ہاں! خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ السلام پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں: اپنی ذات پر اور اپنے اُن مترابست داروں پر جنہوں نے اسلام کی خاطر یا محض قربت کی وجہ سے آپ ﷺ کا ساتھ دیا، یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر، مسافروں پر، پھر خمس نکالنے کے بعد غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔ یہاں ﴿لِلَّهِ﴾ مسند کی تقدیم ﴿خُمُسَهُ﴾ مسند الیہ پر برائے تبرک ہے۔

② مثال اول: بیمار آدمی سے کہا جائے: فِي عَافِيَةٍ أَنْتَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، عافیت سے ہیں آپ؛ اس مثال میں فِي عَافِيَةٍ مسند کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ یہ فال لیا جائے کہ آپ کو عافیت مل گئی ہے۔
مثال ثانی: خوش حال ہو گیا زمانہ آپ کی پیشانی کی چمک (وجودِ بابرکت) سے۔

③ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر کہا: معلوم ہوتا ہے کہ: تو ہمارے معبودوں سے بد عقیدہ ہے! بس اپنی بے اعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے! ورنہ تجھ کو کچھ اور سُننا پڑے گا؛ بلکہ میرے ہاتھوں سے سنگسار ہونا پڑے گا۔ دیکھیے! یہاں محل سوال (راغب) کو مقدم کیا گیا ہے۔

④ یہود نہ آپ پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی قرآن پر ایمان رکھتے تھے، پھر تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو وہ خود آسمانی کتاب مانتے ہیں اس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں! تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں! نہ قرآن پر، نہ تورات پر! یہاں تحکیم کو محل تعجب ہونے کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ (صفوة التفسیر)

﴿۱۲﴾ **کون المقدم محط الانكار:** مقدم ہونے والے مسند کا محل انکار میں ہونا ظاہر کرنا، جیسے: ﴿أَرَاغِبُ أَنْتَ عَنْ إِلَهِي يَا بُرْهَيْمُ﴾ [مریم: ۶۶]؛ ”أَفَعَمِيَاوَانِ“ أَنْتُمَا! أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ! ① [مشکوٰۃ المصابیح]

﴿۱۳﴾ **سلوك سبيل الترقى:** چند مسندوں کو ذکر کرتے وقت فطری تقاضے کے مطابق نیچے سے اوپر کی طرف جانا، جیسے: اَوَّلًا عام کو ذکر کرنا بعد ازاں خاص کو، جیسے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ ② [مریم: ۱۱]۔

تنبیہ: مسند الیہ و مسند میں سے ہر ایک کی تقدیم دوسرے کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لہذا مسند و مسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بھی بعینہ وہی ہوں گے جو تقدیم میں گذر چکے، مثلاً مراعات ترتیب واقعی: جیسے: ﴿إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَانَ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۱۸۰]۔ یہاں اقارب کو والدین سے مؤخر کرنا ترتیب واقعی کی رعایت میں ہے۔

فصل ثالث: ترتیب الفعل ومعمولاته

فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں عامل کو معمول پر، نیز معمولات میں عمدہ کو فضلہ پر مقدم کیا جائے گا، چنانچہ ترتیب یوں ہوگی: فعل، فاعل، مفعول بہ، مطلق، ظرف، مفعول لہ۔

① مثال اول: یہاں ابراہیم علیہ السلام کے والد اظہار تعجب کے ساتھ انکار بھی کر رہے تھے کہ: اے ابراہیم تو اپنی بد اعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے؛ ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا۔ مثال ثانی: آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو فرمایا تھا کہ: عبد اللہ بن ام مکتوم تو نابینا ہے، وہ تمہیں نہیں دیکھتے! لیکن کیا تم دونوں بھی نابینا ہیں؟ یعنی: تم دونوں تو نابینا نہیں ہوں؛ لہذا ان سے پردہ کرو! (مشکوٰۃ، باب النظر إلى المخطوبۃ وبيان العورات)

② صدیق کے معنی ہیں: بہت زیادہ سچ کہنے والا جو اپنی بات کو عمل سے سچ کر دکھاوے، یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود ہو، اور جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے، شک و تردید کی گنجائش ہی نہ رہے؛ ابراہیم علیہ السلام ہر دو معنی کے لحاظ سے صدیق تھے، اور چونکہ صدیقیت کے لیے نبوت لازم نہیں، جب کہ نبوت کے لیے صدیقیت ہونا لازمی ہے؛ لہذا ترقی فرماتے ہوئے آگے (صدیقاً) کے ساتھ (نبیاً) بھی فرمایا۔ اور جیسے: هَذَا الْكَلَامُ صَحِيحٌ فَصِيحٌ بَلِيغٌ؛ وَنَوْقُضَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا﴾، وَالْجَوَابُ: أَنَّ ﴿نَبِيًّا﴾ حَالٌ، لَا صِفَةٌ، أَي: وَكَانَ رَسُولًا حَالٌ كَوْنُهُ نَبِيًّا. (الإتقان)

پھر بقیہ قیودات۔

فعل اور اس کے معمولات کی اس ترتیب میں تقدیم و تاخیر کی اغراض یہ ہیں:

التَّأَكِيدُ وَتَقْرِيرُ الْحُكْمِ، الْأَهْمِيَّةُ، إِرَادَةُ التَّخْصِصِ، الرَّدُّ إِلَى الصَّوَابِ، لِأَمْرِ مَعْنَوِيٍّ، لِسَجْعٍ وَوَزْنٍ شِعْرِ، لِإِصَالَةِ التَّقْدَمِ، الْإِخْلَالُ فِي التَّأَخِيرِ بَيَانِ الْمَعْنَى، الْإِخْلَالُ فِي التَّأَخِيرِ بِقَوَاعِدِ اللَّغَةِ.

① **التأكيد وتقرير الحكم:** کبھی تاکید اور حکم میں پختگی کے لیے مفعول کو مقدم

کرتے ہیں، جیسے: ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۖ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۖ﴾^① [الضحیٰ: ۹-۱۰]

② **أَهْمِيَّةُ مُتَعَلِّقَاتِ فِعْلٍ** میں سے کسی ایک کی فضیلت و خصوصیت واضح کرنے کے لیے

تقدیم ہوئی ہو، جیسے: ۱- ﴿لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾

[الأنعام: ۱۵۱] ۲- ﴿لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾^② [الإسراء]

③ **إِرَادَةُ التَّخْصِصِ:** کسی شے کے ساتھ کسی حکم کو خاص کرنا مقصود ہو، جیسے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۖ﴾^③ [الفاتحة: ۵]

① اب جو یتیم ہے تم اُس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہے اس کو مت جھڑکنا! آیت بالا میں یتیم وسائل کے معاملے میں رحم کرنے پر ابھارنے اور مذکورہ حکم (منہی عنہ) میں تاکید و پختگی پیدا کرنے کے لیے یتیم وسائل کو مقدم کیا ہے؛ نیز اس تقدیم کے ضمن میں دونوں آیتوں کے فواصل کی رعایت بھی ہو گئی ہے کہ دونوں میں حرف رِوی ”راء“ ہے۔

(علم المعانی)

② ترجمہ آیت اولیٰ: غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو! ہم تمہیں بھی رزق دیں گے، اور ان کو بھی۔ ترجمہ

آیت ثانیہ: اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو! ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔

بعض عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں، اولاد کو کہاں سے کھلائیں! اول آیت میں ان فقراء سے خطاب تھا اس وجہ سے پہلے انہیں خوشخبری دی گئی کہ: ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور آنے والی اولاد کو بھی دیں گے۔ اور بعض عرب فی الحال مفلس نہ تھے؛ لیکن مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے، یعنی ان کو عیال کی فکر تھی، ان لوگوں سے خطاب دوسری آیت میں تھا؛ لہذا اولاد کو عیال کے رزق کا وعدہ فرمایا پھر ان کے رزق کا۔ (علم المعانی)

③ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی: ہم عبادت کو تیرے لیے مخصوص کرتے ہیں،

تیرے علاوہ کی عبادت نہ کریں گے! اور تیرے لیے استعانت کو مخصوص کرتے ہیں، تیرے علاوہ سے استعانت نہ

④ **الرد إلى الصواب:** صحیح بات کی رہبری کرنا، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ

نَسْتَعِينُ﴾^① [الفاتحة]

⑤ **لأمر معنوي:** معمولات فعل میں سے کسی کو امر معنوی کی وجہ سے کسی پر مقدم کرنا، جیسے: ﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى﴾ [یس: ۲۰]، ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى﴾^② [القصص: ۲۰]

⑥ **لِسَجِّ أَوْوَرْن:** کبھی معمول کی تقدیم سے۔ تخصیص کے فائدے کے ساتھ۔ فواصل یا وزن شعری کی رعایت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿حُدُوهُ فَعُلُوهُ ثُمَّ "الْجَحِيمُ" صَلَوَهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ [الحاقة: ۳۰-۳۲]؛ ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى﴾^③ [طہ: ۶۷]

○ کریں گے۔ یہاں دونوں جگہوں پر مفعول کی تقدیم نے عبادت واستعانت کو باری تعالیٰ کے لیے مخصوص کرنے کا فائدہ دیا ہے۔ (علم المعانی)

① یہاں عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنے کی نفی کرنے اور صحیح عقیدے کی طرف رہبری کے لیے فرمایا کہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں! اور یہ فائدہ لغیرک میں حاصل نہ ہوتا؛ اسی طرح زَيْدًا كَلَمْتُ: میں نے زید ہی سے بات کی ہے (عمر و سے نہیں)؛ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ مخاطب یہ گمان کر رہا ہو کہ متکلم نے عمرو سے بات کی ہے؛ حالاں کہ متکلم نے عمرو سے بات نہیں کی تھی۔

② آیت اولیٰ: اور ایک شخص (جو مسلمان تھا) اس شہر کے کسی دور مقام سے (جو یہاں سے دور تھا، رسولوں کو عذاب دینے کی خبر سن کر) دوڑتا ہوا یہاں آیا۔ یہاں ﴿مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ﴾ متعلق کو ﴿رَجُلٌ﴾ فاعل پر مقدم کیا ہے، دیکھیے! یہاں رسولوں سے قریب رہنے والوں اور معجزات کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت ہے کہ: قریب رہتے ہوئے، معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود تم وہ کام نہ کر سکتے جو ایک دور مقام رہنے والے نے کیا!

آیت ثانیہ: ترجمہ: اور ایک شخص (جو موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھا وہ) شہر کے (اس) کنارے سے (جہاں قتل موسیٰ کا مشورہ ہو رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک کی گلیوں سے) دوڑے ہوئے آئے۔ اس آیت میں آیت سابقہ کی طرح جار مجرور کی تقدیم کا متقاضی (مقام تو بیخ) نہ تھا؛ لہذا تقدیم نہ کی۔ (علم المعانی)

③ فرشتوں کو حکم ہوگا: اُسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اُس زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کا طول ستر گز ہے؛ تاکہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے، کہ ادھر ادھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے۔ یہاں کافر کے دخول کو جہنم سے مختص فرمایا، یعنی: کافر کا جنت میں دخول ہرگز ○

④ **إِصَالَةُ التَّقْدِيمِ:** کسی لفظ میں تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے، جیسے: ﴿وَمَا

أَظُنُّ "السَّاعَةَ" قَائِمَةً﴾ ① [الكهف: ۳۶]۔

⑤ **إِخْلَالٌ فِي تَأْخِيرِهِ بَبَيَانِ الْمَعْنَى:** معمول کو مؤخر کرنے پر معنی میں

خلل واقع ہو، جیسے: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ "مَنْ آلٍ فِرْعَوْنَ" يَكْتُمُ إِيمَانَهُ﴾ ②

[غافر: ۲۸]

⑥ **إِخْلَالٌ فِي التَّأْخِيرِ بِقَوَاعِدِ اللُّغَةِ:** معمول کو مؤخر کرنے پر قواعد زبان میں

خلل واقع ہو، جیسے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ ③ [البقرة: ۱۲۴]۔

ملحوظہ: مسند و مسند الیہ میں تقدیم کا ہونا ان کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لہذا مسند و مسند الیہ کی تاخیر کے دوائی بھی بعینہ وہ ہوں گے جو تقدیم میں مذکور ہیں۔

۵ نہ ہوگا؛ ساتھ ساتھ فواصل کی رعایت میں مفعول ﴿الْجَحِيمِ﴾ اور جار مجرور ﴿فِي سِلْسِلَةٍ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے، اور عبارت یوں ہوگی: ثم صلوه الجحيم فاسلكوه في سلسله۔ (علم المعانی)۔ اسی طرح آیت ثانیہ میں ﴿فِي نَفْسِهِ﴾، ﴿خَيْفَةً﴾ جار مجرور اور مفعول کی تقدیم فاعل: ”موسیٰ“ پر آیات کے فواصل (الف) کی رعایت میں ہوئی ہے۔

① بنی اسرائیل کا وہ آدمی جس کو باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی، اس نے کافر ہو کر اسی دولت سے دل لگایا اور کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ: یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا، اور میرا یہ خیال ہے کہ: قیامت کبھی نہیں آئے گی؛ یہاں ﴿أَظُنُّ﴾ افعال قلوب میں سے ہے جس کے دو مفعول آپس میں مبتدا خبر ہوتے ہیں جن میں مفعول اول کی تقدیم اس کے اصالتہ مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: ”الساعة قائمة“۔

② اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک ایمان دار مرد جو فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان چھپاتا تھا، بولا: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ تم ایک مرد صالح کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے کہ: میرا رب اللہ ہے۔ یہاں اس مرد خیر خواہ کی تین صفتیں بیان کیں: مؤمن ہونا، آل فرعون سے ہونا، ایمان کو چھپانا؛ اس جگہ اگر ﴿مِنْ آلٍ فِرْعَوْنَ﴾ صفت ثانیہ کو اگر ﴿يَكْتُمُ إِيمَانَهُ﴾ صفت ثالثہ سے مؤخر کر دیا جاتا اور واقعہ یوں بیان ہوتا: ”يَكْتُمُ إِيمَانَهُ مِنْ آلٍ فِرْعَوْنَ“ تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ: وہ آدمی آل فرعون کے ڈر سے اپنا ایمان چھپاتا تھا؛ اس وقت اس مرد کا آل فرعون سے ہونا سمجھ میں نہ آتا؛ بلکہ آل فرعون کے ڈر سے ایمان کو چھپانا سمجھا جاتا، جو خلاف مقصود ہے۔ (علم المعانی)

③ ”جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا؛“ یہاں اگر اصل کے مطابق مفعول ﴿إِبْرَاهِيمَ﴾ کو ﴿رَبُّهُ﴾ سے مؤخر کیا جاتا تو اضمار قبل الذکر لازم آتا جو مشہور قاعدہ نحو یہ کے خلاف تھا؛ لہذا مفعول کو فاعل سے مؤخر کرنے (مرتب بہ ترتیب وضعی) کے بجائے مقدم کیا گیا ہے۔

باب رابع

ذکر و حذف

سوالات ذکر وحذف

- ① ذکر وحذف کی تعریفات کیا ہیں؟
- ② اگر کلام مذکور میں ذکر مسند الیہ و ذکر مسند میں سے ذکر مسند الیہ ہے تو اُس کے (بارہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟
- ③ اگر مسند کو ذکر کیا ہے تو اس کے (آٹھ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟
- ④ اگر کوئی جز و کلام محذوف ہے تو مسند الیہ، مسند اور مفعول بہ میں سے کون محذوف ہے؟
- ⑤ اگر مسند الیہ کو حذف کیا ہے تو حذف مسند الیہ کے (تیرہ) دواعی میں سے کیا ہے؟
- ⑥ اگر مسند کو حذف کیا ہے تو اس کے (نو) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟
- ⑦ اگر مفعول بہ کو حذف کیا ہے تو اس کے (دس) دواعی میں سے کیا ہے؟

فصل اوّل: ذکر مسند الیہ

مسند الیہ جملے میں رکن کی حیثیت لیے ہوئے ہوتا ہے؛ لہذا اس کو ذکر کرنا اصل ہے؛ لیکن اس کے ساتھ دیگر اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

عَدَمُ وُجُودِ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ، زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ، التَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ، التَّعْرِيزُ بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ، قِلَّةُ الثَّقَّةِ بِالْقَرِينَةِ لُضْعْفِهَا أَوْ لُضْعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ، التَّعَجُّبُ، التَّشْبُكُ، الِاسْتِلْذَازُ، الرَّغْبَةُ فِي إِطَالَةِ الْكَلَامِ، التَّعْظِيمُ، التَّحْقِيرُ، لِإِفَادَةِ الْهَيْبَةِ.

① **عدم وجود ما يدل عليه:** مسند الیہ کے حذف پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ

نہ ہو، جیسے: ﴿وَالْهُكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ ① [البقرة: ۱۶۳].

② **زيادة التقرير والإيضاح:** مسند الیہ کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر

کرنا ہو، جیسے: ﴿أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ، وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ② [البقرة: ۵] اسی طرح فرزدق نے ہشام بن عبد الملک کے سامنے امام زین العابدین کی شان میں فرمایا تھا:

هَذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللَّهِ كُلِّهِمْ "هَذَا" التَّقِيُّ التَّقِيُّ الظَّاهِرُ الْعَلَمُ
هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطَائِفُهُ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

اور آپ ﷺ کا فرمان:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ "أَنَا" ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ①

① یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے، اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں! یہاں ﴿وَالْهُكْمُ﴾ مسند الیہ کو ذکر کیا؛ کیوں کہ حذف کی صورت میں اس پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہ رہے گا؛ اسی طرح ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ [الفتح: ۲۹] بھی ہے۔

② اور وہی لوگ (جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں) اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی لوگ (جن کا تذکرہ ابھی گذرا) مراد کو پہونچنے والے ہیں۔ یہاں اول مؤنثین کو اسم اشارہ سے متعین کیا گیا، پھر مسند الیہ اسم اشارہ ﴿أُولَئِكَ﴾ کو وضاحت و پختگی پیدا کرنے اور یہ بتانے کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا کہ: جس طرح وہ لوگ وصف ہدایت میں ممتاز ہیں، اسی طرح فلاح و بہبود بھی انہیں کے لیے ثابت ہے۔

① جب حنین کے موقع پر قبیلہ ہوا زین نے سخت تیر اندازی شروع کی، اس وقت آپ خچر پر تشریف فرما تھے، ۷

③ **تسجیل علی السامع:** سامع کے سامنے کسی بات کو اس طور پر پختہ کر کے پیش کرنا کہ سامع کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہ رہے، جیسے: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ - وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا - فَلَمَّا جَاءَهُمْ "مَاعَرَفُوا" كَفَرُوا بِهِ؛ فَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ۸۹]؛ ﴿عَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا يَا بُرْهِيْمُ﴾ ④ [الأنبياء: ۶۳]

④ **تعريض بغباوة السامع:** سامع کی غباوت اور کند ذہنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، یعنی یہ بتلانا ہو کہ سامع اتنا غبی ہے کہ مسند الیہ کے حذف کی صورت میں وہ کلام کی مراد ہی نہیں سمجھے گا، جیسے: ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ "هَذَا"﴾ [الأنبياء: ۶۳]؛ ﴿عَأَنْتَ لَأَنْتَ

⑤ ابوسفیان بن الحارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اسی طرح قاضی گواہ سے کہے کہ: ہلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هَذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذًا، کیا اسی زید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ: میرے ذمہ اتنا قرضہ ہے، اور وہ گواہ جواب میں یوں کہے گا: نَعَمْ أَقَرَّ زَيْدٌ هَذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذًا، ہاں! اسی زید نے اپنے ذمہ اتنے قرضہ کا اعتراف کیا ہے، یہاں زید کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا تا کہ اس زید مدعی علیہ پر دعویٰ پختہ ہو جائے۔

⑥ آیت اولیٰ: دیکھیے! مشرکین نے ابتداء آپ ﷺ کی رسالت کا انکار جہالت کی وجہ سے کیا تھا، جب کہ یہودیوں نے محض ہٹ دھرمی میں انکار کیا تھا، نہ کہ جہالت و نادانی میں؛ کیوں کہ وہ لوگ تو آپ ﷺ کو بعثت کے پہلے ہی سے علامات کے ذریعے پہچان چکے تھے، اسی بات کو پختہ کرنے کے لیے باری تعالیٰ نے منبر مایا: اور جب اُن (یہودیوں) کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اُس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے، (تو ان کا طرز عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود شروع میں کافروں (بُت پرستوں) کے حُلا ف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی ”جسے انہوں نے پہچان لیا“، تو اس کا انکار کر بیٹھے؛ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر۔ یہاں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنے کے لیے اللہ پاک ﴿جَاءَهُمْ﴾ فعل کی تکرار لائے؛ نیز مسند الیہ میں بجائے ”کِتْبٌ“ کے ﴿مَاعَرَفُوا﴾ مسند الیہ ذکر فرما کر اُن پر یہ بات پختہ کی ہے کہ: یہ کتاب برحق ہے، ”جسے انہوں نے پہچان بھی لیا ہے“؛ لیکن محض اس وجہ سے کہ آپ بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے تھے، آپ ﷺ کا انکار کر بیٹھے ہیں!

آیت ثانیہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بُت کو چھوڑ دیا اور اس کے سر پر کلہاڑی ڈال دی تا کہ وہ لوگ واپس آکر یہ صورت حال دیکھے تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہوا الزام اُس کی طرف رجوع کرایا جاسکے؛ لیکن انہوں نے یہ سوال کیا: ﴿عَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا يَا بُرْهِيْمُ﴾ ⑦ اے ابراہیم! کیا تو نے ہی ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کھلواڑ کیا ہے؟

يُوسُفُ، قَالَ: أَنَا يُوسُفُ، وَ”هَذَا“ أَخِي ﴿١﴾ [يوسف: ۹۰]

⑤ **قلۃ الشّقة بالقريۃ:** محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کے غیر واضح ہونے سے مسند الیہ کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ، سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ، إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ﴾ ﴿١﴾ [التوبة: ۵۹]۔

⑥ **تعجب:** انوکھے حکم کے اظہار پر مسند الیہ (وغیرہ) کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّكَ لَ”أَنْتَ“

يُوسُفُ﴾ ﴿٣﴾ [يوسف: ۹۰]

① آیت اولیٰ میں ﴿كَيْبَرُهُمْ﴾ فاعل کو ﴿هَذَا﴾ اسم اشارہ کے ذریعہ متعین فرما کر سامع کی غباوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آیت ثانیہ میں جب اخوانِ یوسف کے سامنے متکلم (یوسف) کی تعیین ہو گئی تو بنیامین کی اخوت بھی معلوم ہو گئی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے روشن کردہ چراغ کو کنوئیں میں ڈال کر گل کرنے والے بے وقوف اخوان کی غباوت اور اپنے بابت یوسف ہونے کی توثیق کے لیے ﴿هَذَا أَخِي﴾ مسند الیہ کو ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح مَاذَا قَالَ أَخْمَدُ؟ کے جواب میں ”أَخْمَدُ قَالَ كَذَا“ کہنا؛ یہاں صرف ”قال کذا“ کہنا چاہیے تھا؛ لیکن ”أحمد قال کذا“ کہہ کر مخاطب کے بلید اور غبی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

②-۱ بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور کی نسبت زُبانِ طعن کھولتے تھے کہ: تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا! (حالاں کہ رسول اللہ کی یہ تقسیم تو حکمِ الہی سے حکمتوں پر مبنی ہوتی تھی، رسول اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی؛ لہذا) بہتر طریقہ یہی ہے کہ: جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ دلوائے اس پر آدمی راضی و قانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور وہ سمجھے کہ: وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ یہاں ان اعراب کی کج فہمی کو دور کرنے کے لیے ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ، سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں دوبارہ اللہ مسند الیہ کا تذکرہ فرمایا کہ: ”دینے والے رسول نہیں؛ بلکہ اللہ ہے“۔ نیز تسجیل علی السامع کی آیت میں ﴿مَاعَرَفُوا﴾ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اسی طرح زید کے تذکرہ کے ضمن میں ”هُوَ نِعَمُ الصَّدِيقِ“ کے بجائے ”زَيْدٌ نِعَمُ الصَّدِيقِ“ کہنا؛ اس مثال میں: اگر زید کا ذکر سابق میں ہو چکا ہو، البتہ اس ذکر پر تھوڑا سا وقت گزر گیا ہو یا اس کے ساتھ ہی کسی دوسرے شخص کا بھی ذکر کیا گیا ہو؛ پھر بجائے ”نعم الصديق“، کے یہ کہا جائے: ”زيد نعم الصديق“؛ ”زيد کیا ہی اچھا دوست ہے“۔

②-۲ مسند الیہ کے علاوہ کی مثال: ﴿أَلَا إِنَّ قَوْمَكَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ، أَلَا بُعْدًا لِقَوْمِ هَٰؤُلَاءِ﴾ [ہود: ۶۸]، یہاں قوم ہود کی عاقبت، ان کے بُرے انجام کو ظاہر کرنے کے لیے قومِ ثانی کو حذف نہیں کیا؛ اگرچہ حذف پر ثمود اول قرینہ موجود ہے۔

③ بھائیوں نے سخت متعجب و حیرت زدہ ہو کر کہا: ﴿إِنَّكَ لَ”أَنْتَ“ يُونُسُ﴾، سچ بتاؤ! کیا تم ہی یوسف ہو؟ اس آیت میں ”إِنَّكَ يُونُسُ“ بھی کہہ سکتے تھے؛ لیکن تعجب کے اظہار کے لیے ﴿أَنْتَ﴾ مسند الیہ ثانی کو ذکر کیا۔

④ **تَبَرُّكٌ**: مسند الیہ سے برکت حاصل کرنے کے لیے، جیسے: ﴿شَهِدَ اللَّهُ - أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ - وَالْمَلَكُ وَالْعِلْمُ﴾ ① [آل عمران: ۱۸]؛ اللَّهُ رَبِّي، اللَّهُ حَسْبِي۔

⑤ **استلذاذ**: مسند الیہ سے لذت حاصل کرنا ہو جب کہ وہ قابل لذت ہو، جیسے حدیث اُم زرع میں ہے: قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ! ”مَالِكٌ“ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ ②. [الترمذي في الشمائل]

⑥ **الرغبة في إطالة الكلام**: کلام کو طول دینے کی خواہش سے مسند الیہ کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَى؟﴾ قَالَ ”هِيَ“ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأُشْفِي بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِي فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَى ③ [طہ: ۱۷-۱۸]

ملحوظہ: تعریف، بُرائی اور تاکید وغیرہ مقامات میں اِطْناب سے کام لیا جاتا ہے۔

⑦ **تعظيم**: مسند الیہ کی عظمت و احترام کو ظاہر کرنے کے لیے۔ جب کہ اس میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہو۔ ذکر کرنا، جیسے: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ جِلاَّ لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ، إِلَّا مَا حَرَّمَ ”إِسْرَءِيلُ“ عَلَى نَفْسِهِ﴾ ④. [آل عمران: ۹۳]

⑧ **تحقير**: مسند الیہ کی حقارت ظاہر کرنا ہو جبکہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہو،

① یہاں ﴿اللہ﴾ کو ملائکہ اور اولو العلم پر تبرُّک کا مقدم فرمایا ہے۔

② دسویں عورت نے کہا کہ: میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں! مالک ان سب عورتوں کے ذکر کردہ صفات سے زیادہ صفات کا حامل ہے جنہوں نے اپنے شوہروں کی خوبیاں بیان کی ہیں؛ دیکھیے: یہاں تیسرے جملے میں مالک مبتدا کو ذکر کرنا برائے استلذاذ ہے۔

③ ترجمہ: موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ (یہ سوال اس غرض سے تھا کہ موسیٰ لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کر لیں، تاکہ آنے والا معجزہ پوری طرح واضح، مستحکم اور اوقع فی النفس ہو؛ مبادا سانپ بن جانے پر یہ وہم نہ ہو کہ میں لاٹھی کے علاوہ کوئی اور چیز لایا ہوں) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔ (علم المعانی) یہاں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کے شوق میں کلام کو طول دینے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کیا ہے۔

④ یعنی: تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لیے حلال ہیں) بنی اسرائیل ۷

جیسے: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝﴾^① [لہب: ۱]؛ أَبُو لَهَبٍ فَعَلَ كَذَا۔

⑫ **إِفَادَةُ الْهَيْبَةِ**: مسند الیہ کا جلال و وقار بتلانا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ "اللَّهَ" هُوَ

الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ ۝﴾ [الذاریات: ۵۸]؛ ﴿قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّ "الْمَلَأَ" يَأْتِمِرُونَ بِكَ ۝﴾^②

[القصص: ۲۰]۔

فصل ثانی: ذکر مسند

کلام میں مسند کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے والے قرینہ کے ہوتے ہوئے مسند کو ذکر کرنا اور حذف نہ کرنا چند اغراض کی بناء پر ہوتا ہے۔ ذکر مسند کے دواعی یہ ہیں:

تَعْيِينُ كَوْنِهِ فِعْلًا، تَعْيِينُ كَوْنِهِ اِسْمًا، عَدَمُ وُجُودِ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ، ضَعْفُ تَنْبِهِ السَّامِعِ، التَّعْرِيزُ بِغَاوَةِ السَّامِعِ، زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالِإِضْحَاحِ، الْحُدُوثُ، الثَّبُوتُ وَالِدَّوَامُ۔

① **تعیین کونہ فعلاً**: مسند کا فعل ہونا طے کرنا تا کہ وہ مسند تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے مقید ہو کر حدوث اور تجدد کا فائدہ دے، جیسے: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۝﴾^③ [البقرة: ۱۷۴]

② **تعیین کونہ اسماً**: مسند کا اسم ہونا طے کرنا، تا کہ وہ مسند دائمی طور پر مسند الیہ

د کے لیے (بھی) حلال تھیں، سوائے اس چیز کے جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کر لی تھی؛ دیکھیے: اسرائیل کے معنی: معزز و شریف آدمی، سخی، صاحب مروت ہے، یہاں بجائے یعقوب کے لفظ اسرائیل سے ان کی تعظیم مقصود ہے۔

① ترجمہ: ابولہب (عبدالعزی بن عبدالمطلب) کے ہاتھ برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے؛ یہاں بجائے عبد العزی اسم علم کے کنیت ﴿أَبِي لَهَبٍ﴾ کا تذکرہ فرما کر اس کے جہنمی ہونے سے کنایہ کیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

② آیت اولی: اللہ تو خود ہی رزاق ہے۔ یہاں بھی بجائے ضمیر کے اسم ذات کو ذکر کرنا افادۃ الہیبتہ کے لیے ہے۔ آیت ثانیہ: شہر کے دور کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا کہ: اے موسیٰ! سردار لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر ڈالیں؛ دیکھیے: ﴿الْمَلَأَ﴾ ”وہ جماعت جو ایک رائے پر متفق ہو اور لوگوں کے دلوں میں جلال و رتبہ لیے ہوئے ہو“؛ اس آیت میں ﴿الْمَلَأَ﴾ مسند الیہ کو اس مخصوص لفظ سے ذکر کرنے کی غرض افادۃ الہیبتہ ہے۔

③ اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ: کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ اول سے پھیر دیا، جس پر وہ پہلے تھے! دیکھیے! مخالفوں کی طرف سے مستقبل میں ہونے والے اس اعتراض کو مع جواب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان فرما دیا تا کہ کسی کو موقع پر کوئی تردید نہ ہو اور جواب میں تامل نہ ہو۔

کے لیے ثابت ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَدِيعُهُمْ﴾^① [النساء: ۱۴۲]

③ **عدم وجود ما يدل عليه:** مسند کے حذف پر کوئی قرینہ نہ ہو تو اُسے ذکر کرنا

اصل ہے، جیسے: ﴿قَالَ يُمُوسَى إِنَّ الْمَلَأَ "يَأْتِمِرُونَ" بِكَ﴾^② [القصص: ۲۰]

④ **ضعف تنبہ السامع:** سامع کی سمجھ میں کمزوری کی بناء پر، جیسے: "أصلها

ثَابِتٌ وَقَرَعَهَا ثَابِتٌ"^③۔

⑤ **تعريض بغاوة السامع:** سامع کے فہم پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے احتیاطاً

مسند کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿قَالُوا ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا يَا بُرْهِيْمُ﴾ قَالَ بَلْ "فَعَلَهُ"

كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾^④ [الأنبياء: ۶۲-۶۳]

① منافقین دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان، تاکہ دونوں طرف کی مضرت و ایذاء سے محفوظ رہیں، اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں؛ حق تعالیٰ نے ان کی اس دغا بازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغا بازی مسلمانوں پر کھول دی، اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرمادی، چنانچہ آیت آئندہ میں ذکر آتا ہے؛ خلاصہ یہ ہے کہ: ان کی وقتی دھوکا بازی سے کچھ نہ ہوا (یہ تعین کونہ فعلاً کی مثال ہے)، اور اللہ نے ان کو ایسا دائمی دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئی (یہ تعین کونہ اسماً کی مثال ہے)۔ دیکھیے! منافقین کی دھوکا بازی عارض ہے اس لیے مسند ﴿يُخَادِعُونَ﴾ کو بصورت فعل ذکر کیا، اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کو دھوکا میں رکھنا دائمی تھا اس لیے مسند کو بصورت اسم ﴿خَادِعُهُمْ﴾ ذکر کیا۔

② یہاں مسند ﴿يَأْتِمِرُونَ﴾ کو ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ حذف کی صورت میں اس پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت "ذکر مسند الیہ" برائے افادۃ الہیۃ کے تحت مذکور ہے۔

③ یہاں کمزور فہم سامع کے سامنے اگر دوسرے "ثابت" کو حذف کیا جائے تو وہ اس پر متنبہ نہ ہوگا۔

④ ترجمہ: پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا تو وہ بولے اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے، ابراہیمؑ نے (ان کی حماقت و جہالت پر بطور الزام دعویٰ کیا) فرمایا: نہیں! بلکہ (بطور الزام یہ دعویٰ کیے دیتا ہوں کہ) یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہیں بتوں سے دریافت کر لو (کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا) اگر وہ بولتے ہوں؛ یہاں ابراہیم علیہ السلام "بَلْ كَبِيرُهُمْ هَذَا" فرماتے تو بھی مسند سمجھ میں آجاتا؛ لیکن حذف مسند کے بجائے مخاطبین کی غباوت اور کم عقلی پر متنبہ کرنے کے لیے "فَعَلَهُ" کو ذکر کیا؛ کیوں کہ مسند کو حذف کرنا مخاطب ذکی ہونے پر دلالت کر سکتا ہے؛ نیز ﴿كَبِيرُهُمْ﴾ کے بعد ﴿هَذَا﴾ سے فاعل کی تعین بھی اُن کی غباوت کی طرف مشیر ہے۔ اور یہاں یہ بھی تاویل کی گئی ہے: ﴿بَلْ فَعَلَهُ - أَي: فَعَلَهُ فَاعِلٌ - كَبِيرُهُمْ هَذَا، فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾^⑤

(علم المعانی)

⑥ **زیادة التقریر والإيضاح:** مسند کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر کرنا

ہو، جیسے: ﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَيَقُوْلُنَّ: "خَلَقْنٰهُنَّ" الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ [الرَّحْف: ۹۰]؛ ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَمَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ قُلْ "يُحْيِيْهَا" الَّذِي اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ، وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴿① [يُس: ۷۸-۷۹]

④ **حدوث:** مسند کا فعل کی صورت میں ذکر کرنا، تاکہ وہ فعل اختصار کے ساتھ تینوں

زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں مسند کے واقع ہونے کا فائدہ دے، جیسے: ﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ﴾ ② [الرعد: ۳۹]

ملفوظ: تعریف کے موقع پر استمرارِ تجدیدی کا فائدہ دینے کے لیے مسند کو فعل مضارع کی صورت میں لایا جاتا، جیسے: ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَثِيّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ ③ [ص: ۱۸]

⑧ **ثبوت ودوام:** مسند کا ذکر کرنا دوام و ثبوت کا فائدہ دے، بہ شرطے کہ خبر اسمِ مشتق

ہو، جیسے: ﴿اِنَّ "اللّٰهَ" عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر﴾ ④؛ ﴿الْحَمْدُ "لِلّٰهِ" رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

① آیت اولیٰ: اور اگر تم (مشرکین) سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے ہیں؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: انہیں اس ذات نے پیدا کیا ہے جو اقتدار کی بھی مالک ہے اور علم کی بھی مالک ہے۔ یہاں وضاحت اور پختگی کی زیادتی اور تسجیل علی الکفار کی وجہ سے ﴿خَلَقْنٰهُنَّ﴾ کو جواب میں دوبارہ ذکر کیا گیا؛ کیوں کہ اللہ کی عظمت و قدرت اور کمال تصرف ایک حد تک اُن کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ (علم المعانی)

آیت ثانیہ: کیا انسان ہماری پیدائش کو بھولا بیٹھا ہے اور یہ کہتا ہے کہ: ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جب کہ وہ گل چکی ہوگی؟ کہہ دو کہ: وہی اللہ ان کو دوبارہ زندگی دے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے؛ دیکھیے یہاں ﴿يَحْيِيْهَا﴾ کو ذکر فرمانا زیادۃ التقریر کے قبیل سے ہے۔

② اللہ تعالیٰ جس (حکم، قوم، رزق اور تاثیر اسباب) کو چاہے مٹاتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے۔

③ ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلنے وقت ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہے۔ یہاں پہاڑوں کی تسبیح حیناً بعد حین ہوتی رہتی ہے جس میں استمرارِ تجدیدی کے ساتھ ثبوت و دوام بھی حاصل ہو گیا۔ (علم المعانی)

④ ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں؛ دیکھیے! یہاں خبر کا ثبوت دائمی ہے۔ (علم المعانی)

[الفاتحة: ۱]: اٰی: کائِنُ لِلّٰہ ①.

ثبوت و دوام اور حدوث دونوں کی ایک مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفٌّ وَّيَقْبِضْنَ﴾ ② [الملک: ۱۹]
 ملحوظہ: مسند و مسند الیہ کے علاوہ دیگر اجزائے جملہ (مثلاً: مفعول بہ، لہ، معہ، حال، تمسیر وغیرہ) کے ذکر کے دواعی و مقاصد ”اطلاق و تقیید“ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

① دوسری مثال میں ﴿لِلّٰہ﴾ اپنے متعلق کائن سے مل کر خبر بنے گا؛ دیکھیے! یہاں ﴿لِلّٰہ﴾ کا متعلق فعل بھی مان سکتے ہیں؛ لیکن اس میں ثبوت کا فائدہ نہیں مل پائے گا، لہذا کائن اسم کو محذوف مانا گیا ہے۔
 ② ترجمہ: کیا ان (کافروں) نے پرندوں کو اپنے اوپر نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اڑتے ہوئے پرندوں کے پروں کے پھیلانے کو ﴿صَفٌّ﴾ اسم سے تعبیر کیا جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اور پروں کے سمیٹنے کو ﴿يَقْبِضْنَ﴾ فعل سے تعبیر کیا جو حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے؛ کیوں کہ اڑتے پرندوں میں پروں کو پھیلا نا دائمی ہوتا ہے، سمیٹنا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ (علم المعانی)
 ملحوظہ: جس طرح اسم ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ اسمیہ بھی ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے؛ لہذا تا کیدی مقامات کو جملہ اسمیہ سے تعبیر کرنا مستحسن ہے۔ اور فعل جس طرح حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ فعلیہ بھی حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے؛ ایک ہی جگہ دونوں کی تعبیر کے لیے آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا «آمَنَّا»، وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا «إِنَّا مَعَكُمْ» إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ﴿۱۴﴾﴾ [البقرة: ۱۴]۔ (علم المعانی)

یہاں منافقین کا طرز عمل بتایا کہ: جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو چوں کہ ایمان ان کے دلوں میں ثابت و راسخ نہیں ہے، لہذا اس کو ﴿آمَنَّا﴾ جملہ فعلیہ سے تعبیر کرتے تھے؛ اور جب شیاطین اور رؤسائے منافقین سے ملتے تھے تو چوں کہ ان کے دلوں میں کفر و شرک راسخ اور ثابت تھا تو اس کو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ جملہ اسمیہ سے تعبیر کرتے تھے۔

فصل ثالث: حذف

حذف: کسی حرف، کلمے یا جملے کو اس طرح حذف کرنا جو اعراب سے ظاہر نہ ہو^①۔

حذف کے فوائد: معلوم ہونا چاہیے کہ ہر جگہ محذوف میں (چاہے وہ مسند ہو یا مسند الیہ ہو یا متعلقات فعل کے قبیل سے ہو) کچھ بلاغتی خوبیاں ضرور ہوتی ہیں جن میں سے اہم خوبیاں یہ ہیں: ایجاز و اختصار، احتراز عن عبث، تحریک خیال، تنبیہ علی اعجاز، فوت مقاصد^②۔

① ایجاز و اختصار: یعنی کلام میں ایجاز و اختصار سے کام لینا۔

② احتراز عن عبث: مخاطب کو دیکھتے ہوئے غیر مفید کلام (عبث) سے احتراز کرنا، یعنی: وہ کلمہ جس پر سیاق و سباق یا حالی قرینہ دلالت کر رہی رہا ہو تو اس کلمے کو ذکر کرنا بلاغت کے مقتضی کے مطابق عبث شمار ہوتا ہے۔

③ تحریک خیال: مخاطب کے خیالات و احساسات کو حرکت دینا تاکہ وہ مسکوت عنہ عبارت پر واقف ہو جائے۔

④ تنبیہ علی اعجاز: اس بات پر متنبہ کرنا کہ: محذوف کی ادائیگی سے زمانہ قاصر ہے۔

① معلوم ہونا چاہیے کہ: حذف خلاف اصل ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- وہ محذوف جو اعراب سے معلوم ہو جائے، جیسے: أهلا وسهلا، یہ بلاغت کی قسم نہیں ہے۔ ۲- وہ حذف جو اعراب سے ظاہر نہ ہوتا ہو، جیسے: زید يعطي ويمنع، یعنی: يعطي ما يشاء، یہ وہ قسم ہے جس میں بلاغت کے رموز و اسرار مخفی ہوتے ہیں، ان اسرار کا احاطہ کرنا دشوار ہے؛ اسی وجہ سے امام جرجانی نے باب حذف کی بابت فرمایا ہے: **إِنَّهٗ بَابٌ دَقِيقُ الْمَسْلُكِ شَبِيهُ السَّحْرِ، فَإِنَّكَ تَرَى تَرْكَ الذِّكْرِ أَفْصَحَ**۔ (جواہر البلاغت)

② ملحوظہ: یاد رہے کہ جملہ مسند اور مسند الیہ سے وجود میں آتا ہے، نیز کبھی متعلقات جملہ (مفعول، ظرف، مصدر اور جار مجرور وغیرہ) سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے، اب جہاں کہیں حذف ہوتا ہے تو وہاں دو بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے جن کے بغیر کلام کے جزو کو حذف کرنا بے کار اور نامعقول ہوتا ہے:

۱- محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کا ہونا جو محذوف کو طے کر لے۔

۲- بلاغت (حسن بیان) سے متعلق اسرار (بھیدوں) میں سے کسی بھید کا ہونا؛ یہ اسرار بہت سارے ہیں، جو کتب بلاغت میں نیز آئندہ صفحات میں مذکور ہیں۔

⑤ فوت مقاصد: محذوف کا ذکر کرنا متکلم کے اہم مقاصد کو فوت کرنے والا ہے ①۔
ملفوظ: اوپر ذکر کردہ پانچ بنیادی خوبیاں ہر حذف میں ملحوظ ہوتی ہیں؛ ورنہ اس سے زائد خوبیاں بھی حذف میں ملحوظ رہتی ہیں جو حذفِ مسند، حذفِ مسند الیہ اور حذفِ متعلقاتِ فعل میں مذکور ہوں گی ②۔

حذف کی چار صورتیں ہیں:

① وہ محذوف لفظ جس پر لفظ اور معنی کی صحت موقوف ہو، یعنی: لفظ و معنی کی صحت کے لیے محذوف کا اعتبار کرنا ضروری ہو، جیسے: ﴿وَاسْتَلِ الْقَرْيَةَ﴾ [یوسف: ۸۲]، اُی: أَهْلَهَا ③۔
② وہ محذوف لفظ جس کے بغیر لفظ و معنی صحیح ہو؛ لیکن حکم شرعی محذوف پر موقوف ہو، جیسے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ④ [البقرة: ۱۸۴]، اُی: فَأُفْطِرْ فَعِدَّةً إلخ۔

③ وہ محذوف لفظ جس کے بغیر لفظ و معنی صحیح ہو؛ البتہ امورِ عادیہ میں سے کوئی امرِ عادی محذوف پر موقوف ہو، جیسے: ﴿اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ، فَانْفَلَقَ﴾ ⑤ [الشعراء: ۶۳]؛ اُی:

① جیسے کلام مجید میں واقعات کے تذکرہ کرتے ہوئے ہر واقعے سے اہم مقصود اجزاء ہی ذکر کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، سارے ہی قصہ کو بتامہ ذکر کرنا سوائے قصہ یوسف و خضر کے نہیں ہوا۔

② عموماً کلام عرب میں اور بالخصوص آیات قرآنیہ میں حذف کا اسلوب بہ کثرت اختیار کیا گیا ہے، کبھی حذف مضاف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ اُی: حَبَّ الْعِجْلِ [البقرة: ۹۳]؛ حذف موصوف، جیسے: ﴿وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ اُی آية مبصرة [الكهف: ۵۹]؛ حذف مبتدا، جیسے: ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ اُی هذا الحق من ربك؛ حذف متعلق، جیسے: حدیث میں ہے، ”الَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ“ اُی: مُتَنَعِّمِينَ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ؛ اسی طرح فاعل، مفعول، شرط، جواب شرط، جار، خبر، مضاف الیہ، صفت، معطوف، معطوف علیہ، مبدل منہ، ضمائر، حال، منادی، جواب قسم اور حرف وغیرہ کو حذف کرنا۔ اس کی تفصیل علم بیان میں ”ایجازِ حذف“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں؛ نیز البرہان فی علوم القرآن، الاتقان فی علوم القرآن، نیز الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

③ یہاں سوال کی اسنادِ قریہ کی طرف کرنا لفظاً اور معنی صحیح نہیں ہے۔

④ جو آدمی رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو (اور اس نے روزہ افطار کیا) تو بعد میں اس کے ذمے اس کی قضا واجب ہے۔ دیکھئے! ”فأفطر“ کے بغیر لفظ و معنی صحیح ہے؛ لیکن حکم شرعی (وجوب قضا) افطار کرنے پر موقوف ہے۔

فَضَرَبَ فَأَنْفَلَقَ.

④ وہ محذوف لفظ جس کے بغیر عبارت (ترکیب) ومعنی صحیح تو ہو؛ البتہ دلیل شرعی و دلیل عادی کے علاوہ کوئی اور چیز (مثلاً: دلیل واقعی) محذوف پر دلالت کرتی ہو، جیسے: ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ﴾^① [طہ: ۹۶]؛ أُنِي: قَبْضَةٌ مِّنْ "حَافِرِ فَرَسٍ" الرَّسُولِ۔
ملفوظ: حذف کی ان چار قسموں میں سے صرف پہلی قسم مجاز مرسل کے قبیل سے ہے۔

فصل رابع: حذف مسند الیہ

حذف مسند الیہ کے اسباب و دواعی مندرجہ ذیل ہیں:

إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمَخَاطَبِ، تَأْتِي الْإِنْكَارَ عِنْدَ الْحَاجَةِ، التَّنْبِيْهِ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ، اخْتِبَارَ تَنْبِهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارَ التَّنْبِيْهِ، لَضِيْقِ الْمَقَامِ، التَّعْظِيمِ، التَّحْقِيْرِ، الْمَحَافَظَةِ عَلَى وَزْنٍ وَقَافِيَةٍ، اتِّبَاعِ الْقَوَاعِدِ، اتِّبَاعِ الْإِسْتِعْمَالِ، كَوْنُ الْمُسْنَدِ لَا يَلِيْقُ إِلَّا بِهِ، إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى الثَّائِبِ، دَلَالَةُ الْقَرَائِنِ، ظُهُورُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ.

① **إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمَخَاطَبِ:** مخاطب کے علاوہ دوسرے لوگوں سے کسی خاص بات کو مخفی رکھنا ہو، جیسے: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا، وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ﴾^② [التحریم: ۴]

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ: آپ اپنی لاٹھی سمندر پر مارے! (چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسبِ حکم الہی لاٹھی سمندر پر ماری) پس سمندر پھٹ گیا۔

① سامری نے کہا: میں نے جبریل کے (گھوڑے کے) پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر لی تھی، یہاں دلیل شرعی و عادی کے علاوہ دلیل واقعی محذوف پر دلالت کرتی ہے۔ (الزیادة والاحسان)

② یعنی: اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کر لو (تو یہی مناسب ہے)؛ کیوں کہ تم دونوں کے دل (توبہ کی طرف) مائل ہو گئے ہیں؛ اور اگر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک دوسری کی مدد کی تو (یاد رکھو! کہ: اُن کا ساتھی اللہ ہے جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں؛ یہاں ﴿تتوبا﴾ کے بابت خود مفسر قرآن عبد اللہ بن عباسؓ ایک عرصے تک خواہش مند رہے کہ: ان دو عورتوں سے کون مراد ہیں؟ پھر ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر حج کا موقع میسر آیا تو حضرت عمرؓ سے پوچھ لیا: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: وہ حفصہ و عائشہ مراد ہیں۔ (ترمذی شریف)؛ ایسا ہی جب متکلم اور مخاطب کے

② **تأتي الإنكار عند الحاجة:** ضرورت کے وقت انکار کیا جاسکے، جیسے: بکر نامی شخص کا تذکرہ ہو رہا تھا اور درمیان میں کسی نے کہا: لَيْسَ خَسِيسٌ، وہ کمینہ اور ذلیل ہے ①۔

③ **تنبيه على تعيين المحذوف:** محذوف کے متعین ہونے پر متنبہ کرنا؛ اگرچہ اَدْعَاءُ ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ: وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ؟﴾ ② قَالَ: رَبُّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿﴾ [الشعراء: ۲۳-۲۴]، اُی: رَبُّ الْعَالَمِينَ هُوَ رَبُّ السَّمُوتِ؛ ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾ ③ [البقرة: ۲۸۲]، اُی: فَالشَّاهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ۔

④ **اختبار تنبيه السامع، أو مقدارہ:** یعنی مخاطب کی دانشمندی اور ذکاوت کو یا اس کی مقدار کو آزمانا اور جانچنا مقصود ہو، جیسے: نُورُهُ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُورِ الشَّمْسِ ④۔

⑤ درمیان کسی خاص شخص کے آنے کا (مثلاً علی) کے آنے کا تذکرہ ہو چکا ہو، اب علی کے آجانے پر متکلم مخاطب ہی کو اطلاع دینا چاہتا ہے اور دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے تو علی کو حذف کر کے کہے گا: أَقْبَلَ، وہ آگیا۔
① اس مثال میں بکر مسند الیہ کو حذف کر دیا گیا تاکہ متکلم بکر کی طرف سے پکڑ ہونے پر انکار کر سکے کہ: میں نے آپ کے بارے میں نہیں کہا! اور میں نے تو آپ کا نام ہی نہیں لیا!

② آیت اولیٰ: اپنی بابت رُبُوبیت کا دعویٰ کرنے والے فرعون نے پوچھا: رب العالمین کون ہے؟ باری تعالیٰ نے فرمایا: آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیرِ تربیت ہے وہی رب العالمین ہے؛ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرتِ انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ یہاں ﴿رَبُّ السَّمَاوَاتِ﴾ سے پہلے ﴿رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ کو حذف کر دیا ہے؛ اور متنبہ کیا کہ رب العالمین تو وہی ہو سکتا ہے جو رب السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ہو۔

آیت ثانیہ: (اے ایمان والو! اگر تم اُدھار معاملہ پر تحریر نہ لکھو اسکو) تو اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، ہاں! اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہوں میں سے ہو جائیں۔

اسی طرح ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“، ”وَوَهَّابُ الْأُلُوفِ“؛ یہاں مخاطب کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ محذوف کلمہ پہلے سے حقیقتاً یا ادعاءً متعین ہی ہے، ذکر کرنے سے بھی یہی تعین کا فائدہ حاصل ہوگا، اور وہ خود بخود حاصل ہے۔

③ اس (چاند) کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے؛ دیکھیے! یہاں مخاطب کی ذکاوت کو آزمانے کے لیے متکلم نے ”القمر“ مبتداً کو حذف کر دیا ہے، اس قرینے کی وجہ سے کہ القمر نہ ماننے کی صورت میں ”نورہ“ کی ضمیر بلا مرجع رہ جائے گی۔

⑤ **ضیق المقام:** مقام تعجب، حیرت اور استبعاد میں مسند الیہ کو حذف کرنا، اسی طرح موقع کے فوت ہو جانے کے خوف سے یا حزن و ملال کے موقع پر مسند الیہ کو حذف کرنا، جیسے:

﴿فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ؛ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۝ فَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ: عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝﴾^① [الذاریات: ۲۸، ۲۹]

⑥ **تعظیم:** کسی کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نام نہ لینا، جیسے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۝﴾^② [البقرة: ۴]

④ **تحقیر:** کسی کی ذلت مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زبان کو اس کے نام سے بچانا، جیسے:

﴿وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ۝﴾ [حم السجدة: ۴۹]، "أَي: فالإنسان يئووس قنوط؛ أَذِنَ لِلَّذِينَ "يُقْتَلُونَ" بِأَنَّهُمْ "ظَلِمُوا"، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝﴾^③ [الحج: ۳۹]

① ترجمہ: (جب دو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں کھانا تناول نہ فرمایا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا، انہوں نے کہا: ڈرئے نہیں: اور انہیں ایک ہوشیار لڑکے کی خوش خبری دی: اس بشارت کو سن کر حضرت سارہ علیہا السلام تعجب و استغراب میں (أَنَا عَجُوزٌ عَقِيمٌ) میں تو بڑھیا بانجھ ہو چکی ہوں! کہنے کے بجائے متعجب ہو کر بول پڑیں: ﴿عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ بڑے تعجب کی بات ہے: ایک بانجھ بڑھیا! چوں کہ یہ مقام تعجب، حیرت اور استبعاد کا تھا، لہذا مقتضائے حال کے مطابق مسند الیہ (أَنَا) کو حذف کر دیا اور فرمایا: ﴿عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾۔

فوتِ فرصت کی مثال: جیسے کوئی شخص شکاری کو شکار کی اطلاع دیتے ہوئے کہے غَزَال (یہ ہرن ہے)، اصل میں ذَلِك غَزَال، یہاں سے مسند الیہ کو وقت کی تنگی کی وجہ سے حذف کر لیا گیا ہے۔ حزن و ملال کی مثال، جیسے: قَالَ لِي كَيْفَ أَنتَ، قُلْتُ "عَلِيل" میں بیمار ہوں، اصل میں تھا أَنَا عَلِيلٌ؛ کیوں کہ بیمار آدمی طویل کلام کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور بسا اوقات طویل کلام سے اُسے تکلیف بھی ہوا کرتی ہے۔

② یہاں عبارت یوں تھی: "يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ اللَّهُ إِلَيْكَ" یہاں سے ایمان والوں کے نزدیک بلند و برتر، عالی شان ذات کا علم (لفظ جلالہ) کو تعظیماً و احتراماً حذف کر دیا گیا ہے؛ یہی حال اگلی آیت کا بھی ہے۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولی: (انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے تھکتا نہیں) اور اگر اُسے کوئی بُرائی چھو جائے تو (وہ) ایسا مایوس ہو جاتا ہے کہ ہر امید چھوڑ بیٹھتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: مکی زندگی میں تیرہ سال تک مظالم برداشت کرنے والے مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑے)؛ کیوں کہ ان پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے؛ یہاں ﴿أَذِنَ﴾ کے فاعل اللہ کو تعظیماً حذف کیا گیا ہے، نیز ﴿يُقْتَلُونَ، ظَلِمُوا﴾ کے فاعل کفار یا منافقین کو تحقیراً حذف کیا ہے۔

⑧ **محافظت علی وزن أوقافیة:** نظم میں وزنِ شعری کی اور نثر کے جملوں کے آخری حرف (فاصلہ) کی رعایت کرنا ہو، جیسے: ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ﴾ ① [اللیل: ۱۹]

⑨ **اتباع القواعد أو الاستعمال:** قواعدِ عربیہ یا استعمالِ عرب کی رعایت میں مسند الیہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ ② [یوسف: ۱۸]، اُنّی: صَبْرِي صَبْرٌ جَمِيلٌ.

⑩ **كُونُ الْمَسْنَدِ لَا يَلِيْقُ إِلَّا بِهِ:** مسند کا کسی خاص مسند الیہ ہی کے لائق و مناسب ہونا، جیسے: ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ﴾ ③ [الرعد: ۹]؛ ﴿فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ④ [البروج: ۱۶]

ملفوظ: کبھی متکلم کے اعتقاد میں مسند الیہ طے ہوتا ہے؛ لہذا وہ مسند الیہ کو حذف کر دیتا ہے؛ اگرچہ وہ خلاف واقع ہو، جیسے: ﴿فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ﴾ ⑤ [المؤمن: ۲۴]

① کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے؛ حضرت بلالؓ کو ان کا آقا (امیہ بن خلف) ان کے ایمان کی بنا پر بہت سزا دیتا تھا جس کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو اس مصیبت سے چھڑانے کے لیے امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر کفار کہنے لگے ”ابو بکر پر بلالؓ کا کوئی احسان تھا اس وجہ سے انہوں نے اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے ان کو خرید کر آزاد کیا ہے“؛ چنانچہ کفار کے اس جھوٹے دعوے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: کسی کا ابو بکر پر کوئی احسان نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ دے رہے ہیں؛ بلکہ خالص رضائے مولا کی طلب اور دیدارِ الہی کی تمنائیں کھربا رہے ہیں؛ اور وہ اطمینان رکھے انہیں خوش کر دیا جائے گا۔ اس جگہ اصل عبارت ”من نعمة يَجْزِيها“ ہے جس میں فعل کا مسند الیہ ضمیر ہے جو صدیق اکبرؓ کی طرف عائد ہے؛ لیکن رعایتِ فواصل میں ضمیر مسند الیہ کو حذف کر کے ﴿مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ﴾ فرمایا ہے۔ اور ترکیبی اعتبار سے (تجزی)، (نعمۃ) کی صفت ہے۔

② حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: حقیقت یہ نہیں جو تم کہتے ہو؛ بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے، اب میرے لیے صبر جمیل ہی بہتر ہے؛ دیکھیے! یہاں صبری مبتدا محذوف ہے، اور مبتدا کو وجوہاً حذف کرنے کی آٹھ جگہوں میں سے ایک یہ ہے کہ: خبر ایسا مصدر ہو جو فعل کے قائم مقام ہو، اُنّی: صَبْرْتُ صَبْرًا جَمِيلًا۔ (شرح ابن عقیل)

اتباع الاستعمال کی مثال: وَمَنْيَّةٌ مِنْ غَيْرِ رَامٍ، اُنّی: هَذِهِ رَمِيَّةٌ مِنْ غَيْرِ رَامٍ.

③ ترجمہ: (وہ اللہ) غائب و حاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اس کی ذات بہت بڑی ہے، اس کی شان بہت عالی ہے۔ مذکورہ صفات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں؛ گویا مسند الیہ ادعاء طے ہے۔ (علم المعانی)

④ اُنّی: هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ، فرعون، ہامان اور قارون نے کہا کہ: (یہ موسیٰ اپنے معجزات دکھانے میں) ⑤

⑪ **إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى النَّائِبِ:** نائب فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی

حذف مسند الیہ کے قبیل سے ہے، جیسے: ﴿فَعْلَبُوا﴾ هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صُغَرَيْنِ ۝
وَالْقِيَّ السَّحَرَةُ سَجِدِينَ ۝^① [اعراف: ۱۱۹-۱۲۰]

ملفوظ: فعل کا فاعل بالکل ظاہر اور واضح ہو تو اسے بھی حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾^② [القيامة: ۲۶]

⑫ **دلالة القرائن:** مسند الیہ پر قرائن دلالت کرتے ہوں، جیسے: ﴿فَصَكَّتْ

وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝^③ [الذاریات: ۲۹]

⑬ **ظهور المسند إلیہ:** سامع کی نظر میں مسند الیہ بالکل ظاہر ہو تو اس کو ذکر نہیں

دھوٹا ہے، (دعوہ رسالت میں) جادو گر ہے۔ (علم المعانی)

① (اس موقع پر یعنی جب عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لالٹیوں اور رسیوں کو نکل گیا تو) وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹ گئے۔ اور اس واقعہ نے سارے جادو گروں کو بے ساختہ سجدہ میں گرا دیا۔

یہاں ﴿فَعْلَبُوا﴾ اور ﴿الْقِيَّ﴾ دونوں کو مجہول لایا گیا ہے، اول میں حکمت یہ ہے کہ ساحروں پر غالب آنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى﴾ [طہ: ۶۷] کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ پر اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا تھا جب کہ انہوں نے لالٹیوں اور رسیوں کو دوڑتی ہوئی محسوس کی تھیں، گویا غالب آنے والی ذات تو صرف اللہ کی ہے ((كُونُ الْمُسْتَدِّ لَا يَلِيْقُ إِلَّا بِهِ)) جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایک خارق عادت چیز کو ظاہر فرمایا؛ اسی طرح ﴿الْقِيَّ﴾ کو مجہول استعمال کرنا یہ بتلاتا ہے کہ: کوئی ایسا قوی حال اُن جادو گروں پر طاری ہوا تھا جس نے ان کے دلوں سے سرکشی و کفر کو نکال پھینکا، جس کے بعد بحسب خضوع و استسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔

مسندہ: فعل کی نسبت مفعول کی طرف کرنا بھی حذف مسند الیہ کی ایک قسم ہے، اور اس کی اغراض بہت ساری ہیں، مثلاً: فاعل حقیقی پر نقصان کا خوف ہو یا نام لینے کی صورت میں اس کی طرف سے نقصان کا اندیشہ ہو، فاعل کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہوئے ذکر نہ کیا جائے، یا فاعل کا علم ہی نہیں وغیرہ۔

② اُنِي: إِذَا بَلَغَتِ الرُّوحُ التَّرَاقِيَ، خبر دار جب (جان) ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی۔ (علم المعانی)

③ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی مہمان (فرشتے) کی بات سن رہی تھیں، اڑ کے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں: (کیا خوب!) میں بڑھیا بانجھ جس کی جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی! یہاں قرینہ حال کی وجہ سے بجائے ”اَنَا عَجُوزٌ عَقِيمٌ“ کے صرف ﴿عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ فرمایا۔

کیا جاتا، جیسے: ﴿وَمَا أَذْرَكَ مَا هِيَ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝﴾^① [القارعة: ۱۰-۱۱]۔

ملفوظ: حذف کی قسمیں اور اس کی مختلف صورتیں ”ایجاز حذف“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل خامس: حذف مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، انہیں اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے، اُن میں سے بعض یہ ہیں:

إِتِّبَاعُ الْقَوَاعِدِ، دَلَالَةُ قَرِينَةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمُسْنَدِ، تَعْظِيمُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، تَحْقِيقُ الْمُسْنَدِ، الْاِخْتِرَازُ عَنِ الْعَبَثِ، بِنَاءُ الْجُمْلَةِ عَلَى كَلِمَةٍ، مُحْتَمَلُ الْوَجْهِينِ، الْحَافِظَةُ عَلَى وَزْنٍ، لِقَوَاتِ الْفُرْصَةِ.

① **اتباع القواعد:** قواعد عربیہ کی رعایت میں مسند کو حذف کرنا، جیسے: ﴿لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ﴾^② [سبا: ۳۱]، اُی: ﴿لَوْلَا أَنْتُمْ مَوْجُودُونَ﴾.

② **دلالة القرينة على تعيين المسند:** محذوف مسند کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، چاہے وہ متکلم کے کلام میں ہو یا دوسرے کے کلام میں ہو، جیسے: ﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا؟ قُلْ: الَّذِي فَطَرَكُمْ﴾ [بني اسرائيل: ۵۸]؛ ﴿وَلَيْثِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ، لَيَقُولُنَّ: اللَّهُ﴾^③ [لقمان: ۲۵]۔

③ **تعظيم مسند اليه:** مسند الیہ کی عظمت و رفعت کو ظاہر کرنے کے لیے مسند کو

① اُی: ہی نَارُ حَامِيَةٌ، ترجمہ: جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (الزيادة والاحسان)

② جن کافروں کو دنیا میں کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے: ”اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مؤمن بن جاتے“؛ اس مثال میں ”مَوْجُودُونَ“ مسند کو حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ اہل عرب کے نزدیک لَوْلَا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن عقيل)

③ کسی فعل کے بابت سوال کے جواب میں فعل کو حذف کر لیا جاتا ہے؛ مثال اول: اُی: يُعِيدُكُمْ الَّذِي فَطَرَكُمْ؛ مثال ثانی: لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ اللَّهُ.

حذف کرنا، جیسے: ﴿وَمَا نَقْمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾^① [التوبة: ۷۴]

④ **تحقیر مسند:** کسی مسند کو تحقیر احذف کر دینا، جیسے: ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ

صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾^② [الزمر: ۲۴]

⑤ **احتراز عن عبث:** لغو اور بے کار کلام سے بچتے ہوئے؛ کیوں کہ وہاں مسند کے

حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ موجود ہے، جیسے: ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

وَرَسُولُهُ﴾^③ [التوبة: ۳]

⑥ **بناء الجملة على كلمة:** جملے کی بنیاد صرف ایک کلمہ پر کرنا مقصود ہو، جیسے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا "فَلَا فَوْتَ"، وَأَخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ﴾ [السبا: ۵۰]؛ ﴿لَا قُطْعَنَ
أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا صَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۖ قَالُوا: "لَا ضَيْرَ"، إِنَّا إِلَىٰ

① یعنی: منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خدا نے دولت مند کر دیا، قرضوں کے بار سے سبک دوش ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پیداوار اچھی ہوتی رہیں؛ ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ: خدا اور رسول کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے، اور ہر طرح پیغمبر اور مسلمانوں کو ستانے کے لیے کمر باندھ لی۔ اللہ پاک نے فرمایا: یہ لوگ اب بھی توبہ کر کے اپنی شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائے تو ان کے لیے بہتر ہے؛ ورنہ خدا دنیا اور آخرت میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ روایت میں ہے کہ: جلاس نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا اور آئندہ زندگی خدمت اسلام میں متربان کر دی۔ دیکھیے! یہاں مشہور ترکیب کے مطابق ﴿رسولہ﴾ کا عطف ﴿اللہ﴾ پر ہے؛ لیکن دوسری ترکیب یہ بھی ہے کہ: ﴿رَسُولُهُ﴾ سے پہلے "أَغْنَاهُمْ" مسند کو محذوف مانیں، اور عبارت یوں مانیں: "إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَأَغْنَاهُمْ رَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ" تو یہاں "رسولہ" سے پہلے "أَغْنَاهُمْ" مسند کو حذف کرنا مسند الیہ کی تعظیم پر دلالت کرے گا؛ اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اغناء کو اللہ تعالیٰ کے اغناء کے قبیل سے بنا دیا ہے۔

② بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟) اُنہی: کَمَنْ "أَقْسَىٰ" قَلْبَهُ وَجَعَلَ صَدْرَهُ ضَيْقًا حَرَجًا، أَوْ: كَمَنْ لَيْسَ كَذَلِكَ۔

③ حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ: اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہو چکا ہے اور اس کا رسول (بھی دست بردار ہو چکا ہے)؛ اصل میں تھا "وَرَسُولُهُ أَيضاً بَرِيءٌ مِنْهُمْ"، اس مثال میں دوسرے "بَرِيءٌ" کو حذف کر دیا گیا ہے؛ کیوں کہ پہلا "بَرِيءٌ" دوسرے کے حذف پر دلالت کر رہا ہے۔ (جواہر)

رَبَّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١﴾ [الشعراء: ۶۹-۷۰] .

④ **محتمل الوجهین:** کسی جگہ مسند اور مسند الیہ میں سے ہر ایک کے محذوف ہونے کا احتمال ہو، جیسے: ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ [النور: ۱]؛ ﴿أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَإِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ، قُلْ لَا تُقْسِمُوا! طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ﴾ [النور: ۵۳]

⑤ **المحافظة على وزن:** وزنِ شعری کی رعایت میں مسند کو حذف کرنا، جیسے: نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا، وَأَنْتَ بِمَا - عِنْدَكَ رَاضٍ، وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفٌ ③.

⑥ **حذر آمن فوات الفرصة:** فرصت کے فوت ہو جانے کے خوف سے مسند کو حذف کرنا، جیسے: ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ "نَاقَةَ اللَّهِ"﴾ [الشمس: ۱۳]، أَيْ: ذَرُّوا نَاقَةَ اللَّهِ.

① آیت اولی: یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت قابل دید ہو گا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور (وہ لوگ) ”کہیں بھاگ نہ سکیں گے“؛ بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لیے جائیں گے؛ یہاں تقدیری عبارت: فلا فوت لهم ہے۔ آیت ثانیہ: یعنی جب فرعون نے ساحروں کو کہا: میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور سولی پر چڑھاؤں گا! تب یہ بولے: ”کچھ ڈر نہیں (تیری سزا کا)“ ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے؛ یہاں تقدیری عبارت ”لَا صَبْرَ عَلَيْنَا فِيمَا تَصْنَعُهُ بِنَا“ ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولی: یعنی (یہ) ایک سورت ہے جس کو ہم نے اُتاری، اور ذمہ پر لازم کی ہے؛ اس میں دو تقدیریں نکل سکتی ہیں: حذف مسند الیہ کی صورت میں: ”هَذِهِ سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا“؛ حذف مسند کی صورت میں: ”فِيمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا“۔ آیت ثانیہ: یعنی منافقین اللہ کی بڑی سخت تائیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ: اگر آپ ہم کو حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستے میں نکل جائیں گے! آپ فرما دیجیے: اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں، صرف سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکم برداری کر کے دکھاؤ! زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں بھی دو تقدیریں نکل سکتی ہیں: حذف مسند الیہ کی صورت میں: ”أَمْرُكُمْ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ لَا يُشْكُ فِيهِ وَلَا يَرْتَابُ“؛ حذف مسند کی صورت میں: ”طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ أُولَىٰ بِكُمْ مِنْ هَذِهِ الْإِيمَانِ الْكَاذِبَةِ“۔ (علم المعانی)

③ ہم ہمارے پاس موجود چیزوں سے (راضی ہیں) اور تو اپنے پاس موجود چیزوں سے راضی ہے؛ اور دونوں کی رائیں مختلف ہیں۔ یہاں ”نحن بما عندنا راضون“ سے مسند ”راضون“ کو وزنِ شعری کی وجہ سے حذف کیا ہے۔

④ یعنی جب قوم صالح کا بڑا بد بخت آدمی (قذار بن سالف) اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، تو حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت اور نجات پر سخت حریص ہونے اور بُرے انجام سے ڈراتے ہوئے چیخ اُٹھے، ﴿نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا﴾ یعنی: اللہ کی (بھجی ہوئی) اونٹنی اور اس کو پانی کی باری سے (خبردار ہوا)۔

فصل سادس: حذف مفعول بہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: فعل متعدی کے مفعول کا ہونا ضروری ہے جس پر فعل واقع ہوا ہو؛ اس مفعول کو حذف کرنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا حال نے تقاضہ کیا ہو۔
حذف مفعول بہ کے دوائی مندرجہ ذیل ہیں:

المَحَافَظَةُ عَلَى سَجْعٍ، المَحَافَظَةُ عَلَى وَزْنٍ، تَعْمِيمٌ مَعَ الاختِصَارِ، الأَدَبُ، اسْتِهْجَانًا لِلذِّكْرِ، تَنْزِيلُ الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ، طَلَبًا للاختِصَارِ، الإيضاح بَعْدَ الإِبْهَامِ، لِتَقَدُّمِ ذِكْرِهِ، لَوْضُوحِ الْمَفْعُولِ بِهِ.

① **المحافظة على سجع:** سجع کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کرنا، جیسے:
﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ [الضحیٰ: ۱-۳]، اُی:
”وَمَا قَلَاكَ“ ①.

② **المحافظة على وزن:** وزن شعری کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کرنا، جیسے
آپ ﷺ کا فرمان:

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إَصْبُعُ دِمِيتٍ ❖ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَالِقِيَّتٌ ②

③ **تعميم مع الاختصار:** اختصار کے ساتھ ساتھ عمومیت پیدا کرنے کے لیے،

① (اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا اندھیرا چھا جائے کہ: تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ (تم سے) ناراض ہوا ہے۔ یہاں (وما قلاک) کے بجائے فواصل کی رعایت میں ﴿وَمَا قَلَىٰ﴾ فرمایا ہے؛ کیوں کہ ہر آیت کے اخیر میں الف آ رہا ہے، اور یہ سجع مفعول کو ذکر کرنے سے باقی نہ رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ: سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں، اسی طرح چند روز نور و جی کے رُکے رہنے سے یہ کیوں کر سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل خدا اپنے منتخب پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا ہے۔

② جندب بن عبد اللہ بجليؓ نے فرمایا کہ: جب آپ ﷺ کی انگلی مبارک سے پتھر لگنے پر خون بہنے لگا، اس وقت آپ ﷺ یہ پڑھ رہے تھے: تُو اَیْکِ اَنگَلِی تُو ہے جو خون آلود ہوئی ہے، اور اللہ کے راستہ ہی میں تجھے تکلیف پہونچی ہے جو پہنچی ہے۔ یہاں مالقیہ، اصل میں مَالِقِيَّتِہ تھ، وزن شعری کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کر دیا ہے۔

جیسے: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾^① [یونس: ۲۵]

④ **آدب:** تہذیب و شائستگی کا طریقہ اپنانا، جیسے: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا، وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ اُرِنِىْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾^② [الأعراف: ۱۴۳]، اُی: ذاتک۔

⑤ **استہجان الذکر:** یعنی مفعول بہ کو کبھی اس وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس کی تصریح ناپسندیدہ ہوتی ہے، جیسے: عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: ”كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْهُ وَلَا رَأٰى مِنِّیْ“۔ تُرِيدُ ”الْعَوْرَةَ“^③۔

[بخاری فی الغسل، و مسلم فی کتاب الحيض]

⑥ **تنزیل الفعل المتعدي منزلة اللازم:** مفعول سے خاص غرض و ابستہ نہ ہونے کی وجہ سے فعل متعدی کے ساتھ، فعل لازم کا سا معاملہ کرنا، جیسے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾^④ [الزمر: ۹]

① یہاں مفعول کو عمومیت کا فائدہ دینے کے لیے حذف کر دیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی دعوت ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے لیے خاص ہو، ایسا نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہر زمانے و مکان میں اپنے تمام بندوں کے لیے عام ہے۔ (علم المعانی)

② جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے اُن سے (بہت سی لطف و عنایت کی) باتیں کیں تو (شدت انبساط سے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا) عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو (یعنی: آپ کی ذات کو) ایک نظر دیکھ لوں!

چوں کہ رؤیت باری عقلاً ممکن ہے اگرچہ شرعاً ممنوع ہے؛ لہذا شدت اشتیاق سے درخواست فرمائی؛ لیکن (أُرِنِیْ ذاتک) میں مفعول بہ کو ذکر نہیں فرمایا؛ دیکھیے! اہم اُمور کی درخواست کے مواقع میں تصریحاً درخواست کرنا غیر مناسب ہے؛ بلکہ تلخیصاً و اشارۃً اپنی درخواست پیش کی جاتی ہے؛ لہذا مفعول کو حذف کر دیا۔ (علم المعانی)

③ نہ میں نے آقا کے مخصوص عضو (شرمگاہ) کو دیکھا، اور نہ ہی آقا ﷺ نے میرے عضو مخصوص کو دیکھا۔

④ کیا (دین کو) جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں! یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے، کبھی سجدہ میں گرا؛ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت کا آسرا لیے ہوئے ہے؛ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بد بخت انسان جو مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی، خدا کو چھوڑ بیٹھا! دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ایسا ہوتا تو یوں کہو کہ: ”ایک عالم اور جاہل، یا سمجھ دار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا!“؛ مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے ہیں جن ۷

④ **طلب الاختصار:** جب کوئی قرینہ مفعول بہ پر واضح طور پر دلالت کرے تو اس وقت مفعول بہ کو اختصاراً حذف کر دیا جاتا ہے، اور ایسے مواقع پر مفعول کو ذکر کرنا عبث شمار ہوتا ہے، جیسے: ﴿رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ [البقرة: ۲۵۸]؛ ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ﴾ ① [اسراء: ۱۱۰]

⑤ **الإيضاح بعد الإبهام:** سامع کے دل پر اچھا اثر چھوڑنے کے لیے ابہام کے بعد وضاحت کرنا، جیسے: ﴿وَلَوْ شَاءَ لَهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ② [النحل: ۹]۔

⑥ **التقدم ذكره:** بعد والے فعل کے مفعول بہ کا تذکرہ پہلے آچکا ہو، جیسے: ﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ﴾ [الرعد: ۳۹]؛ ﴿لِنُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا، وَنُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ﴾ ③ [شوری: ۷]

⑩ **لوضوح المفعول به:** سامع کی نظر میں مفعول بہ ظاہر و واضح اور متعین ہو،

• کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (فوائد عثمانی) اللہ پاک ہمیں ظاہری و باطنی علم سے سرفراز فرمائے، اور زبان کے عالم دل کے جاہل بننے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

① آیت اولیٰ: دیکھیے! یہاں اللہ کی وہ کروڑوں مخلوقات ہیں جن کو وہ مارتے اور جلاتے ہیں اور یہ مخلوقات حدِ احصاء سے بھی باہر ہے؛ لہذا مفعول کو حذف کر دیا۔ اسی طرح اختصاراً حذف مفعول کی مثال: نَحْمَدُ وَنُشْكُرُ ہے یعنی: نَحْمَدُ اللَّهَ وَنُشْكِرُهُ۔ آیت ثانیہ: آپ کہہ دو کہ: چاہے تم اللہ کو پکارو یا رحمن کو پکارو! جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے (ایک ہی بات ہے)؛ کیوں کہ تمام بہترین نام اسی کے ہیں؛ اُنّی: اُدْعُوهُ اللَّهَ أَوْ ادْعُوهُ الرَّحْمَنَ۔

② ترجمہ: اگر اللہ رب العزت چاہے تو تم سب کو سید ہی راہ دے دیتے، اُنّی: لَوْ شَاءَ هَذَا آيَتُكُمْ لَهَذَا كُمْ أَجْمَعِينَ: یہاں ﴿لَوْ شَاءَ﴾ ”اگر اللہ پاک چاہتے“ جب یہ کہا گیا تو سامع کے دماغ میں سوال ہو گا کہ: ﴿شَاءَ﴾ کا مفعول کون ہے؟ پھر ﴿لَهَذَا كُمْ﴾ کے قرینہ سے مفعول کا علم ہوا، یہاں مفعول چوں کہ ابہام کے بعد واضح ہوا ہے؛ لہذا وہ موقع فی النفس ہو گا اور دل میں اچھا اثر چھوڑے گا۔ (علم المعانی)

③ آیت اولیٰ: اللہ تعالیٰ جس (حکم) کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے؛ اُنّی یُثَبِّتُ مَا يَشَاءُ۔ آیت ثانیہ: ہم نے یہ عربی قرآن اس واسطے بھیجا ہے تاکہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور اس کے ارد گرد والوں کو اُس دن سے خبردار کرو جس دن میں سب کو جمع کیا جائے گا۔ یہاں ”لِنُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا وَنُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ“ تھا؛ مفعول کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے؛ لہذا اس کو حذف کر دیا ہے۔ یہاں مکہ کے آس پاس سے اوّل ملک عرب مراد ہے، •

جیسے: ﴿قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ...﴾^(۴) [الكهف: ۲]

❖ ثانیاً ساری دنیا مراد ہے۔

(۴) ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ (اُن کافرین کو) ہماری طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کریں، اُئی: لینذر الذین کفروا۔

باب خامس

إطلاق وتقييد

سوالات اطلاق و تقييد

- ① اطلاق و تقييد کی تعريفات کیا ہیں؟
- ② اگر کلام میں اطلاق ہے تو کیوں؟
- ③ اگر کلام میں تقييد ہے تو تقييد کلام کی (آٹھ) قيودات میں سے کس کے ذریعے تقييد ہوئی ہے؟
- ④ اگر ادوات شرط کے ذریعے تقييد ہوئی ہے تو ادوات شرط میں سے کس کے ذریعے تقييد ہوئی ہے؟ اور غرض کیا ہے؟
- ⑤ کلام کو ان قيودات سے مقيد کرنے کی وجہ مباحث نحو یہ کو مد نظر رکھتے ہوئے بتائیں؟

اِطْلَاق

اِطْلَاق: کلام میں حکم (مسند اور مسند الیہ) کے علاوہ دیگر قیودات کا تذکرہ نہ کرنا مختلف اغراض سے ہوتا ہے: لِلْإِخْفَاءِ، لِعَدَمِ عِلْمِهِ، لِيَذْهَبَ السَّامِعُ كُلَّ مَذْهَبٍ۔

① مخصوص مخاطب کے علاوہ دیگر حاضرین، فعل کے زمانہ، مکان یا محل وقوع وغیرہ پر مطلع نہ ہو جائیں ② متکلم کو قیودات کا علم ہی نہ ہو، ③ سامع کو اس مطلق حکم سے ہر طرح کی چھوٹ اور مکمل گنجائش ملے تاکہ وہ ہر ممکن مطلب کو سرا دلے سکے، جیسے: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُخَيِّئُ وَيُمَيِّتُ﴾ ① [البقرة: ۲۰۸]

تَقْيِيد

تَقْيِيد: کلام میں رکنین کے علاوہ مسند الیہ کے متعلق کسی قید کو، یا مسند کے متعلق قید کو، یا دونوں ہی سے متعلق کسی قید کو ذکر کرنا ”تقیید“ کہلاتا ہے؛ اور اس کلام کو ”مقید“ کہا جاتا ہے۔

کلام کو قیودات سے مقید کرنے کی بنیادی غرضیں دو ہیں: فَوْتُ الْفَائِدَةِ الْمَقْصُودَةِ عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِهِ، كَوْنُ الْكَلَامِ كَاذِبًا عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِهِ۔

① قید کو ذکر نہ کرنے پر فائدہ مقصودہ کا فوت ہو جانا، جیسے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيَمًا لِلنَّاسِ﴾ ① [المائدة: ۹۷]۔

② قید ذکر نہ کرنے سے کلام جھوٹا ہو جائے، جیسے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا

① یعنی میرا پروردگار تو وہ ہے جو ہر زمانے ہر مکان میں ہر فرد کو، ہر حال میں زندہ کرنے اور مارنے پر مطلق متادار ہے؛ دیکھیے! یہاں رب کی صفت احیاء و امات کو مطلق رکھا ہے۔ (علم المعانی)

② دیکھیے! آیت میں کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے؛ لہذا ﴿الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ بدل کو ذکر نہ کرنا، فائدہ مقصودہ کو فوت کرنا ہوگا۔

بَيْنَهُمَا "لِعَيْنٍ" ﴿١٥﴾. [الأنبياء: ١٦]

تقييد کلام کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر ایک کی اغراض بھی الگ الگ ہیں؛ تقييد کلام کی قیودات یہ ہیں ﴿٢﴾:

① أَدَوَاتُ الشَّرْطِ: إِنْ إِذَا، لَوْ؛ ② أَدَوَاتُ النَّفْيِ: مَا، لَا، لَنْ، لَمْ، لَمَّا؛ ③ نَوَاسِخُ الْجُمْلَةِ: الْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ، الْمُقَارَبَةُ، حُرُوفُ الْمَشَبَّهَةِ بِالْفِعْلِ؛ ④ الْمَفَاعِيلُ الْخَمْسَةُ، ⑤ الْحَالُ، ⑥ التَّمْيِيزُ، ⑦ الْمُسْتَثْنَى؛ ⑧ التَّوَابِعُ: النَّعْتُ، التَّأْكِيدُ، الْبَدَلُ، الْعَطْفُ

① اس آیت میں ﴿لِعَيْنٍ﴾ حال کو ذکر نہ کرنے پر کلام جھوٹا ہو جائے گا کہ: آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو۔ العیا ذباللہ۔ ہم نے پیدا نہیں کیا!۔

② معلوم ہونا چاہیے کہ: کلام میں ذکر کردہ قیودات اپنے اندر اہمیت کو لیے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً جب کوئی کہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، تو یہاں صرف ضرب کے وجود کو بتلانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ: ”زید سے سرزد ہونے والا فعل، ضرب ہے“، اسی طرح ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرُوًّا کہے تو یہاں زید سے سرزد ہونے والے فعل کا عمرو سے متعلق ہونا بتلانا مقصود ہے۔

یہی حال تاکید، حال اور دیگر مفاعیل وغیرہ قیودات کا ہے کہ: وہ کسی نہ کسی مخصوص غرض سے وابستہ ہوتی ہیں، جیسے: واقِعَةُ أَفْكٍ کا کچھ نیک مخلصین تذکرہ کر رہے تھے، ان کو فرمایا: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ، وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ﴾ [النور: ١٥]، جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات نقل کر رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا؛ دیکھئے ﴿تَلَقَّوْنَ﴾ کے بعد ﴿بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ کی اور ﴿تَقُولُونَ﴾ کے بعد ﴿بِأَفْوَاهِكُمْ﴾ کی ضرورت بظاہر نہیں رہتی تھی؛ لیکن مقتضائے حال کے مطابق انکار اور توہین میں تاکید کی غرض سے ان قیودات کو بڑھایا گیا ہے۔

اسی طرح واقعہ خضر و موسیٰ میں حضرت خضر نے کہا تھا: ﴿فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ [الكهف: ٧٠] میرے کسی چیز کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ کسی چیز کا سوال نہ کرنا؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام خرق سفینہ اور قتل غلام پر خاموش نہ رہ سکے، تو حضرت خضر نے کہا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ "لَكَ" إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [الكهف: ٧٥]، یہاں کلام کو مقتضائے حال کے مطابق ملامت میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ﴿لَكَ﴾ جار و مجرور کے اضافہ کے ساتھ کلام فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام: فصیح کلام میں قیودات نقص پیدا نہیں کرتیں؛ بلکہ مقتضائے حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے کلام میں حسن بھی پیدا کرتی ہیں؛ اور کہیں پر قیودات کے بغیر غیر مقید کلام جھوٹا یا غیر مقصود بالذات ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ﴾ [أنبياء: ١٦] میں بغیر ﴿لِعَيْنٍ﴾ کے کلام جھوٹا اور غیر مقصود ہو جائے گا۔

(علم المعانی) بزيادة

بالحرُوف، العطف بالبيان.

تقييد بہ ادوات شرط

حکم کلام کو ادوات شرط سے مقيد کرنا اُن اغراض کے حصول کے لیے ہوتا ہے جن کو ادوات شرط کے معانی ادا کرتے ہیں، مثلاً: مَتَى وَآيَانَ میں زمانے کی شرط اَيْنَ اُنْی اور حَيْثُمَا میں مکان کی شرط اور كَيْفَمَا میں حال کی شرط ملحوظ ہوتی ہے۔

علم بلاغت میں تین ادوات شرط سے بحث کی جاتی ہے: اِنْ، اِذَا، لَوْ^①۔

اِنْ: ادوات شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور عدم جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے^②، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾^③ [الزمر: ۶۰]۔

اِذَا: ادوات شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا: لَنَا هَذِهِ، وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ^④ [اعراف: ۱۳۱]۔

① جملہ ادوات شرط کے معانی اور ان میں باہمی فرق سے بحث کرنا علم نحو سے متعلق ہے، کتب بلاغت میں صرف تین ادوات اِنْ، اِذَا اور لَوْ کے باہمی فرق کو بیان کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان تین میں ایسی زائد خوبیاں ہیں جو بلاغتی اسلوب سے متعلق ہیں؛ جو نقشہ سے ظاہر ہیں:

اِنْ	ادوات شرط برائے زمان	برائے مستقبل	عدم جزم بوقوع شرط
اِذَا	ادوات شرط برائے زمان	برائے مستقبل	جزم بوقوع شرط
لَوْ	ادوات شرط برائے زمان	برائے ماضی	استحالة وقوع شرط

② اِنْ میں عدم جزم بوقوع الشرط کا معنی ہے یعنی: شرط کے بعض امکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع یقینی نہیں (یعنی ایسے احوال ہوتے ہیں جو شاذ و نادر پائے جاتے ہیں)، جب کہ اِذَا میں جزم بوقوع الشرط کا معنی ہے، یعنی: شرط کے بعض امکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع بالکل یقینی ہے۔

③ (تم سے پہلے انبیاء سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ:) اگر بالفرض تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا؛ یہاں اِنْ کو ذکر فرما کر حضرات انبیاء سے وقوع شرط (شرک) کی ندرت کی طرف اشارہ فرمایا۔

④ فرعونوں کو معمولی تکالیف اور سختیوں میں آزمانا محض اس وجہ سے ہوا تا کہ ان کو تنبیہ ہو مگر (نتیجہ یہ ہوا کہ: جب ان کو خوش حالی آتی تو وہ کہتے: یہ تو ہمارا حق تھا، اور اگر ان کو کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔

ملحوظہ: اِنْ - اِذَا کے استعمال کا یہ فرق اکثری ہے؛ ورنہ کبھی اِذَا کی جگہ اِنْ کو استعمال کرنا بھی قرآن مجید میں وارد ہے، جیسے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾ ① [البقرة: ۲۳]۔

لو: زمانہ ماضی میں شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے جزا کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ لہذا لَوْ کے بعد دونوں جملوں کا فعل ماضی ہونا لازم ہے، نیز استحالہ وقوع شرط کا معنی بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء: ۲۲]؛ ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ② [الأنعام: ۸۸]۔

فائدہ: ① لو کا دخول - جیسا کہ پہلے معلوم ہوا - فعل ماضی پر لازم ہے؛ لیکن کسی نکتہ (مثلاً: استمرار فعل) کی وجہ سے فعل مضارع پر بھی ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ﴾ ③ [الحجرات: ۷]۔

• چوں کہ خوشحالی کا آنا قطعی ہوتا ہے، لہذا اس کو ﴿اِذَا﴾ اور ﴿جَاءَتْ﴾ فعل ماضی سے تعبیر کیا اور ﴿الْحَسَنَةُ﴾ میں الف لام جنسی لا کر تمام انواع حسنہ کو شامل کر لیا گیا۔ اور مصیبت پڑنا غیر یقینی ہوتا ہے، لہذا اس کو ﴿اِنْ﴾ اور ﴿نُصِبَ﴾ فعل مضارع سے - جو کہ عدم تحقق پر دلالت کرتا ہے - تعبیر کیا اور ﴿سَيِّئَةٌ﴾ کو نکرہ لا کر تقلیل کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ سبحان اللہ! ہذا کلام ربی، ہذا کلام ربی!

① یعنی اس کتاب کے اعجاز کو دیکھتے ہوئے اس کے کلام الہی ہونے کے بارے میں ذرا برابر شک نہ ہونا چاہئے؛ لیکن بغرض محال اگر تم کو شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی پیش کرو! یہاں مخاطبین شک میں ضرور تھے؛ لیکن پھر بھی عدم الحزم بوقوع الشرط پر دلالت کرنے والے ادات ”اِنْ“ کو استعمال کیا گیا ہے قرآن میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران: ۱۶۵] (علم المعانی) ② اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے؛ یہاں شرط (تعدّد الہ) کے منتفی ہونے سے فساد نظام کائنات بھی منتفی ہے۔ (علم المعانی)؛ اسی طرح آیت ثانیہ: یعنی شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے؛ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے؟ اگر بغرض محال انبیاء و مقررین سے - معاذ اللہ - ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

③ ترجمہ: بہت سی باتیں (مشورے) ہیں جن میں وہ (رسول) تمہاری بات مان لیا کریں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ؛ یہاں فعل مضارع کی طرف عدول کی غرض یہ ہے کہ: اگر رسول ماضی میں وقتاً فوقتاً تمہارے مشورے مانتے رہتے تو تم ہلاکتی میں پڑتے؛ لیکن انہوں نے تمہارے مشوروں کو نہیں مانا؛ لہذا تم بچ گئے ہوں؛ دیکھیے! یہ استمرار اور تجدد کا معنی فعل ماضی میں حاصل نہ ہو پاتا۔ (علم المعانی)

فائدہ: (۲) کوئی عجیب صورت کے استحضار کے لیے لَوْ کے بعد کبھی فعل مضارع کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾^① [السجدة: ۱۷]
 فائدہ: (۳) جملہ شرطیہ میں جملہ شرط مقصود بالذات نہیں ہوتا؛ بلکہ جملہ حسب مقصود بالذات ہوتا ہے اور جملہ شرط یہ جزا کے لیے محض قید ہوتا ہے؛ لہذا جزا کو دیکھتے ہوئے جملہ شرطیہ کا اسمیہ و فعلیہ، خبریہ و انشائیہ ہونا طے کیا جائے گا، جیسے: إِنَّ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ، إِنَّ نَدِمْتَ فَلَمْ نَفْسَهُ.

ملحوظہ: بقیہ ادوات تقييد اور اس کی تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں ③۔

① اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے) ہمارے کان اور آنکھیں گھل گئیں، پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آگیا؛ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجیے؛ دیکھیے! کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (علم المعانی)

② پہلے جملے میں جزا اَكْرَمْتُهُ جملہ خبریہ ہے اور دوسرے جملے میں لَمْ نَفْسَهُ جملہ انشائیہ ہے؛ لہذا جملہ اولیٰ خبریہ اور ثانیہ انشائیہ شمار ہوگا۔

ملحوظہ: جملہ رئيسیہ: وہ جملہ ہے جو مقصود بالذات ہو، اور جملہ فرعیہ: وہ جملہ ہے جو مقصود بالذات نہ ہو؛ لہذا جملہ شرطیہ یہ جملہ جزائیہ کے لیے، اسی طرح جاء زيد ”ابوہ عالم“ میں أبوہ عالم یہ زید فاعل کی قید ہونے کی وجہ سے جملہ فرعیہ میں شمار ہوں گے۔

تقييد بہ ادوات نفی

③

ادوات نفی چھ ہیں: لَا، مَا، إِنْ، لَنْ، لَمْ، لَمَّا۔
 لا: یہ حال و استقبال کی قید کے بغیر مطلق نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا، إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ [الأنعام: ۹۰]۔

یعنی آپ مکرین سے کہہ دیجیے کہ اگر تم ہدایت کی باتیں نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا؛ کیوں کہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے، ہاں تم نصیحت سے انحراف کرو گے تو سارے جہاں میں ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔

ما اور إِنْ: یہ دونوں حال کی نفی کے لیے آتے ہیں اگرچہ مضارع پر داخل ہوں، جیسے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [الأنعام: ۹۱]۔

اس آیت میں اُن جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بد فہمی، جہل و غباوت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عداوت ۷

•••••

• کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی اور مکالمہ خاص سے مشرف فرمائے۔

لن: یہ مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ [حج: ۷۳]۔
یعنی: مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاویں وغیرہ میں سے کچھ لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السموات والأرضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی، حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور، مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور، اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت روا بنالیا۔ (فوائد)

لم، لما: یہ دونوں ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں؛ مگر لما کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حال تک کی نفی کرتا ہے اور وقوع فعل کی توقع ہوتی ہے برخلاف لم کے کہ: اس میں یہ دو فوائد نہیں ہیں، جیسے: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ [اخلاص: ۳]؛ ﴿وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ [حجرات: ۱۷]۔

آیت اولیٰ: نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد۔ (فوائد)؛ آیت ثانیہ: یعنی ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت، عیب جوئی وغیرہ خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں، جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو، سمجھ لو کہ ابھی تک ایمان اس کے دل میں پیوست نہیں ہوا۔ (فوائد)

تقیید بہ نواسخ جملہ

افعال ناقصہ، افعال مقاربہ، افعال قلوب، حروف مشبہ بالفعل، ما ولا اور لائے نفی جنس وغیرہ نواسخ جملہ کہلاتے ہیں۔
کلام کو نواسخ سے مقید کرنا ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جن کو الفاظ نواسخ ادا کرتے ہیں، مثلاً افعال ناقصہ میں:
کان: اس میں دوام و استمرار کا معنی ہوتا ہے یا حکایت زمانہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾ [نساء: ۱۳۳]؛ ﴿كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ [کہف: ۸۲]۔

آیت اولیٰ: یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھالے اور دوسرے مطیع و فرمان بردار پیدا کر دے، اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغناء اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تحویف بھی ہو گئی۔ آیت ثانیہ: حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا، اور بدنیت لوگ اٹھالیتے، بچوں کا باپ مرد صالح تھا اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے، میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پاسکیں۔ (فوائد)

ظل: اس سے معین زمانہ (مکمل دن) کام کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ [النحل: ۵۸]۔

❦: یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی تو نفرت و غم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سر پر آئی۔

بات: اس سے معین زمانہ (مکمل رات) کام کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ [فرقان: ۶۴]۔

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند و آرام کا مزے لوٹتے ہیں، تو یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں، رکوع چوں کہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لیے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا، گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آگیا۔ (نوائد)

أَصْبَحَ: اس سے بوقت صبح کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾ [قصص: ۱۸]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو قبطی کے ظلم سے بچائیں، اسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا؛ لیکن وہ ایک ہی مکے میں مر گیا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

اسی: اس سے بوقت شام کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَسُبْحَنَّ اللَّهَ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ﴾ [روم: ۱۷]۔

اللہ کی تسبیح کروں اس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے اور اس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے۔
مادام: اس سے معین زمانہ میں برابر لگاتار کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [مریم: ۳۱]۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں، جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہو، اس کی شروط و حقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں۔ (نوائد)
افعال مقار بہ وہ افعال جو خبر کے فاعل سے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، وہ سات ہیں: عَسَى، كَادَ، كَرَبَ، أَوْشَكَ، طَفِقَ، جَعَلَ، أَخَذَ، جیسے: ﴿إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنِّي رَبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [قصص: ۱۰]۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچہ کو دریا میں تو ڈال آئیں، مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی، رہ رہ کر موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا، دل سے قرار جاتا رہا؛ قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ؛ لیکن خدائی الہام ﴿إِنَّا رَأَوُوهُ إِلَيْكَ وَجَاعَلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی؛ یہاں ﴿كَادَتْ﴾ یہ اپنی خبر ﴿لَتُبْدِي﴾ کے فاعل اُمّ موسیٰ سے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے، یعنی: قریب تھا کہ: اُمّ موسیٰ اس بات کو ظاہر کر دیتی!۔ (نوائد)

● ملحوظہ: کرب اور أَوْشَك کی مثالیں قرآن میں نہیں ہیں۔

افعال قلوب جن کا تعلق قلب سے ہے وہ عموماً مسات بتائے جاتے ہیں، ورنہ سات سے بھی زائد ہیں، جیسے: ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ [ص: ۱۶]۔
حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لُؤ لگائے ہوئے تھے۔ (توضیح القرآن)

تقيید بہ مفاعیل خمسہ

پانچ مفعولات: مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول معہ۔

① مفعول بہ، جیسے: ﴿أَلَمْ نُنشِرْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [الم نشرح: ۱]۔

ترجمہ: (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (توضیح القرآن)

② مفعول مطلق، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا﴾ [الفرقان: ۲۱]۔

ترجمہ: جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے ملیں گے وہ یوں کہتے ہیں کہ: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ: یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں، اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہے۔ یعنی یہ ایسی سرکشی ہے جس کے بعد کی کوئی سرکشی نہیں ہے۔

③ مفعول لہ، جیسے: ﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّمْرِ وَالْخَمِيرِ فِتْنَةً﴾ [أنبياء: ۳۵]۔

ترجمہ: ہم تمہیں برائی اور بھلائی سے جانچتے ہیں آزمائے کے لیے؛ یعنی: دنیا میں سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تسک و فراخی اور مصیبت و عیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے؛ تاکہ صابروں کو اور شاکر و کافر معلوم ہو جائے۔

④ مفعول فیہ ظرف زمان، جیسے: ﴿أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ [يوسف: ۱۲]۔

ترجمہ: بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا: کل آپ یوسف کو ہمارے ساتھ (تفریح کے لیے) بھیج دیجیے؛ تاکہ وہ کھائے، پیئے اور کچھ کھیل کود لے، اور یقین رکھیے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

⑤ مفعول فیہ ظرف مکان، جیسے: ﴿وَلَنُنْذِرُ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [أنعام: ۹۲]۔

ترجمہ: اور اسی طرح یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اتاری، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے؛ تاکہ تم اس کے ذریعہ بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔

⑥ مفعول معہ، جیسے: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ [حشر: ۹]۔

ترجمہ: (اور یہ مالِ فی) اُن لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی: مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم تھے۔

⑦ حال: فاعل یا مفعول بہ کی حالت فاعلیت یا مفعولیت کو بیان کرنا، جیسے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

﴿جَمِيعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔
 ⑥ تمیز، جیسے: ﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ [يوسف: ۴]۔

ترجمہ: (یہ اس وقت کی بات ہے) جب یوسفؑ نے اپنے والد (یعقوبؑ) سے کہا تھا کہ: ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا۔
 ⑧ مستثنیٰ بہ الا، جیسے: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ [الكهف: ۵۰]۔
 ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: آدمؑ کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

تقيید بہ توافع: صفت

① وصف: مسند الیہ، مسند یا متعلقات فعل میں سے کسی موصوف کی اچھائی یا برائی بیان کرنا؛ اول کی مثال: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ، حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ، بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [التوبة: ۱۲۸]؛ برائی کی مثال: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [النحل: ۹۸]۔
 آیت اولیٰ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے؛ اس آیت میں رسول کی صفات بیان کی گئیں۔ اور آیت ثانیہ: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو! اس جگہ شیطان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: کلام میں صفت کو بیان کرنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے: ① تمیز (موصوف کو دیگر سے ممتاز کرنے) کے لیے: ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ﴾ [بقرة: ۶۹]۔ ② کشف و ایضاح (حقیقت کی وضاحت) کے لیے: ﴿وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ [رعد: ۱۲]۔ ③ تاکید (متبوع کو مؤکد اور پختہ کرنے) کے لیے: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ [الحاقة: ۱۳]۔ ④ مدح کے لیے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ① [فاتحہ: ۱]۔ ⑤ ذم کے لیے: ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [النحل: ۹۸]۔

⑤ تاکید: مسند الیہ، مسند یا متعلقات فعل میں سے کسی متبوع کے حکم کو بحیثیت شمول کے پختہ کرنے، یا متبوع کے حکم کو بحیثیت نسبت پختہ کرنے، یا حکم کے عام ہونے نہ ہونے کو بیان کرنے، یا متبوع سے معنی محبازی کے وہم کو دور کرنے، یا تلفظ میں سہو کے وہم کو دور کرنے کی اغراض سے تاکید لائی جاتی ہے؛ تاکید برائے عموم و شمول: ﴿وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ﴾ ① كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا "كُلَّهَا" فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ② [القمر: ۴۱، ۴۲]۔

ترجمہ: انہوں نے (فرعونیوں نے) ہماری تمام نشانیوں (طوفان، بڑی، چچری، مینڈک، اور خون وغیرہ بہت سی نشانیوں) کو جھٹلایا تھا؛ اس لیے ہم نے ان کو ایسی پکڑ میں لیا، جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔

➤ ③ بدل: مسند، مسند الیہ یا دیگر متعلقات فعل کا بدل بنایا جاتا ہے؛ اس وقت اس کی غرض متبوع کو پختہ اور واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [الفاتحة: ۶۷]۔

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما! ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ یہاں ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یہ ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کا بدل ہے۔ (علم المعانی)

بدل کی چار قسمیں ہیں: بدل کل، بدل بعض، بدل اشتمال اور بدل غلط؛ اول تین قسموں کی مثال کلام الہی میں مندرجہ ذیل ہیں: ① بدل کل، جیسے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيَامًا لِلنَّاسِ﴾ [المائدة: ۹۷]۔

ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لیے قیام امن کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

② بدل بعض، جیسے: ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا بُرْهِنُ﴾ [آل عمران: ۹۷]۔

ترجمہ: اس (مکہ) میں روشن دلیلیں ہیں جن میں ایک مقام ابراہیم ہے اور وہ روشن دلیلیں: کعبۃ اللہ کا ہونا، رسول الثقلین کا وہاں سے اٹھنا، مناسک حج کا اس کے متعلق ہونا وغیرہ۔

③ بدل اشتمال، جیسے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ "فِتَالٍ فِيهِ"﴾ [البقرة: ۲۱۷]۔

ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہنے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟

④ عطف بحرف: ایجاز و اختصار کے ساتھ کسی چیز کی وضاحت کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ﴾ [القصص: ۸]۔

ترجمہ: بے شک فرعون، ہامان اور ان کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔ یہاں ان فرعون کا خاٹھا، وھامن کا خاٹھا، و جُنُودُھما کا نوا خاٹھین، کہنے میں اختصار نہ رہتا، جب کہ عطف کی صورت میں اختصار بھی ہے اور مقصود بھی ادا ہو گیا ہے۔

اغراض عطف

بلغ آدمی چند اغراض و مقاصد کی وجہ سے عطف نسق کو استعمال میں لاتا ہے، یہ وہ اغراض ہیں جو حروفِ عاطفہ میں چھپی ہوئی ہیں، وہ حروفِ عاطفہ یہ ہیں: واو، فاء، ثم، حتیٰ، إماء، أو، أم، لا، بل، لكن۔

① واو عاطفہ: یہ مطلقاً دو چیزوں کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے اور اس کے ذریعے مابعد کا ماقبل پر عطف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ﴾ [حدید: ۲۶]۔

ترجمہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، اور کبھی اس شئی کے لاحق پر، جیسے: ﴿كَذَلِكَ يُؤَخِّرُ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ [شوریٰ: ۳]، اللہ (جو عزیز و حکیم ہے) تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے ہیں ان پر اسی طرح وحی نازل کرتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ واو کے معطوف اور معطوف علیہ میں تقارب یا تراخی بھی جائز ہے۔

• ترتیب: یعنی معطوف کا معطوف علیہ کے ساتھ لاحق ہونا، جیسے: ﴿وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي﴾ [ہود: ۴۵]۔

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ: اے میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل بی کا ایک فرد ہے۔ تعقیب: فاء کے مدخول کا مدخول علیہ کے بعد اور اس کے نتیجے میں آنا، جیسے: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً، فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا، فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا﴾ [المؤمنون: ۱۴]۔

ترجمہ: پھر ہم نے اس بوند کو جسے ہوئے خون کی شکل دی، پھر اس جسے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔

سبیت: یعنی فاء کا قبل، مابعد کے لیے سبب ہو، جیسے: ﴿فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ﴾ [القصص: ۱۵]۔

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے اس (قبطی) کو ایک مگمارا جس (مکا) نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ۳) ثم عاطفہ: زمانے کی ترانخی کے ساتھ ترتیب پر دلالت کرتا ہے، جیسے: ﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِي﴾ [السجدة: ۷]۔

ترجمہ: اور انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی، پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔

۴) حتی عاطفہ: رفتہ رفتہ اعلیٰ چیز یا ادنیٰ چیز کی طرف پہنچنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿سَلَّمَ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر: ۵]۔

ترجمہ: (اس شب قدر میں فرشتے اور حضرت جبریل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں)، اور وہ شب سراپا سلام ہے، وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔

④⑥⑤ الماء، أو، أم: یہ تینوں احد الامرین کے لیے حکم کو مبہم طور پر ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں، جیسے: العدد إمّا زوج أو فرد؛ ﴿لَبِئْسَ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [کہف: ۱۸]؛ ﴿وَإِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ﴾ [الأنبياء: ۱۰۹]۔

مثال اول: یہ عدد یا زوج ہے یا فرد۔ مثال ثانی: ہم (اسی نیند کی حالت میں) ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔ (علم المعانی) مثال ثالث: میں نہیں جانتا کہ: جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ نزدیک ہے یا دور۔

⑥ لا عاطفہ، مابعد سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ، لَا قَاعِدٌ۔

④ بل عاطفہ: اضراب یعنی: معطوف علیہ سے اعراض اور معطوف کے اثبات کے لیے آتا ہے، جیسے: ما زید

قائم؛ بل قائم۔

•

ملحوظہ: عطف بلا و بل کی مثال قرآن کریم میں نہیں ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

۱۵) لکن: مابعد کے لیے حکم کے اثبات کے لیے آتا ہے اور قصر کا فائدہ بھی دیتا ہے، جیسے: مَا الشَّاعِرُ أَبُو تَمَّامٍ وَالْمُتَنَبِّیُّ؛ لَكِنَّ الْبُحْثَرِیَّ۔

ملحوظہ: قرآن مجید میں حرف لکن عاطفہ مستعمل نہیں ہے؛ البتہ لکن ابتدائیہ مستعمل ہے۔ (النحو القرآنی)
۵) عطف بیان

عطف بیان: اس کی اغراض مختلف ہیں:

۱) معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكِرِيَّا﴾ [مریم: ۱]؛ "أَقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ"۔

ترجمہ: یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ یہاں ﴿عَبْدَهُ﴾ مبین اور ﴿زَكِرِيَّا﴾ بیان ہے۔

۲) معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرتے ہوئے اس کی تعریف کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ"﴾ [مائدہ: ۹۷]۔

ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے۔ لوگوں کے لیے قیام، امن کا ذریعہ بنادیا ہے۔ یہاں کعبہ ایک مخصوص عمارت کا علم ہے اور مشہور بھی ہے، اور ﴿الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ سے محض تعریف و تعظیم مقصود ہے۔

۳) متبوع کی تعریف اور عظمتِ شان کو بتانے کے لیے عطف بیان کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيَمًا لِلنَّاسِ﴾ [المائدہ: ۹۷]۔

۴) متبوع کی حقارت پر دلالت کرنے کی وجہ سے برائی بیان کرنا، جیسے: ﴿مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُنْسَقِي مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ﴾ [صافات: ۱۷-۱۶]۔

ترجمہ: اس کے آگے جہنم ہے، اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اسے حلق سے اتار نہیں سکے گا۔ دیکھیے! صدید کے معنی: کچھ لہو، خون ملی پیپ کے ہیں؛ یہ لفظ حقارت پر دلالت کرتا ہے، اس کے ذریعہ (ماء) کا بیان لانا برائے ذم ہے۔ (علم المعانی فوائد)

باب سادس

در بیان قصر

سوالات قصر

- ① قصر کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے ارکان کتنے ہیں؟
- ② چار طرقِ قصر میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کریں؟
- ③ کیا چار طرقِ قصر کے علاوہ کوئی اور طریقہ قصر اس آیت میں ہے؟
- ④ اگر یہ قصر حقیقی ہے تو اس کی دو قسموں اور قصر اضافی ہے تو اس کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟
- ⑤ قصر موصوف علی الصفات اور قصر صفت علی الموصوف میں سے کیا ہے؟
- ⑥ اس جملہ اسمیہ یا فعلیہ میں تعیین مقصور و مقصور علیہ کا اصول کیا ہے؟

فصل اوّل: قصر

قصر: ایک چیز (مقصور) کو اداتِ قصر کے ذریعے دوسری چیز (مقصور علیہ) کے ساتھ مخصوص و منحصر کر دینا اور یہ بتانا کہ: یہ مقصور اپنے مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف متجاوز نہیں۔ قصر کے ارکان دو ہیں: مقصور، مقصور علیہ۔

مقصور: وہ چیز ہے جس کو خاص کیا جائے۔

مقصور علیہ: وہ چیز ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو مخصوص کیا جائے۔

طریقِ قصر: وہ مخصوص طریقہ جس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کیا جائے، جیسے: ﴿قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ ① [آل عمران: ۶۴]

طرُقِ قصر

قصر کے معروف طریقے چار ہیں: ① التَّفْئِي وَالِاسْتِثْنَاء، ② اِنَّمَا، ③ الْعَظْفِ بِلَا وَبَلْ وَلَكِنْ، ④ تَقْدِيمِ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرِ۔

① نفی و استثناء چاہے حرفِ نفی: ما، لایا اُن کے علاوہ ہو، جیسے: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ [النساء: ۸۷]؛ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ؛ وَمَنْ يَغْفِرُ اللَّهُ ذُنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ② [آل عمران: ۱۳۵]

① اے اہل کتاب تم ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ: ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں! یہاں وصفِ عبادت کو ذاتِ وحدہ الایزال کے لیے خاص کیا گیا ہے اس طور پر کہ: وصفِ عبادت ذاتِ باری کے لیے ہی مختص ہے، کسی دوسرے کی طرف متجاوز نہیں؛ دیکھیے! یہاں ﴿نَعْبُدُ﴾ مقصور، ﴿اللَّهُ﴾ مقصور علیہ، اور ﴿إِلَّا﴾ طریقِ قصر ہے۔ (علم المعانی)

② آیت ثانیہ: جو لوگ کھلم کھلا گناہ کر بیٹھیں (جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو) یا اور کوئی بُری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر اُن کی ذات تک ہی محدود رہے، تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش اللہ سے مانگیں؛ کیوں کہ اللہ کے سوا کون گناہوں کو مُعَاف کرنے والا ہے!۔ یہاں غفرانِ ذنوب (صفت) کو صرف اللہ کی ذات (موصوف) میں منحصر کیا ہے، اور ﴿مَنْ-إِلَّا﴾ اداتِ قصر ہے؛ یہاں ﴿مَنْ﴾ استفہام سے نفی مراد ہے، پس معنیٰ یہ ہوگا: لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ (علم المعانی)

ملفوظ: اس طریق قصر میں استثناء کا ماقبل مقصور اور مابعد مقصور علیہ ہوتا ہے ①۔

فائدہ: مستثنیٰ مفرغ مثبت و منفی کا شمار باتفاق بلغاء قصر اصطلاحی میں ہے، جیسے: ”مَا جَاءَ إِلَّا زَيْدٌ“؛ مستثنیٰ غیر مفرغ منفی کا شمار قول رائج کے مطابق قصر اصطلاحی میں ہے، جیسے: مَا جَاءَ أَحَدٌ إِلَّا زَيْدٌ؛ اور مستثنیٰ غیر مفرغ موجب قصر کا فائدہ ضرور دیتا ہے؛ لیکن اس کا شمار رائج قول کے مطابق قصر اصطلاحی میں نہیں ہے، جیسے: قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدٌ۔ (علم المعانی)

② إِنَّمَا کا استعمال کرنا، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ، وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ

مُبِينٌ﴾ ② [الملک: ۲۶]

ملفوظ: اس صورت میں مقصور پہلے اور مقصور علیہ بعد میں ہوتا ہے۔

فائدہ: انما کی کچھ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انما میں مقصور علیہ ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے اس کو مقدم کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا أَنَا

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [الكهف: ۱۱۰]، میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہی ہوں۔

۲۔ مواقع تعریض میں انما کا استعمال مستحسن ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ

الْعُلَمَاءُ﴾ ③ [فاطر: ۲۸]

① اس طریق قصر کا اصل استعمال اس وقت ہے جب کہ مخاطب حکم سے جاہل ہو؛ لیکن کبھی حکم جاننے والے مخاطب کو جاہل کے درجے میں اتار کر یہ طریق قصر استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]؛ اس آیت میں خطاب حضرات صحابہ سے ہیں، اور وہ حکم مذکور (رسالت نبی) سے جاہل نہ تھے؛ لیکن ان کو شدت محبت و تعلق کی وجہ سے یہ گمان ہو گیا تھا کہ آپ وصف رسالت کے ساتھ وصف خلود سے بھی متصف ہیں؛ اور انہوں نے آنحضرت ﷺ پر موت واقع ہونے کو مستبعد سمجھا۔ جو اُلوہیت کے ساتھ خاص ہے، نہ کہ رسالت کے ساتھ۔ لہذا انہیں آپ کی رسالت کو مستبعد سمجھنے والوں کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام فرمایا۔ (الزیادة)

② (آخرت کے عذاب کے منتظر کافروں سے) کہہ دو! کہ: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو بس صاف صاف طریقے پر خبردار کرنے والا ہوں؛ دیکھیے! یہاں صفت علم (مقصور) کو باری تعالیٰ (مقصور علیہ) پر منحصر کیا ہے؛ اور یہ مثال قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے؛ تفصیل آگے آرہی ہے۔

③ اس آیت میں صفت خشیت کو علماء کے ساتھ خاص کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر عالم میں خشیت نہیں ④

۳۔ انما میں بہ یک وقت مقصور علیہ کے لیے حکم کا اثبات اور ماعدہ سے حکم کی نفی ہوتی ہے جب کہ نفی واستثناء میں نفی واثبات دونوں الگ الگ عبارت سے مفہوم ہوتے ہیں۔

۴۔ اِنَّمَا میں انکار شدید نہیں ہوتا، جب کہ نفی واستثناء میں انکار شدید کی وجہ سے حکم میں تاکید ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ﴾ اِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ ﴿١﴾ [الرعد: ۷]

۳ عطف بہ: لَا وَبَلْ وَلَكِنْ.

۱۔ لا کے ذریعہ عطف کرنا، جیسے: اَنَا نَاطِرٌ لَا نَاطِمٌ ﴿۱﴾.

۲۔ بَل کی مثال، جیسے: اَنَا نَاطِمٌ بَلْ نَاطِرٌ ﴿۲﴾.

۳۔ لَكِنْ کی مثال، جیسے: اَنَا نَاطِمٌ لَكِنْ نَاطِرٌ؛ مَا اَنَا طَامِعٌ لَكِنْ قَانِعٌ؛ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ، وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ ﴿۳﴾ [الأحزاب: ۴۰]

۵۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ: کامل درجہ خشیت علماء میں پائی جاتی ہے؛ یہ تصریحی اِدْعائی ہے۔ (علم المعانی)؛ اور اگر بے عمل عالم کے سامنے یہ آیت پڑھی جائے تو تعریض کے لیے ہوگی، یعنی: تُو اپنے اندر خشیت کو پیدا کرو!

۱ یعنی آیات کا اُتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے، کہ جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے مناسب ہو دیکھائے، آپ تو (مقصور) صرف بُرائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے ہیں! (مقصور علیہ)۔ (نوائد، علم المعانی)

۲ اس صورت میں لا کے ماقبل کو مقصور علیہ، اور لا کے مابعد ”ناظم“ کو مقصور علیہ کا مقابل کہتے ہیں؛ ترجمہ: میں (مقصور) ناثر ہی ہوں (مقصور علیہ)؛ ناظم نہیں! (مقابل)۔

۳ یہاں اَنَا مقصور، ناثر مقصور علیہ ہے، اور نَاطِمٌ اس کا مقابل ہے۔

۴ زید تو نہیں آیا؛ لیکن عمرو آگیا۔ یہاں لَكِنْ کا مابعد مقصور علیہ اور اُن کا ماقبل اُس مقصور علیہ کا مقابل ہوگا۔ مثال ثالث: اس آیت میں (محمد) مقصور ہے، (رسول اللہ) مقصور علیہ اور (لکن) اداتِ قصر ہے؛ یعنی: آیت میں آپ ﷺ کے روحانی باپ ہونے کی کوثابت کیا ہے اور آپ ﷺ کے نسب باپ ہونے کی نفی کی ہے جیسا کہ آیت ﴿الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أُنْفُسِهِمْ﴾ سے واضح ہے، یعنی مؤمن کا ایمان غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نورِ اعظم کی جو آفتابِ نبوت سے پھیلتا ہے، آفتابِ نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے، بنابرین مؤمن (من حیث ہو مؤمن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے حرکتِ فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی، اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے، اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ ۵

④ مؤخر کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ① [الفاتحة: ۱] اُی:

فَخَصَّ إِيَّاكَ بِالْعِبَادَةِ لَا غَيْرَكَ.

ملحوظہ: جملہ اسمیہ کی ترتیب: پہلے مبتدا پھر خبر؛ جملہ فعلیہ کے اجزاء کی ترتیب: فعل، فاعل، مفعول بہ، مطلق، فیہ، لہ، حال، تمیز پھر مستثنیٰ ہوگا؛ یہ ترتیب واقعی ہے اس کے خلاف ترتیب ہو تو اُسے تقدیم ملاحظہ التاخیر کہتے ہیں۔ نیز تقدیم ملاحظہ التاخیر میں مقدم مقصور علیہ ہوگا اور مؤخر مقصور ہوگا۔

مزید طرقِ قصر

فائدہ: بابِ قصر کے معروف طریقے چار ہیں؛ ورنہ غیر معروف طریقے یہ بھی ہیں: ① لفظ ”وَحْدَهُ“ جیسے: هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، ② لفظ ”فَقَطْ“، جیسے: رَأَيْتُ عَمْرَوًا فَقَطْ، ③ لفظ لا غَيْرُ، جیسے: عِنْدِي عَشْرَةُ دَنَانِيرَ لَا غَيْرُ؛ ④ لفظ لَيْسَ غَيْرُ، جیسے: لَزِيدِ ابْنِ لَيْسَ غَيْرُ؛ ⑤ مادہ اختصاص، جیسے: فَخَصَّ مِنْهُمْ بِكَذَا؛ ⑥ ضمیر فصل، جیسے: ﴿فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾؛ ⑦ مادہ قصر، جیسے: قَصُرْتُ عَمَلِي فِي الْحَدِيقَةِ عَلَى رَيِّ الْأَزْهَارِ؛ ⑧ جملے کے دونوں اجزاء کو معرفہ لانا، جیسے: الْمُنْطَلِقُ زَيْدٌ ④۔ (جواہر البلاغت) بتغییر سیر

کے ہے؛ بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ”إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلِ الْوَالِدِ“ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت لُحْدَا: ﴿الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ کے ساتھ ”وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ“ کا جملہ بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

اب باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا، اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے؛ لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے، اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا! تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا، باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی؛ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ (نوائد)

① ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبادت و استعانت کو اللہ وحدہ لا یزال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غیر اللہ سے اُن کی نفی کی ہے؛ لیکن عبادت کا قصر ذات باری پر قصر حقیقی تحقیقی ہے اور استعانت کا قصر ذات باری پر قصر حقیقی ادعائی ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ سے استعانت درحقیقت لا استعانت ہے۔ (علم المعانی)

② ملحوظہ: ۱۔ کبھی مسند کو الف لام جنسی کے ذریعہ معرفہ لایا جاتا ہے تاکہ قصر کا فائدہ دیوے، چاہے قصر کا ۷

فائدہ

① مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل کو کبھی لایا جاتا ہے، اس وقت یہ ضمیر قصر مسند علی المسند الیہ کا فائدہ دیتی ہے، بشرطیکہ طرفین معرفہ نہ ہوں، جیسے: ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ﴾ ① [التوبة: ۱۰۶]۔

② طرفین کے معرفہ ہونے کی صورت میں ضمیر فصل قصر کے ساتھ تاکید کا بھی فائدہ دے گی، جیسے: ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ [الحشر: ۴۰]؛ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ ② [الذاریات: ۵۸]۔

تعیین مقصور و مقصور علیہ

مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

- ① طرق اربعہ میں ہر ایک کے مقصور مقصور علیہ کی تعیین کا اصول پہلے مذکور ہو چکا ہے ③۔
- ② باب قصر میں عموماً پہلے مقصور آتا ہے اور مقصور علیہ بعد میں آتا ہے؛ سوائے تقدیم ماحقہ التاخیر کے کہ اس میں پہلے مقصور علیہ ہوتا ہے اور مقصور بعد میں ہوتا ہے۔

❧ فائدہ حقیقہ ہو یا ادعاء (مبالغہ)۔

- ۲۔ کبھی مسند کو نکرہ لایا جاتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ مسند الیہ صرف اسی مسند کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ اس کے علاوہ دوسری صفات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، جیسے: سَعِيدٌ أَمِينٌ، سَعِيدٌ امیر ہے۔
- ۳۔ کبھی مسند میں اضافت یا صفت کے ذریعہ تخصیص کا معنی پیدا کیا جاتا ہے، اول کی مثال، جیسے: زَيْدٌ غُلَامٌ رَجُلٍ، ثانی کی مثال، جیسے: سَاجِدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔

- ① ترجمہ: کیا ان (غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے مخلصین مسلمانوں) کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے اور صدقات بھی قبول کرتا ہے؛ یہاں جمیر فصل کے بغیر عبارت یوں ہوگی: أَنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔
- ② آیت اولیٰ: دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں! بہشت والے ہی مراد پانے والے ہیں۔ یہاں بطور قصر اضافی صفت فَوْز کو اصحاب جنت پر منحصر کیا ہے، یعنی: صفت فوز اصحاب دوزخ کی طرف متعدی نہیں۔ آیت ثانیہ: یعنی: اللہ تو خود ہی رزاق ہے مستحکم قوت والا ہے۔ اس آیت میں بھی تاکید کے ساتھ صفت رزق کو اللہ وحدہ لا شریک لہ پر منحصر کیا ہے، یہ قصر حقیقی ہے۔ (علم المعانی)

③ نقشہ اگلے صفحہ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

③ خبر معرف باللام ہونے کی صورت میں اگر مبتدا بھی معرف بلام جنس ہو، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: ”الْكَرَمُ التَّقْوَى، وَالْحَسَبُ الْمَالُ، وَالذِّينُ النَّصِيحَةُ“ تو مبتدا مقصور، خبر مقصور علیہ ہوگی؛ اور اگر مبتدا غیر معرف بلام جنس ہو، جیسے: ”أَنْتَ الْأَمِيرُ“ تو پھر خبر مقصور ہوگی اور مبتدا مقصور علیہ ہوگا۔

④ ضمیر فصل کا مابعد مقصور ہوتا ہے، جیسے: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾^① [البقرة: ۵] ملحوظ: اُردو زبان میں مقصور علیہ کے ترجمے میں عموماً ”ہی“ لگتا ہے، جیسے: إِنَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہی ہے۔

نمبر شمار	طریقہ قصر	مقصور	مقصور علیہ	مثال
۱	نفی واستثناء	ما قبل استثناء	مابعد استثناء	وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ
	ما-إلا	مُحَمَّدٌ	رَسُولٌ
۲	إنما	إنما کے مابعد جزو اول	جزو ثانی	إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ
	إنما	يَتَذَكَّرُ	أُولُو الْأَلْبَابِ
۳	عطف بلا	ما قبل لاء کا جزو اول	ما قبل لاء کا جزو ثانی	أَنَا نَائِرٌ، لَا نَائِمٌ
	لا	أَنَا	نَائِرٌ
۴	عطف بیل	مابعد بل جزو اول	مابعد بل جزو ثانی	بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ
	بل	هُمْ	فِي لَبْسٍ
۵	عطف بلکن	مابعد لکن جزو اول	مابعد لکن جزو ثانی	مَا أَنَا طَامِعٌ؛ لَكِنْ قَانِعٌ
	ما-لکن	أَنَا	قَانِعٌ
۶	تقديم	مؤخر	مقدم	إِيَّاكَ نَعْبُدُ
	تقديم ماحقه التأخير	نَعْبُدُ	إِيَّاكَ

اقسامِ قصر باعتبار حقیقت و واقعیت اور اِضافت

قصر حقیقی اور اُس کے اقسام

قصر کی حقیقتِ حال (صورتِ واقعہ) اور دوسری شے کی طرف نسبت و اِضافت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: ① قصر حقیقی، ② قصر اضافی۔

① **قصر حقیقی**: وہ قصر ہے جس میں مقصور کا مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف بالکل متجاوز نہ ہونا، بیان کیا جائے؛ جب کہ: قصر اضافی میں مقصور کا مقصور علیہ کے علاوہ کسی مخصوص چیز (موصوف یا صفت) کی طرف متجاوز نہ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

قصر حقیقی کی دو قسمیں ہیں: ① قصر حقیقی تحقیقی، ② قصر حقیقی ادّعائی۔

۱- **قصر حقیقی تحقیقی**: وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا حقیقت و واقعیت کے اعتبار سے ہو؛ اس طور پر کہ: شئی اول (مقصور) شئی ثانی (مقصور علیہ) ہی میں پائی جاتی ہے، کسی دوسری چیز میں نہیں، جیسے: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ ① [الأنعام: ۵۹]۔

۲- **قصر حقیقی ادّعائی**: وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا مبالغہ اور ادّعاء ہو، اور یہ بتایا جائے کہ: یہ مقصور، مقصور علیہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے، مگر مقصور علیہ میں کمال درجہ ہے اور بقیہ میں کالعدم ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: ۲۸]؛ وَقَوْلُهُ: عَلَيْهِ السَّلَامُ: ”لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكْتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ

① اس آیت میں قصر کے دو طریقے ملتے ہیں: ﴿وَعِنْدَهُ﴾ خبر کی تقدیم، تقدیم ماحقہ التاخیر کے قبیل سے ہے، اور ﴿لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ میں نفی و استثناء ہے؛ اور مطلب یہ کہ: مفاتحِ غیب حقیقتاً اللہ کے پاس ہی ہیں، غیر اللہ کے پاس نہیں! نیز ان کا علم واقعاً اللہ پر منحصر ہے، غیر اللہ کو اس کا علم نہیں! قصر کی یہ تکرار مضمون کی تاکید و پختگی کے لیے ہے۔ (علم المعانی)

الْحِكْمَةُ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيَعْلَمُهَا“^①۔ [بخاری فی العلم]۔

قصر حقیقی تحقیقی و ادّعیٰ دونوں کی مثال: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾^② [الفاتحہ: ۱۷]

قصرِ اضافی اور اس کی اقسام

② **قصرِ اضافی:** قصر کی دوسری قسم قصرِ اضافی ہے، جس میں مخاطب کی حالت کو دیکھتے ہوئے قصر ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾^③ [آل عمران: ۱۴۴]

① مثالِ اول: یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی، مگر ڈرتے وہی ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں، اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں؛ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا، جس میں خوفِ خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں، اس میں ”خشیت“ کو ”علماء“ پر منحصر کیا ہے؛ دیکھیے! غیر علماء میں بھی خشیت ہوتی ہے؛ لہذا یہ قصرِ مبالغہ ہے جس کو قصرِ ادّعیٰ کہتے ہیں۔

مثالِ ثانی: حدیثِ مبارکہ میں حسد (بمعنی غبطہ) کو دو صفتوں پر مقصور کر لیا ہے، اور ان کے علاوہ میں حسد کی نفی ادّعاء و مبالغہ ہے، اور گویا یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ: ان دو کے علاوہ میں حسد کرنا، نہ کرنے کے برابر ہے؛ یعنی: حسد (غبطہ) کا فائدہ ان دو میں ہی جائز ہے، باقی میں نہیں!۔ (علم المعانی)

② ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبادت و استعانت کو اللہ وحدہ لا یزال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غیر اللہ سے اُن کی نفی کی ہے؛ دیکھیے! عبادت کا قصر ذاتِ باری پر قصرِ حقیقی تحقیقی ہے، اور استعانت کا قصر ذاتِ باری پر قصرِ حقیقی ادّعیٰ ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ سے استعانت ہوتی ہے؛ لیکن وہ استعانت، لا استعانت کی طرح ہے۔ (علم المعانی)

③ یعنی محمد ﷺ بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہی تو ہیں۔، ان سے پہلے کتنے رسول گزر چکے؛ جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان مال سے دین کو قائم کرتے رہے۔

حضرات صحابہ کرام کو آقا ﷺ سے شدتِ محبت و تعلق کی بنیاد پر یہ گمان ہو گیا تھا کہ: آپ وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ خلود سے بھی متصف ہیں کہ ان پر موت طاری نہیں ہو سکتی! تو اللہ پاک نے اس آیت آپ کی ذات کو وصفِ رسالت میں منحصر کیا اور وصفِ خلود کی آپ سے نفی فرمائی، کہ: آپ نہ رسول ہی تو ہے! خدا تو نہیں! اور اس وقت نہ سہی! اگر کسی وقت آپ کی وفات ہو گئی یا آپ شہید کر دئے گئے تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے! یہ قصرِ اضافی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ: آقا ﷺ کی ذاتِ بابرکت میں اس وصف کے علاوہ دوسرا کوئی وصف نہ تھا۔ (علم المعانی، فوائد عثمانی)

اقسامِ قصرِ اضافی

قصرِ اضافی: کی تین قسمیں ہیں: ① قصرِ افراد، ② قصرِ تعین، ③ قصرِ قلب۔

① **قصرِ افراد:** وہ قصرِ اضافی ہے جس میں متکلم کا مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کا، یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کا اعتقاد رکھے ہوئے ہو، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ① [آل عمران: ۱۴۴]؛ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ، وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ [المائدة: ۷۳]

② **قصرِ تعین:** وہ قصرِ اضافی ہے جس میں متکلم کا مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کے بابت یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کے بابت متردد ہو، جیسے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ ② [أحزاب: ۴۰]

③ **قصرِ قلب:** وہ قصرِ اضافی ہے جس میں مخاطب اس حکم کے برعکس کا اعتقاد رکھے ہوئے ہو جس کو متکلم ثابت کرنا چاہتا ہے، اور متکلم طریقِ قصر کے ذریعے مخاطب کے اعتقاد کو رد

① آیتِ اولی: بعض صحابہ آپ کے شہید ہونے کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ بیٹھے تھے؛ ان حضرات کو ان لوگوں کے درجہ میں اتارا گیا جو آپ ﷺ (موصوف) میں وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ حسلود (دونوں صفتوں) کے معتقد ہوں؛ چنانچہ قصرِ اضافی کا اسلوب اختیار فرما کر آپ کی ذات کو وصفِ رسالت پر منحصر فرمایا اور وصفِ خلود کی نفی فرمائی۔ (علم المعانی، فوائد) آیتِ ثانیہ: اس آیت میں نصاریٰ سے خطاب ہے جو تثلیث (مسیح، روح القدس اور اللہ تینوں خدا ہیں) کے قائل تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے مضمون کو اسلوبِ قصر میں بیان کیا کہ: الہ تو صرف ایک ہی ہے، یعنی: وصفِ الوہیت صرف ایک میں منحصر ہے تین موصوفوں میں نہیں، جیسا کہ نصاریٰ گمان کرتے ہیں؛ لہذا یہ قصرِ افراد ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظ: پہلی مثال قصرِ اضافی کے ساتھ قصرِ موصوف علی الصفت کی ہے، جب کہ دوسری قصرِ صفت علی الموصوف کی ہے۔
② یعنی: حضرت زید بن حارثہ جن کو آپ ﷺ نے متبنی کر لیا تھا، آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ کہ آپ ان کی مطلقہ سے نکاح نہ کر سکے؛ اور ایک زید ہی کیا! آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں؛ کیوں کہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گذر گئے اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی ذریت دنیا میں پھیلی۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے ”طریقِ قصر“ کے تحت عطف بہ لکن کے ضمن میں گذر چکی ہے۔ (الزیادة)

کرتا ہے، جیسے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَّا يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۱۳]؛ ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ ① [المائدة: ۷۵]۔

اقسام قصر باعتبار طرفین

قصر حقیقی و اضافی میں طرفین (مقصور و مقصور علیہ) میں سے کوئی ایک موصوف ہوگا اور دوسرا صفت؛ لہذا قصر حقیقی و اضافی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوں گی: قصر موصوف بر صفت، قصر صفت بر موصوف ②۔

① آیت اولی: منافقین یہ گمان کرتے تھے کہ: مؤمنین مخلصین ہی بے وقوف ہیں، اللہ پاک نے ان کے اعتقاد کو بدلا اور فرمایا: اے منافقین! حقیقت میں بے وقوف تم ہی ہو؛ لیکن تم اپنی بے وقوفی کو جانتے نہیں! یہاں پر حصر ضمیر فصل سے پیدا ہوا ہے۔ آیت ثانیہ میں اللہ پاک نے نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث ﴿إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ کا رد فرماتے ہوئے کہا: عیسیٰ بن مریم تو صرف رسالت سے متصف ہے، الوہیت سے نہیں؛ پھر اس کی دلیل بیان فرمائی ﴿كَانَا يَا كُذِّبُ الطَّعَامِ﴾ کہ عیسیٰ و مریم تو کھانا کھاتے ہیں اور اللہ کو اس کی ضرورت کہاں! (علم المعانی)

② ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ: اگر مقصور صفت ہو تو وہ قصر صفت ہے اور اگر مقصور صفت نہ ہو تو وہ قصر موصوف علی صفت ہے۔

قصر کی تفصیلی چار قسمیں

(۱) قصر موصوف بر صفت حقیقی: یعنی موصوف اسی ایک صفت کے ساتھ خاص ہو، اُس میں اُس ایک صفت کے علاوہ کوئی دوسری صفت نہ پائی جاتی ہو، جیسے: مَا سَاجِدٌ إِلَّا قَارِيءٌ، ساجد قاری ہی ہے۔
تنبیہ: واضح رہے کہ یہ مثال فرضی ہے اس لیے کہ ایسی مثال ماننا مشکل ہے جس کے موصوف میں باعتبار حقیقت کے صرف ایک ہی صفت ہو، دوسری کوئی بھی صفت پائی نہ جاتی ہو، جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے؛ اسی وجہ سے بعضے بلغاء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: ہر کسی موصوف میں اتنی صفات ہوتی ہیں جن کا احاطہ کرنا یا تو متعذر ہوتا ہے یا متعسر، جیسے مثال مذکور میں ساجد کا قاری ہونے کے ساتھ آکل، متکلم، ماشی، حی، اسود یا ابیض، طویل یا قصیر، ذکی یا غبی وغیرہ ہونا امر بدیہی ہے۔

(۲) قصر صفت بر موصوف حقیقی: یعنی وہ صفت اُسی ایک موصوف کے ساتھ خاص ہو، اُس کے علاوہ کسی اور موصوف میں نہ پائی جاتی ہو، ہاں! اُس موصوف میں اس صفت کے علاوہ دیگر صفات پائی جاسکتی ہوں، جیسے: لَا مَغْبُودَ

① **قصر موصوف بر صفت:** وہ قصر ہے جس میں کسی موصوف کو ایک ہی صفت کے ساتھ خاص کیا گیا ہو، اور یہ بتایا ہو کہ: اس موصوف میں صرف یہی ایک صفت پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۚ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ﴾ [فاطر: ۲۲-۲۳]؛ وقوله عليه الصلوة والسلام: مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي ①. [البخاری فی العلم]

ملفوظ: قصر کے باب میں موصوف و صفت سے وہ اصطلاحی موصوف و صفت مراد نہیں ہیں جو مرکبِ توصیفی میں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اصطلاحی موصوف و صفت کے درمیان قصر متصور نہیں؛ بلکہ یہاں موصوف سے اسم ذات اور صفت سے صفتِ معنوی (یعنی: وہ معنی جو قائم بالغیر ہو وہ) مراد ہے؛ چاہے وہ فعل ہو یا مصدر، اسی طرح اسم فاعل، اسم مفعول، ظرف، جار مجرور، اسم منسوب یا صفتِ مشبہ میں سے ہو۔ (علم المعانی)

② **قصر صفت بر موصوف:** وہ قصر ہے جس میں کسی صفت کو ایک موصوف ہی سے خاص کرنا، اور یہ بتانا مقصود ہو کہ: یہ صفت صرف اسی موصوف میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۵]؛ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا ۚ بِحَقِّهِ إِلَّا اللَّهُ، معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۳) قصر موصوف بر صفتِ اضافی: موصوف کو ایک صفت کے ساتھ کسی معین صفت کو مد نظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اُس موصوف میں اس دوسری صفت کے علاوہ اور صفات پائی جاتی ہوں، یا نہ پائی جاتی ہوں، جیسے: مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمٌ، زید کھڑا ہی ہے (بیٹھا نہیں ہے)۔

(۴) قصر صفت بر موصوفِ اضافی: صفت کو ایک موصوف کے ساتھ کسی معین موصوف کو مد نظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اس معین موصوف کے علاوہ دیگر موصوفوں میں وہ صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، جیسے: مَا أَمِينٌ إِلَّا يُوسُفُ، امانت دار یوسف ہی ہے (ابراہیم نہیں ہے)۔

① مثالِ اوّل: یہاں موصوف رسول کو صفتِ انذار کے ساتھ خاص کر لیا ہے کہ: آپ صرف ڈر سنانے والے ہیں! مشرکینِ معاندین کے دلوں کو عناد و سرکشی سے ایمان کی طرف پھیرنا آپ کے بس میں نہیں!۔ مثالِ ثانی میں آپ ﷺ نے اپنی ذات (موصوف) کو تقسیمِ علم (صفت) پر منحصر فرما کر بتلایا کہ: میرا کام تو علم کو تقسیم کرنا ہے؛ لیکن میری حدیث کا فہم اور اس سے مسائلِ کثیرہ کا استنباط کرنا یہ اللہ کی عطاء سے ہے؛ یعنی: میں قاسم ہی ہوں، معطی نہیں!۔ (علم المعانی)

هُوَ ﴿١﴾ [الأنعام: ۵۹].

تعیین قصر موصوف و قصر صفت

یاد رہے کہ: مقصور (معنوی اعتبار سے) موصوف ہو تو وہ قصر موصوف علی صفت ہوگا اور اگر مقصور صفت ہو تو وہ قصر صفت علی موصوف ہوگا، لہذا اصولی طور پر جملہ اسمیہ و فعلیہ میں قصر موصوف و قصر صفت کی تعیین حسب ذیل ہوگی۔

قصر در اجزائے جملہ اسمیہ

- ① مبتدا کا قصر خبر پر ہو تو وہ قصر موصوف علی الصفت کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [الحديد: ۲۰]، لایہ کہ مبتدا اسم مشتق ہو اور خبر اسم جامد ہو تو وہ قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿مَا الْقَائِمُ إِلَّا عَمْرُو، عمرو کھڑا ہی ہے۔
- ② خبر کا مبتدا پر قصر، قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ [المائدة: ۹۹].

قصر در اجزائے جملہ فعلیہ

- ③ اگر فعل کا قصر فاعل پر ہو تو وہ قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ③ [آل عمران: ۱۳۵].

- ④ فعل کا قصر مفعول پر ہو تو اُسے قصر صفت علی الموصوف بنا سکتے ہیں اور قصر موصوف علی الصفت بھی، جیسے: مَا ضَرَبَ مُحَمَّدٌ إِلَّا زَيْدًا، ﴿وَإِنْ يَهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ﴾ [الأنعام: ۲۶]؛

① آیت اولیٰ: یہاں عبادت و استعانت کو اللہ وحدہ لا یزال کے ساتھ مخصوص کرنا قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ آیت ثانیہ: میں ”مَقَاتِلُ الْغَيْبِ“ کے علم کو ذات باری پر منحصر کرنا قصر حقیقی، قصر صفت علی موصوف ہے۔

- ② پیغمبر علیہ السلام نے خدا کا قانون اور پیام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا، اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی ہے؛ یہاں رسول کے فریضہ کو بلاغ (موصوف معنوی) پر منحصر کرنا قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ (علم المعانی، نواند)
- ③ در اصل یوں تھا: يَغْفِرُ اللَّهُ الذُّنُوبَ؛ تفصیل ”طرق قصر“ کے تحت نفی و استثناء کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾^① [الأنعام: ۱۱۶].

⑤ فاعل کا قصر ظرف، مفعول لہ، مفعول مطلق (برائے نوعیت)، تمیز یا جار و مجرور پر ہو تو وہ قصر صفت اور قصر موصوف دونوں ہو سکتا ہے، جیسے: ﴿إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا﴾ [الجاثیہ: ۳۲]، اُی ظَنًّا ضَعِيفًا؛ وَكَقَوْلِكَ: ”مَا طَابَ مُحَمَّدٌ إِلَّا نَفْسًا“^②.

⑥ ذوالحال کا حال پر قصر، قصر موصوف کے قبیل سے ہے، اور حال کا ذوالحال پر قصر، قصر صفت کے قبیل سے ہے، جیسے: اول کی مثال: ﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ، يَبْنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾^③ [البقرہ: ۱۳۲]، مَا جَاءَ خَالِدٌ إِلَّا رَاكِبًا، اور دوسرے کی مثال: مَا جَاءَ رَاكِبًا إِلَّا خَالِدٌ.

تنبیہ: مذکورہ احوال (یعنی: ذکر و حذف، تقدیم و تاخیر اور تعریف و تنکیر) صرف مسند اور مسند الیہ ہی میں جاری نہیں ہوتے؛ بلکہ ان دونوں کے علاوہ فعل کے دوسرے معمولات میں بھی جاری ہوتے ہیں، جیسا کہ بڑی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

① اگر ان مثالوں میں قصر صفت مانیں (یعنی فاعل سے واقع ہونے والے فعل کو مفعول پر مقصور کرنا)، تو تقدیر - صیغہ فعل کو اسم مفعول کی تاویل میں کر کے - یوں ہوگی: مَا مَضْرُوبٌ مُحَمَّدٍ إِلَّا زَيْدٌ، مَا مُهْلِكُهُمْ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ، مَا مُتَّبِعُهُمْ إِلَّا الظَّنُّ؛ اور اگر قصر موصوف مانیں (یعنی فاعل کو مفعول پر واقع ہونے والے فعل پر مقصور کرنا)، تو مقصد یہ ہوگا: قَصَرَ مُحَمَّدٌ عَلَى ضَرْبِ زَيْدٍ، قَصَرَ الْإِهْلَاكَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ، قَصَرَ الْإِتِّبَاعَ عَلَى ظَنِّهِمْ، یعنی: زید کے ضرب کو محمد پر منحصر کرنا وغیرہ۔

② ہم جو کچھ خیال کرتے ہیں بس ایک گمان سا ہوتا ہے؛ دیکھیے! یہاں بھی اگر قصر صفت مانیں تو تقدیر یوں ہوگی: مَا مَظْنُونُنَا إِلَّا ظَنًّا ضَعِيفًا، اور اگر قصر موصوف مانیں تو تقدیر یوں ہوگی: قَصَرَ ظَنُّنَا عَلَى ظَنٍّ ضَعِيفٍ.

③ اور اسی بات کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے بیٹوں) کو، کہ: اللہ نے یہ دین تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے؛ لہذا تمہیں موت بھی آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو؛ دیکھیے! یہاں مرنے والے (ذوالحال) کو حالتِ اسلام (حال) پر منحصر کیا ہے۔ (فوائد)

باب سابع وصل فصل

سوالات وصل و فصل

- ① وصل و فصل کی تعریفات کیا ہیں؟
- ② اگر جملے میں عطف مفردات ہے تو تقدیم و تاخیر سے کیا اشارہ ملتا ہے؟
- ③ کلام کے دو جملوں میں اگر وصل ہے تو سوائے واو کے - ادوات وصل (حروف عطف) میں سے کون سا حرف عطف ہے؟ اور اس کی غرض کیا ہے؟
- ④ مذکورہ دو جملوں کے درمیان کمال اتصال، شبہ کمال اتصال، کمال انقطاع، شبہ کمال انقطاع اور توسط بین الکمالین میں سے کیا ہے؟
- ⑤ اگر دو جملوں کے درمیان فصل ہے تو وجوب فصل کی پانچ جگہوں میں سے کیا ہے؟
- ⑥ اگر وصل بالواو ہے تو وجوب وصل کی دو جگہوں میں سے کیا ہے؟

تعریفات وصل وفصل

وصل: کلام کے بعض حصے کو دوسرے بعض حصے سے جوڑنے اور حکم ماقبل میں شریک کرنے (یعنی: عطف کرنے) کو ”وصل“ کہتے ہیں؛ چاہے یہ جوڑنا اور شریک کرنا مفردات میں ہو یا جملوں میں ہو؛ نیز چاہے وہ جوڑنا واو کے ذریعے ہو یا دیگر حروفِ عاطفہ کے ذریعے، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝﴾^① [الانفطار: ۱۳-۱۴]۔

فصل: دو جملوں کے درمیان عطف کو چھوڑ دینا، جیسے: ﴿صَلِّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلَوتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾^② [التوبة: ۱۰۳]۔

بلغا اس بحث کے ضمن میں عطف مفردات، عطف جمل الٰہی لہا محل من الاعراب کو بتعازد کر فرماتے ہیں؛ حالاں کہ اصل مقصود ان جملوں کے عطف سے بحث کرنا ہے جن کا کوئی محل اعراب نہیں۔

① بیشک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے؛ یہاں توسط بین الکمالین ہے، یعنی: دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہیں، اور عطف سے مانع کوئی بھی چیز نہیں؛ نیز دونوں باری تعالیٰ کے اقوال (وعدہ ووعید) ہیں، اور حرف تاکید سے مقید ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

② یہاں دونوں جملوں ﴿صَلِّ - إِنَّ صَلَوتَكَ﴾ میں کمال انقطاع (تباہین تام) ہے؛ کیوں کہ پہلا جملہ انشائیہ ہے، اور دوسرا خبریہ ہے؛ لہذا فصل کیا گیا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ملحوظہ: بلغاء حضرات وصل وفصل کی بحث میں مفردات کے عطف سے نیز اُس جملوں کے عطف سے جن کے لیے اعراب کا محل ہے، بحث نہیں کرتے؛ کیوں کہ ایسے مواقع میں صرف بعد والے حصے کو ماقبل کے حکم اعرابی میں شریک کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو پہچاننا آسان ہے؛ ہاں! وصل وفصل کی بحث کی گہرائی اور نزاکت ان جملوں میں ظاہر ہوتی ہے جہاں دو جملوں کے درمیان کوئی محل اعراب نہ ہو؛ لہذا بلغاء اس وصل وفصل سے بحث کرتے ہیں۔

نیز واو حرف عطف محض حکم ماقبل میں شرکت اور مطلق جمع کے لیے آتا ہے؛ اس وجہ سے اس کا معاملہ اہمیت کا حامل ہے، جب کہ دیگر حروفِ عاطفہ میں شرکت کے علاوہ دیگر معانی مقصودہ بھی ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کے ذریعے وصل وفصل کرنے میں دقیق و جہیں اور پوشیدہ نکات نہیں ہوتے؛ جب کہ وصل بالواو میں کافی فوائد و اسرار ہوتے ہیں، لہذا بلغاء صرف وصل بالواو سے بحث کرتے ہیں نہ کہ وصل بغیر الواو سے۔ (علم المعانی)

محسنات وصل

مقام وصل میں دو جملوں ① کے درمیان من وجہ مناسبت اور من وجہ مغائرت کا ہونا ضروری ہے؛ لہذا جہاں دو جملوں میں من کل الوجوہ مناسبت ہو تو وہ دو جملے دونہ رہے؛ بلکہ ایک ہو گئے، اور جہاں من کل الوجوہ مغائرت ہی ہو تو اُن کے درمیان وصل بالواو کرنا، گوہ اور مچھلی کو جمع کرنے جیسا ہوگا!

محسنات وصل میں سے یہ بات ہے کہ: دونوں جملے اسمیہ، فعلیہ، ماضی، مضارع؛ امر، نہی اور اطلاق، تقيید میں مناسب ہوں، بالترتیب مثالیں یہ ہیں:

- ① ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝﴾ [الانفطار: ۱۳-۱۴]
 ② ﴿فَ”أَوْكُمْ“، وَ”أَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ“، وَ”رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ“؛ لَعَلَّكُمْ

① مفردات کے درمیان وصل کرنے کے محسنات مندرجہ ذیل ہیں:

وصل مفردات میں تناسب

مفردات کے درمیان عطف کی صورت میں معطوف، معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقدیم ماحقہ التقدیم، تاخیر ماحقہ التأخیر) کی رعایت کی جاتی ہے: اسی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے تقدیم و تاخیر سے بہت سے دقائق و لطائف کا علم ہوتا ہے، مثلاً:

۱۔ کبھی کسی کی شرافت کی طرف اشارہ ملتا ہے، جیسے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا ”إِيَّاهُ“، وَبِ”الْوَالِدَيْنِ“ إِحْسَانًا﴾ [الإسراء: ۲۳]، میں والدین کے حقوق کا عطف ذات باری سبحانہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے والدین کی خدمت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ کبھی تقدیم سے مقدم کی تعظیم و تشریف معلوم ہوتی ہے، جیسے: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ [النساء: ۶۹]۔

۳۔ کبھی تقدیم زمنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ﴾ [التوبة: ۱۱۱]۔

۴۔ اسی طرح کبھی مفردات کی ترتیب میں تدائی من الأعلى إلى الأدنى یا ترقی من الأدنى إلى الأعلى کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿كَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ میں ترقی من الأعلى إلى الأدنى ہے۔ ایسے موقع میں بہت سارے دقائق و اسرار کا استخراج ہو سکتا ہے۔ (علم المعانی) بزيادة

تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ [الأنفال: ۲۶].

﴿٣﴾ قُلِ: اللَّهُمَّ مُلِكَ الْمُلْكِ! "تُوْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ"، وَ"تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

تَشَاءُ" ﴿آل عمران: ۲۶﴾.

﴿٤/٥﴾ ﴿يُبْنِي! "أَقِمِ الصَّلَاةَ"، وَ"أْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ"، وَ"أَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ"، وَ"اصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ"، إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ؛ وَ"لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ"، وَ"لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا"؛ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ ﴿١﴾ [لقمان: ۱۷]

ملفوظ: محسنات وصل میں تناسب کی رعایت اس وقت ہوگی جب کہ تناسب کی مخالفت کرنے کا کوئی داعیہ نہ ہو، اگر کوئی داعی تناسب کی مخالفت کا متقاضی ہو تو اس وقت وصل کرتے ہوئے مخالفت کرنا مقتضائے حال کے مطابق ہوگا، اور یہ مخالفت مستحسن ہوگی، جیسے: ﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ، وَهُوَ خَدِيعُهُمْ﴾ ﴿٥﴾ [النساء: ۱۴۲].

وصل و فصل کی اجمالی صورتِ خمسہ

وصل و فصل کی بحث کو سمجھنے کے لیے مذکورہ پانچ صورتیں ملاحظہ فرمائیں:

① عطف مفردات: اگر مفردات میں آپس کا تناسب ہو تو وصل یعنی عطف کیا جائے گا، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲]؛

① دیکھیے! پہلی مثال جملہ اسمیہ کی ہے جو مقید بحرف تاکید ہے، دوسری مثال جملہ فعلیہ خبریہ بفعل ماضی کی، تیسری جملہ فعلیہ خبریہ بفعل مضارع، چوتھی جملہ فعلیہ انشائیہ بفعل امر اور پانچویں مثال جملہ فعلیہ انشائیہ بفعل نہی کی ہے۔
ملفوظ: محسنات وصل کی رعایت مستحسن ہے، ضروری نہیں؛ لہذا جملوں کے مابین عدم تناسب کی حالت میں بھی وصل کے متقاضی کی رعایت میں وصل کیا جاتا ہے؛ ہاں! خبر و انشاء میں توافق ضروری ہے، ورنہ وصل ہی نہ ہوگا۔ تفصیل مواضع فصل میں آرہی ہے۔

② اس آیت میں معطوف علیہ ﴿يُخَدِّعُونَ اللَّهَ﴾ کو جملہ فعلیہ بفعل مضارع تعبیر کیا، اور معطوف ﴿وَهُوَ خَدِيعُهُمْ﴾ کو جملہ اسمیہ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ: منافقین کا خداع حادث و متحدہ ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا خداع پر جواب دینا دائمی اور تمام احوال میں ثابت ہے۔ (علم المعانی)

﴿كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾^① [البقرة: ۲۸۵].

② وہ دو جملے جن میں جملہ اولیٰ کا محل اعراب ہو، اور ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود بھی ہو تو وصل کرنا واجب ہے، جیسے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾، و ﴿مَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾، و ﴿مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ﴾^⑤ [السبا: ۲].

③ وہ دو جملے جن میں جملہ اولیٰ کا محل اعراب ہو اور ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہ ہو تو فصل (ترکِ عطف) واجب ہے، جیسے: ﴿قَالُوا: إِنَّا مَعَكُمْ، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ﴾؛ ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾^④ [البقرة: ۱۶].

④ وہ دو جملے جن میں جملہ اولیٰ کا محل اعراب نہ ہو، اور جملہ ثانیہ کو جملہ اولیٰ کے حکم میں - بذریعہ واو^⑤ - شریک کرنا مقصود بھی نہ ہو تو فصل کرنا واجب ہے، جیسے: ﴿إِذَا خَلَوْا إِلَى

① آیت اولیٰ: کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، مرنا؛ سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آیت ثانیہ: یہ تمام مسلمان اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

② وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتی ہیں، اور ان کو بھی جو اس سے باہر نکلتی ہیں، اور ان کو بھی جو آسمان سے اترتی ہیں۔ یہاں جملہ اولیٰ ﴿مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾ یہ ﴿يَعْلَمُ﴾ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے؛ اور بعد والے دونوں جملوں ﴿مَا يَخْرُجُ﴾ اور ﴿مَا يَنْزِلُ﴾ کو مذکورہ حکم (علمِ ازلی) میں شریک کرنا مقصود بھی ہے؛ لہذا وصل واجب ہے۔

③ اس آیت کی وضاحت ”اصطلاحاتِ وصل وفصل“ کے تحت ”شبہ کمالِ انقطاع“ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ کا محل اعراب نہیں ہے؛ لیکن ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کا محل اعراب ہے؛ کیوں کہ وہ ﴿قَالُوا﴾ کا مقولہ بن رہا ہے؛ اور ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہیں؛ کیوں کہ ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ منافقین کا قول ہے، جو ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ کی شرط سے مقید ہے؛ جب کہ ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ اللہ کا فرمان ہے؛ نیز اللہ کا منافقین کے استہزاء کا جواب دینا ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ شرط سے مقید نہیں۔

④ جہاں دو جملوں میں سے اولیٰ کا محل اعراب ہو یا نہ ہو؛ لیکن ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں - سوائے واو کے دیگر حرفِ عطف کے ذریعے - شریک کرنا مقصود ہو تو اس حرفِ عطف کے ذریعے عطف کیا جاسکتا ہے؛ اگرچہ اولیٰ کا محل اعراب نہ ہو، جیسے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ﴾، ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾، ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾، ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾، ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا﴾، ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا﴾ [المؤمنون: ۱۲-۱۴].

شَيْطَانِهِمْ“، قَالُوا: ”إِنَّا مَعَكُمْ“، ”إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ“؛ ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ ﴿١﴾
[البقرة: ۱۴].

⑤ دو جملے جن میں جملہ اولیٰ کا محل اعراب نہ ہو؛ لیکن اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو دو جگہوں میں وصل اور پانچ جگہوں میں فصل کیا جاتا ہے؛ تفصیل حسب ذیل ہے:

اصطلاحات وصل و فصل

بلغاء کی تصریح کے مطابق دو جگہوں پر وصل کرنا واجب ہے اور پانچ جگہوں پر فصل کرنا واجب ہے۔ تفصیل کو سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات ذہن نشین کر لیں۔

① **کمال اتصال:** دو جملوں کے درمیان کمال اتصال (یعنی: اتحاد تام) ہو، اس طور پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کا (معنوی طور پر) بیان، تاکید یا بدل واقع ہو، جیسے: ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ: قَالَ ”يَا أَدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى“﴾ [طہ: ۱۲۰]؛ ﴿فَ”مَهْلٍ الْكُفْرَيْنِ“، ”أَمْهَلُهُمْ رُوءِيًا“﴾ [الطارق: ۱۷].

② **کمال انقطاع:** دو جملوں کے درمیان کمال انقطاع یعنی تباہی تام ہو اس طور پر کہ دونوں خبر، انشاء میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿وَصَلَّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلَوتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ [التوبة: ۱۰۳]؛ یا دو جملوں کے درمیان معنوی کوئی مناسبت ہی نہ ہو، جیسے: الْمَلِكُ عَادِلٌ،

① یہاں جملہ اولیٰ ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ کا محل اعراب نہیں، اور جملہ رابع ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کو۔ بذریعہ واو۔ شریک کرنا بھی مقصود نہیں؛ ورنہ وصل کی صورت میں خلاف مقصود۔ ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ سے وصل۔ کا وہم ہوگا؛ لہذا فصل واجب ہے۔ تفصیل ”شبہ کمال انقطاع“ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

② آیت اولیٰ: پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں جسے جاودانی زندگی، اور وہ بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی۔ اس میں دوسرا جملہ پہلے ﴿فَوَسْوَسَ﴾ کا بیان ہے۔ آیت ثانیہ: اے پیغمبر تم ان کافرین کو ڈھیل دو! انہیں تھوڑے دنوں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہاں دوسرا جملہ پہلے کی تاکید بن رہا ہے۔

③ (اے پیغمبر) ان کے لیے دعا کرو، یقیناً تمہاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے۔

الأدبُ مَطلُوبٌ.

③ **شبه کمال اتصال:** دوسرا جملہ پہلے جملے سے پیدا ہونے والے سوال کا جواب ہو، جیسے: ﴿وَمَا أَبْرَىٰ نَفْسِي، إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ① [یوسف: ۵۳]۔

④ **شبه کمال انقطاع:** ایک جملے سے پہلے دوایسے جملے ہوں جن میں سے ایک پر جملہ ثالثہ کا عطف صحیح ہو، دوسرے پر معنوی فساد کی وجہ سے عطف صحیح نہ ہو، جیسے: ﴿إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَٰطِئِنِهِمْ﴾، قَالُوا: ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾، ﴿إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ﴾؛ ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ﴾ ② [البقرة: ۱۷۰]۔

⑤ **توسط بین الکمالین:** دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں۔ چاہے دونوں لفظاً و معنی دونوں اعتبار سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں۔ نیز دونوں کے

① (حضرت یوسفؑ) میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ: میرا نفس بالکل پاک صاف ہے؛ کیوں کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے۔ (علم المعانی)

② منافقین جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں! ہم تو (مسلمانوں) سے ہنسی کرتے ہیں (کہ وہ صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے، اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں، اور ہم ان کی راز کی باتیں اڑلاتے ہیں)؛ (حقیقت یہ ہے کہ: اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے، یعنی: اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔ یہاں ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ﴾ کا عطف ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ پر یا ﴿قَالُوا﴾ پر کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ﴾ اللہ کا قول ہے، ہاں! اس کا عطف ﴿إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَٰطِئِنِهِمْ قَالُوا﴾ شرط و جواب شرط پر صحیح ہے؛ لیکن مذکورہ دو جملوں میں سے ایک پر عطف ہونے کا وہم وصل سے مانع ہے۔ (علم المعانی)۔ یہاں رابعہ کا اولیٰ پر عطف کرنا اسی قبیل سے ہے۔ (بغیۃ الايضاح)

اس کی دوسری مثال:

”وَتَقَطَّنَ سَلْمَىٰ“، ”أَتَنِي أَبْغِي بِهَا“ ﴿بَدَلًا﴾؛ ”أَرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهْنِئُ“

”سَلْمَىٰ کا یہ خیال ہے“ کہ: ”میں اس کے علاوہ کسی اور کو چاہتا ہوں“؛ ”میں اُسے گمراہی میں بھٹکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں“۔ یہاں ”أَرَاهَا“ جملہ کا جملہ ”تَقَطَّنَ“ پر عطف کرنا صحیح تو ہے، مگر جملہ ”أَبْغِي بِهَا“ پر عطف ہونے کا وہم اس سے مانع ہے؛ لہذا عطف نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ اس صورت میں جملہ ثالثہ، سَلْمَىٰ کے مضمونات و خیالات میں سے ہو جائے گا، حالاں کہ شاعر کی یہ مراد نہیں ہے۔

درمیان جہتِ جامعہ (مناسبتِ تامہ) بھی ہو۔

مناسبتِ تامہ مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی چار صورتیں ہیں: اتحاد، تماثل، تقابل، تضایف ①۔

مواضع وصل

وصل بالواو میں وجوب وصل کی دو جگہیں ہیں:

① **کمالِ انقطاع مع ایہام**: جب دو جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع ہو (یعنی ایک جملہ خبریہ ہو اور دوسرا انشائیہ ہو)، اور فصل کرنے سے خلاف مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو، جیسے تیرا قول: أَتَبِيعُ هَذِهِ السِّلْعَةَ؟ فَيُجِيبُكَ: لَا! وَعَافَاكَ اللَّهُ؛ أَيُّ: لَا أَبِيعُهُ، وَعَافَاكَ اللَّهُ ②۔

② **تَوَسُّطُ بَيْنَ الْكَمَالَيْنِ**: دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں۔ چاہے دونوں لفظاً و معنیٰ دونوں اعتبار سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں۔، دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ (مناسبتِ تامہ) ہو، اور عطف سے مانع کوئی چیز بھی نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ﴾، ﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾ [الانفطار: ۱۳-۱۴]؛ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ، "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

① اتحاد: معطوف، معطوف علیہ کا مسند ایک ہو، یا معطوف، معطوف علیہ کے مسند الیہ ایک ہو، جیسے: زَيْدٌ يُعْطِي وَيَمْنَعُ؛ زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرُو۔

تماثل: دونوں جملوں (معطوف، معطوف علیہ) کے مسند یا مسند الیہ کسی وصف میں شریک ہوں، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرُو شَاعِرٌ (مَعَ أَنَّهُمَا أَخَوَانِ أَوْ صَدِيقَانِ)، زید مضمون نگار ہے اور عمرو شاعر ہے؛ جو دونوں بھائی یا دوست ہیں۔
تقابل: دونوں ایک دوسرے کی ضد ہو، جیسے: زَيْدٌ يُعْطِي، وَيَمْنَعُ، زید دیتا اور روکتا ہے۔
تضایف: دونوں کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے: أَبُو زَيْدٍ كَاتِبٌ، وَابْنُهُ شَاعِرٌ، زید کا باپ مضمون نگار ہے اور اس کا بیٹا شاعر ہے۔

② یہاں تاجر کا قول "عَافَاكَ اللَّهُ" معنیٰ انشاء ہے اور "لَا" یعنی: لَا أَبِيعُهُ لفظاً و معنیٰ خبریہ ہے؛ لیکن ترک عطف یہ وہم پیدا کرے گا کہ: سامنے والا عدمِ عافیت کی بددعا کرتا ہے جو خلاف مقصود ہے۔ (ملخص من علم المعانی)

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ“، وَ”قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا“ ﴿١﴾ [البقرة: ۸۳].

ملحوظہ: توسط بین الکمالین کا شمار مواضع وصل وفصل دونوں میں ہوتا ہے۔



مواضع فصل

وجوب فصل کی پانچ جگہیں ہیں:

① کمال اتصال: دو جملوں کے درمیان اتحاد تام ہو یعنی دوسرا جملہ پہلے کی تاکید، بیان یا بدل واقع ہو، جیسے: ﴿فَ”مَهْلُ الْكُفْرَيْنِ أَمْهَلُهُمْ رُؤْيَا“﴾ [الطارق: ۱۷]؛ ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ” قَالَ يَا أَدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ“﴾ [طہ: ۱۲۰]؛ ﴿أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ“﴾ [الشعراء: ۱۳۳]۔

① آیت اولیٰ: بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے؛ یہ دونوں جملے لفظاً و معنیٰ خبریہ ہیں۔ آیت ثانیہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ یہاں آخری دو جملے لفظاً و معنیٰ انشائیہ ہیں؛ کیوں کہ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ مصدر بمعنی امر ہونے کی وجہ سے ”أَحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ“ کے حکم میں ہے، اور پہلا جملہ ﴿لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾ لفظاً خبریہ ہے اور ”لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ“ کے معنیٰ میں ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: تم کافروں کو مہلت دو، پس چند روز ہی مہلت دو۔ اس میں جملہ ثانیہ ”أَمْهَلُهُمْ رُؤْيَا“ جملہ اولیٰ ”مَهْلُ الْكُفْرَيْنِ“ کے لیے تاکید ہے۔

آیت ثانیہ: اس کا ترجمہ ”اصطلاحات وصل وفصل“ کے ضمن میں گذر گیا ہے۔ یہاں جملہ اولیٰ ﴿فَوَسْوَسَ﴾ میں جس وسوسہ کا تذکرہ ہے اسی وسوسہ کا بیان جملہ ثانیہ ﴿قَالَ يَا أَدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ﴾ میں ہے۔

آیت ثالثہ: اور اس ذات سے ڈرو! جس نے ان چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو، اس نے تمہیں مویثیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے؛ دیکھیے! مویثیوں اور اولاد سے نوازا نا، یہ نوازشات الہی کا ایک حصہ ہے۔ اس میں جملہ ثانیہ: ”أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ“ جملہ اولیٰ ”أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ“ کا بدل بعض ہے۔

ملحوظہ: کمال اتصال میں دو جملوں کا لفظاً اور معناً یا صرف معنیٰ خبر و انشاء میں متحد ہونا ضروری ہے؛ لہذا معنوی طور پر اختلاف ہونے کی حالت میں ہی تباہی تام ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

② کمال انقطاع: ۱- دو جملوں کے درمیان تباہی تام ہو، (یعنی: دونوں جملے خبر و انشاء میں لفظاً و معنیٰ یا معنیٰ مختلف ہوں)؛ ۲- یا دونوں جملوں میں معنوی کوئی مناسبت ہی نہ ہو، شق اول کی مثال: ﴿لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾، ﴿إِذْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ﴿حَمَّ السَّجْدَةِ: ۳۴﴾؛ شق ثانی کی مثال: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ...﴾ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ...﴾ ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى...﴾ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا...﴾ ﴿البقرة: ۳-۶﴾

① ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جن حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی خوب سمجھ لو نیکی بدی کے، اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں، دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے؛ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے، لہذا ایک مؤمن قانت خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دے؛ بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے؛ اگر کوئی اُسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہوں، مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی و مہربانی سے پیش آئے؛ اس طرز عمل کے نتیجے میں سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا، گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرے گا۔ (نوائد)

شق اول کی مثال میں جملہ ثانیہ و اولیٰ میں تباہی تام ہے اس لیے کہ جملہ اولیٰ جملہ خبریہ ہے اور جملہ ثانیہ انشائیہ ہے۔ اسی طرح قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: الثَّيِّبَةُ فِي الْوُضُوءِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؛ اس مثال میں ”رَحِمَهُ اللَّهُ“ معنیٰ انشاء ہے، اور ”قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ“ جملہ خبریہ ہے۔

دوسری شق کی مثال: دیکھئے یہاں ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ﴾ اور ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کے درمیان معنوی کوئی ایسی مناسبت خاصہ نہیں ہے جس کی وجہ سے وصل کیا جاسکے؛ لہذا فصل کیا گیا ہے، ہاں! دونوں آیتوں میں مناسبت عامہ (ایمان و کفر کا آپس میں ضد ہونا) ضرور ہے۔

ملحوظہ: کمال انقطاع کا تذکرہ فصل و وصل دونوں جگہ آتا ہے؛ اگر دو جملوں کے خبر و انشاء میں مختلف ہونے کے باوجود ان میں فصل کرنا خلاف مقصود کا وہم دلائے تو وصل واجب ہوگا، جیسے: ﴿لَا وَشَقَّاهُ اللَّهُ﴾ اس شخص کے سامنے جو سوال کرے: هَلْ بَرِيءٌ زَيْدٌ مِنَ الْمَرَضِ؟

اور اگر فصل کرنا خلاف مقصود کا وہم نہ دلائے تو فصل واجب ہے، جیسے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ﴾ [التوبة: ۱۰۳]۔

③ شبہ کمالِ اتصال: دوسرا جملہ پہلے جملہ سے پیدا ہونے والے سوالِ مقدر کا جواب ہو، یا پہلے جملے میں مذکور سوالِ مُصرَّح کا جواب ہو؛ (اس کا دوسرا نام ”استینافِ بیانی“ بھی ہے)؛ پہلی صورت کی مثال: ﴿قَالَ يُنُوحُ! إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ، إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [ہود: ۶۱]؛ دوسری صورت کی مثال: ﴿فَأَمَّهُ هَارِيَةً ۖ وَمَا أَذْرَكَ مَا هِيَ ۖ نَارٌ حَامِيَةٌ ۖ﴾ ① [القارعة: ۹-۱۱]۔

④ شبہ کمالِ انقطاع: ایک جملے سے پہلے دو جملے مذکور ہوں اور تیسرے جملے کا عطف کرنا کسی ایک پر صحیح ہو کسی دوسرے پر صحیح نہ ہو، ایسے موقع پر وہم سے بچنے کے لیے تیسرے کا عطف نہ کیا جائے، جیسے: ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَیْطَانِهِمْ قَالُوا: ”إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ“ ۖ ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“﴾ ② [البقرة: ۱۴-۱۵]۔

⑤ توسط بین الکمالین: دو جملے خبر انشاء میں متحد ہوں، چاہے لفظاً و معنیٰ دونوں اعتبار

① آیت اولیٰ: حضرت نوح علیہ السلام کنعان کی منافقانہ اوضاع و اطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مؤمن سمجھ رہے تھے، اس کی غرقابی کے بعد اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا یہ خلیجان یا اشکال پیش کیا، یعنی: خداوند! تُو نے میرے کھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا، اور کنعان میرا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے کھر والوں میں سے ہے، پھر اس واقعہ کا راز کیا؟ اللہ پاک نے جواب دیا: جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں؛ کیوں کہ اس کے کروت بہت خراب ہیں۔ آیت ثانیہ: جس کی تو لیں قیامت کے دن ہلکی ہونیں، اس کا ٹھکانا گڑھا ہے، اور تو کیا سمجھا! وہ کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔ ملحوظ: ایک ہی آیت میں دو جگہ توسط بین الکمالین اور ایک جگہ شبہ کمالِ اتصال کی مثال، جیسے: ﴿وَلَا تَخَافِي، وَلَا تَحْزَنِي، إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ، وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ③ [القصص: ۷]، ماں کی تسلی کر دی کہ: مت ڈر! بے کھٹکے بچہ دریا میں چھوڑ دے؛ بچہ ضائع نہیں ہو سکتا؛ بچے کی جدائیگی سے غمگین بھی مت ہو! جلد آپ کی آغوش میں لوٹا دیں گے؛ اور وہ منصب رسالت سے سرفراز کیا جائے گا۔ پہلے دو ﴿وَلَا تَخَافِي، وَلَا تَحْزَنِي﴾ اور آخری ﴿إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ، وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہے؛ کیوں کہ پہلے دو جملے انشائیہ ہیں، اور مسند الیہ میں اتحاد ہے، اور دوسرے دو جملے خبریہ ہیں اور مسند الیہ میں اتحاد ہے؛ مزید یہ کہ: آخری دو جملوں میں پہلے دو جملوں سے پیدا ہونے والے سوالِ مقدر (کہ: اپنے بچے پر کیوں خوف نہ کروں؟ بظاہر تو یہ ہلاکتی کے اسباب میں سے ایک ہے) کا جواب ہے؛ لہذا اُن میں شبہ کمالِ اتصال ہوا۔

② تفصیل کے لیے ”اصطلاحات وصل وفصل“ کے تحت شبہ کمالِ انقطاع کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں؛ لیکن عطف سے مانع چیز (ما قبل کے حکم میں مابعد کو شریک نہ کرنا) پائے جانے کی وجہ سے فصل کیا گیا ہو، جیسے: ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَیْطَانِهِمْ قَالُوا: إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾^(۲) [البقرة: ۱۴، ۱۵]۔

۲) یہاں ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کا جملہ ﴿قَالُوا﴾ سے فصل کیا گیا ہے؛ کیوں کہ منافقین کا قول اپنے رئیسوں اور شیاطین کے پاس تنہا ہونے کی صورت میں ہے؛ جب کہ اللہ کا ان منافقین کے تمسخر کا جواب دینا دائمی اور ہر آن ثابت ہے، وقت خلو سے مفید نہیں! (علم المعانی)

ملفوظ: توسط بین الکمالین کا تذکرہ وصل وفصل دونوں بابوں میں آتا ہے، اگر بعد والے جملے کو ما قبل کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو وہاں وصل کیا جائے گا، ورنہ فصل کیا جائے گا۔

باب ثامن

ایجاز، اطناب، مُساوات

سوالات ایجاز، اطناب و مساوات

- ① ایجاز، اطناب اور مساوات کی تعریفات کیا ہیں؟
- ② اگر کلام میں ایجاز ہے تو ایجاز کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
- ③ ایجازِ قِصْر ہے تو اس کی کون سی نوع ہے؟
- ④ دواعیٰ ایجاز میں سے کیا ہے؟
- ⑤ اگر ایجاز حذف ہے تو حذف کی چار صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟ اور وہ مخدوف کون ہے؟
- ⑥ اغراضِ حذف میں سے کیا ہے؟
- ⑦ اخلال کس کو کہتے ہیں؟ کیا اس عبارت میں حذف کی وجہ سے اخلال تو نہیں آیا؟
- ⑧ اگر اطناب ہے تو اطناب کی صورتوں میں کون سی صورت ہے؟
- ⑨ اگر تزییل ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
- ⑩ اگر کلام میں اطناب ہے تو (پندرہ) دواعیٰ اطناب میں سے کون سا داعیہ ہے؟

ایجاز، اطناب، مساوات

انسان اپنی مافی الضمیر (معنی مقصود) کے اظہار کے لیے الفاظ کا واسطہ لیتا ہے، اب اگر درمیانی طبقے والے لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ بہ قدر معانی ہوں، تو اس کو ”مساوات“ کہتے ہیں، اور اگر عبارت میں الفاظ کم ہوں، معانی زیادہ ہوں تو اُسے ”ایجاز“ کہتے ہیں، اور الفاظ زیادہ، معانی کم ہوں تو اُسے ”اطناب“ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں ذکر فرمایا ہے، جیسے انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

- ① ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾، أي: أَنْفِقُوا الْعَفْوَ! [البقرة: ۲۱۹]
- ② ﴿”وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ“... وَالْآخِرَةُ هُمْ يُوْقِنُونَ... وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [البقرة: ۲]
- ③ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [المزمل: ۲۰]
- ④ ﴿”مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [البقرة: ۲۴]
- ⑤ ﴿”مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“﴾ [البقرة: ۲۶۱]

- ⑥ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا...، ”وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ“ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ“﴾ ① [البقرة: ۱۷۷]

① ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب دیتے ہوئے کہیں اُسے قرض سے تعبیر فرمایا، کہیں ”اچھا“

فصل اول: ایجاز

ایجاز: بہت سارے معانی کو متعارف عبارت سے کم عبارت میں تعبیر کرنا، جو الفاظ غرض متکلم کو پورے طور پر واضح کرتے ہوں، یعنی: معنی مرادی کو متعارف عبارت سے کم الفاظ میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾^① [الأعراف: ۱۹۹]

والاقرض“ کہہ کر حسن نیت کی طرف اشارہ فرمایا، کہیں صفات صحابہ کو بیان کرتے ہوئے ترغیباً ذکر کیا، کہیں ان صدقات پر دنیوی و اخروی فوائد ذکر فرمائے، کہیں اسی مضمون کو بے شمار فوائد بتانے کے لیے ایک حسی مثال سے سمجھایا، کہیں مصارف ذکر فرما کر اس کی طرف متوجہ کیا، تو کہیں فرمایا: وہ مال خرچ کرو! ”جو تمھاری ضرورت سے زائد ہو“۔

دیکھیے: آیت اولیٰ میں ایجاز حذف اور ایجاز قصر دونوں ہیں، کہ: ایک ہی کلمے ﴿الْعَفْوَ﴾ میں مضمون بیان فرمایا؛ اور علم البدیع میں سے ”مراجعة“ کا اسلوب ہے۔ آیت ثانیہ میں ﴿وَمِمَّا﴾ ہے، جو اذات عموم میں سے اسم موصول ہے؛ لہذا ایجاز قصر ہے، مزید رعایت جمع کے ساتھ احسان بھی جتلیا ہے۔ آیت ثالثہ میں ایجاز انما، صدقات نافلہ و واجبہ کو ذکر فرمایا اور ساتھ ساتھ مجاز (استعارہ) کا اسلوب اختیار فرمایا ہے، یعنی: صدقہ کرنا قرض دینے کی طرح ہے، جس کے مثل ہی سے بدل نہیں؛ بلکہ اضعافاً مضاعفہ سے اس کا بدل دیا جائے گا، اور یہ یقینی ہے؛ نیز صدقات کی اہم صفت قرض حسن کو ذکر فرمایا ہے۔ آیت رابعہ میں صدقات سے مال میں اضافہ کثیرہ کا وعدہ ہے، صدقات کا اصل فائدہ (آخرت میں کام آنا) ذکر فرمایا، اور قبض و بسط میں صنعت ”طباق“ ہے، نیز اذات شرط ﴿مَنْ﴾ اور ﴿يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾ میں حذف مفعول کی وجہ سے ایجاز قصر کے ساتھ ایجاز حذف بھی ہے۔ آیت خامسہ میں اسی معنوی مضمون کو اطناباً محسوس سے تشبیہ دے کر ذکر فرمایا ہے۔ آیت سادسہ میں اسی مضمون کو صحابہ کرام کا عجیب نمونہ دے کر قیامت تک کی نسلوں کے جذبات کو ہمیز کیا ہے۔ مذکورہ آیات میں آپسی موازنہ کرتے ہوئے اور بھی بہت سے نکات کا استخراج کیا جاسکتا ہے، اختصاراً کچھ کا تذکرہ کر لیا ہے۔

① (لوگوں سے یہ برتاؤ رکھیے کہ اُن کے اعمال و اخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ (معقول و مناسب معلوم ہو ان) کو قبول کر لیا کیجیے، (ان کی تہ اور حقیقت کو تلاش نہ کیجیے)، اور (جو کام ظاہری نظر میں بھی بُرا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھیے کہ، اس باب میں) نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجیے، اور (جو اس تعلیم کے بعد بھی براہ جہالت عمل نہ کرے یا نہ مانے، تو ایسے) جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجیے۔ یہاں سرسری طور پر بین الکوسین عبارات کا ملاحظہ فرماتے ہوئے آیت کریمہ کو دیکھیے؛ نیز ﴿الْعَفْوَ﴾ اور ﴿الْعُرْفِ﴾ کے محامل کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں!۔

اخلاق: ناقص عبارت سے غرض متکلم پورے طور پر ادا نہ ہو تو اُسے ”اخلاق“ کہتے ہیں، جیسے شاعر کا قول:

وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلِّهِ لِي التَّوَقُّ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

یہاں شاعر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ: بے وقوفی اور جہالت والی خوش عیش زندگی سے بہتر ہے، اُس عقل مندی والی زندگی سے جو تنگی معیشت کے ساتھ ہو؛ لیکن اس کی عبارت اس معنی کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ (جو اہر البلاغت)

کلام عرب میں ایجاز کو حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ① ایجازِ قصر ② ایجازِ حذف۔

① **ایجازِ قصر**: وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں بغیر کسی حذف کے نہایت مختصر عبارت میں بہت زیادہ معانی و مطالب کو سمیٹ لیا گیا ہو (یعنی: الفاظ کی بہ نسبت معانی زیادہ ہوں جیسا کہ جوامع الکلم، امثال اور کنایہ وغیرہ میں ہوتا ہے)، جیسے: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ [البقرة: ۳]؛ اور، جیسے: ﴿فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ ① [البقرة: ۱۷۹]

① آیت اولیٰ: (یہ کتاب راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو) جو کہ بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس میں ﴿الْغَيْبِ﴾ کا لفظ قبر و حشر، میزان و صراط، جنت و جہنم اور انبیاء و ملائکہ وغیرہ بہت سی چیزوں کو شامل ہے؛ بلکہ عالم شہود کے علاوہ کی لامحدود چیزیں اس مختصر سے لفظ میں داخل ہیں۔

آیت ثانیہ: قصاص میں تمھارے لیے بڑی زندگی ہے، یعنی: قاتل سے قصاص لینے میں عمومی قتل و قاتل سے حفاظت کا سامان ہے، یہ دنیوی فائدہ ہوا؛ اور قاتل کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے لیے قصاص میں اُخروی حیات بھی مضمّن ہے۔ اس معنی کی تعبیر کے لیے عربوں میں ”الْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ“ مستعمل تھا؛ لیکن آیت کریمہ اور اس جملے کی تعبیر میں فرق ملاحظہ ہو:

فصحائے عرب کی زباں زد مشکل ایک نہایت مختصر آیت قرآنی کی زد میں

(۱) آیت میں دس حروف ہیں، جب کہ مثل میں چودہ حروف ہیں۔

(۲) آیت کریمہ مخدوفات ماننے سے بے نیاز ہے، جب کہ مثل کی تقدیری عبارت یہ ہے: الْقَتْلُ قِصَاصًا أَنْفَى لِلْقَتْلِ ظُلْمًا مِنْ تَرْكِهِ۔

(۳) مثل میں بظاہر تعارض ہے؛ کیوں کہ ایک ہی چیز اُسی چیز کو ختم کیسے کر سکتی؟۔

(۴) آیت کا مضمون مطرد ہے یعنی ہر جگہ چلے، برخلاف مثل کے؛ کیوں کہ ہر قتل کرنا، قتل و قاتل کو روکنے والا نہیں ہے؛ بلکہ قصاص کے علاوہ موقع پر قتل کرنا تو مزید قاتل کو بھڑکانے والا ہے؛ ہاں! قصاصاً قتل کرنا یہ ضرور قاتل کے رشتہ داروں کو مقتول ہونے سے روکنے والا ہے۔

(۵) آیت کریمہ میں قصاص و حیات میں صنعتِ طباق ہے جو اس مقولے میں نہیں۔ صنعتِ طباق کے لیے ”بدیع القرآن“ ملاحظہ ہو۔

(۶) مثل میں ”قاف“ حرفِ قلقلہ کی تکرار ہے جو آیت کریمہ میں نہیں۔

(۷) آیت کریمہ میں کلمہ ﴿حَيَوةٌ﴾ کی تنکیر تعظیم کی طرف مشیر ہے، یعنی: قصاص لینا قاتل کی حیات اُخرویہ کا بھی سبب ہے، نیز قاتل کے اولیاء کے لیے بھی حیات کا سبب ہے؛ یہ چیز اس مقولے میں ندارد۔

(۸) آیت کریمہ میں قصاص کو مبالغۃً امن و امان کے ساتھ زندگی گزارنے کی بنیاد بتایا ہے جو کلمہ ”فی“ سے معلوم ہوتا ہے۔

ایجازِ قصر کی انواع

ایجازِ قصر کی انواع یہ ہیں: کَوْنُ الحَصْرِ فِي الْكَلَامِ، بَابُ الْعَطْفِ، بَابُ النَّائِبِ عَنِ الْفَاعِلِ، بَابُ الضَّمِيرِ، كَلِمَاتُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ، أَدَوَاتُ الشَّرْطِ وَالْاسْتِفْهَامِ، الْأَدَوَاتُ الَّتِي تَدُلُّ عَلَى الْعُمُومِ، بَابُ التَّنَازُعِ، وَحَذْفُ الْمَفْعُولِ.

① کلام میں حصر کا ہونا؛ چاہے وہ اداتِ حصر میں سے کسی بھی ادات کے ذریعے ہو؛ اس لیے کہ اداتِ حصر کی بنا پر ایک جملہ دو جملوں کا نائب بن جاتا ہے۔

② بابِ عطف، اس لیے کہ حرفِ عطف کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ عامل کی تکرار سے مستغنی کر دے۔

③ بابِ نائبِ فاعل، اس لیے کہ وہ حکماً فاعل پر دلالت کرتا ہے، اور وضعاً مفعول پر دلالت کرتا ہے۔

④ بابِ ضمیر، اس لیے کہ اس کی وضع ہی اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اسمِ ظاہر کو ذکر کرنے سے بے نیاز کر دے۔

⑤ الفاظِ تشنیہ و جمع، اس لیے کہ وہ مفرد کی تکرار سے مستغنی کر دیتے ہیں، اور الفاظِ تشنیہ و جمع میں جمع و تشنیہ پر دلالت کرنے والا حرف اختصاراً مستقل لفظ کا نائب ہو جاتا ہے۔

⑥ تمام تر ادواتِ استفہام، اس لیے کہ: كَمْ مَالُكَ، یہ حرفِ استفہام والا جملہ

⑨ (۹) مثل میں وحشت زدہ لفظ (یعنی ”قتل“) مذکور ہے، جو ظلم و جور پر دلالت کرتا ہے؛ جب کہ آیت میں بجائے قتل کے قصاص کا لفظ مذکور ہے جو عدل و انصاف اور مساوات کی طرف مشیر ہے۔

(۱۰) ستم بالائے ستم! مثل میں لفظ تکرار ہے اور وہ بھی لفظ قتل کی! جب کہ آیت میں مطلق تکرار نہیں!

(۱۱) آیت کی بنیاد اثبات پر ہے، مثل کی بنیاد نفی پر ہے؛ اور اثبات نفی کے بالمقابل اشرف ہے۔ (علم المعانی الزیادۃ)
ملحوظہ: آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امع الکلم عطا فرمائے گئے تھے؛ اور کلام جامع اس کلام کو کہتے ہیں جس میں الفاظ کم ہوں اور معانی بے شمار ہوں، جیسے: ”الدِّينُ النَّصِيحَةُ“، ”الْمِعْدَةُ بَيْنَ الدَّاءِ وَالْحُمِيَّةِ رَأْسُ الدَّوَاءِ“ وغیرہ؛ ایسے فرامین بھی ایجازِ قصر میں داخل ہیں۔

”مَالِكَ عَشْرُونَ أَمْ ثَلَاثُونَ“ والے لمبے جملے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

④ تمام تر ادواتِ شرط، اس لیے کہ وہ بھی شرطیت کے ساتھ زمان و مکان پر، نیز اُن مخفی اسرار پر دلالت کرتے ہیں جن کا ذکر اطلاقِ تقيید میں ہوا۔

⑧ تمام الفاظِ عموم جیسے: مَا، مَنْ، كُلُّ وغیرہ۔

⑨ حذفِ مفعول بھی ایجازِ قصر کی انواع میں سے ہیں۔

⑩ بابِ تنازع بھی (امام فراء کی رائے مطابق) ایجازِ قصر کے قبیل سے ہے۔

(الزيادة والاحسان في علوم القرآن) بزيادة

دوائی ایجاز:

ایجاز کے دوائی پانچ ہیں: تَسْهِيلُ الْحِفْظِ، تَقْرِيبُ الْفَهْمِ، ضِيقُ الْمَقَامِ، دَفْعُ السَّامَةِ، الْإِخْفَاءُ.

① تسهيل الحفظ: مضمون کے محفوظ رکھنے کو آسان بنانا؛ ② تقريب الفهم: مضمون کو ذہن سے نہایت قریب کر لینا؛ ③ ضيق المقام: مقام میں تنگی ہونا؛ ④ دفع السامة: طویل گفتگو کر کے مخاطب کو اکتاہٹ میں ڈالنے سے احتراز کرنا؛ ⑤ الاخفاء: مخاطب کے علاوہ سے بات مخفی رکھنا۔

ایجازِ حذف

② **ایجازِ حذف:** وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں کسی جز و کلمہ، کلمہ، ایک جملہ یا از انداز جملہ

عبارت کو حذف کر کے مقصود کو بیان کیا گیا ہو، جیسے: ﴿وَسَّئِلِ الْقَرْيَةِ﴾^① [یوسف: ۸۲]۔

ملفوظ: حذف خلافِ اصل ہے؛ لیکن اس کے فوائد بھی بے حد ہیں؛ لہذا کلامِ عرب میں بالخصوص کلامِ الہی میں حذف بکثرت ہے؛ حذف کے فوائد یہ ہیں:

① أي: أهل القرية.

① ایجاز و اختصار ② احترام و عزت ③ اس بات پر متنبہ کرنا کہ: اہل زمانہ محذوف کو ذکر کرنے سے عاجز ہیں ④ محذوف کو ذکر کرنا یہ اصل مقصد کوفت کرنے والا ہو ⑤ (الزیادۃ) ملخصاً ایجاز حذف کی اصالت چار صورتیں ہیں: حَذْفُ حَرْفٍ، حَذْفُ كَلِمَةٍ، حَذْفُ جُمْلَةٍ، حَذْفُ الْأَكْثَرِ مِنْ جُمْلَةٍ.

① حذف حرف، جیسے: ایک قراءت کے مطابق باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَنَادُوا يَا مَالٍ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ ② [الزخرف: ۷۷].

② حذف کلمہ، جیسے: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾ ③ [يوسف: ۲۹].

③ حذف جملہ، جیسے: ﴿وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ④ [البقرة: ۶۰].

ملحوظہ: حذف جملہ سے مراد وہ جملہ تامہ ہے جو مستقبل معنی کا فائدہ دے، اور دوسرے کلام کا جزو نہ ہو، اسی وجہ سے حذف معطوف، حذف جواب قسم وغیرہ معنی نہ دینے کی وجہ سے جزو کلام میں داخل ہیں۔ (علم المعانی)

④ حذف زائد از جملہ، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ﴾ [يوسف: ۱۵]، أي: إلى يوسف لاستعبره الرؤيا، فأرسلوه إليه،

① ملحوظہ: حذف کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: حذف کا کوئی داعی ہو، اور محذوف کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی ہو، تاکہ یہ حذف فہم معنی میں محال نہ ہو۔

② اور دوزخی لوگ (عذاب کی شدت اور تکلیف سے مایوس ہو کر مالک سے) پکار کر کہیں گے کہ: اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ یہاں دوزخی لوگ شدت تکلیف سے فرشتے کے پورے نام کو ذکر کرنے کے بجائے ترخیماً یا مآل کہیں گے۔ (علم المعانی)

③ اے یوسف اس واقعہ کو جانے دے: چوں کہ یہ مقام حزن و ملال کی وجہ سے تنگی کا تھا، لہذا حرف ندا کو حذف کر دیا، اور پورے واقعہ کی طرف اجمالاً ﴿هَذَا﴾ کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔

④ یہاں ﴿اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ﴾ دراصل ﴿اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَضْرَبَ فَانْفَجَرَتْ﴾ تھی جس سے لفظ ”فَضْرَبَ“ کا حذف کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سرعتِ اتثال پر دلالت کرتا ہے۔ (علم المعانی)

فَاتَّاهُ، وَقَالَ لَهُ: ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ [یوسف: ۴۵]

حذفِ کلمہ کی مختلف صورتیں

ملحوظہ: حذفِ کلمہ کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً: حذفِ حروف، حذفِ مسند الیہ، حرفِ مسند، حذفِ متعلق فعل، حذفِ مضاف، حذفِ مضاف الیہ، حذفِ موصوف، حذفِ صفت، حذفِ قسم، حذفِ جواب قسم، حذفِ شرط، حذفِ جواب شرط، اور حذفِ معطوف وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں ان تمام محذوفات کی امثلہ بکثرت موجود ہیں^①۔ (علم المعانی)

① چوں کہ کلام میں محذوف کی شناخت کے بغیر صحیح معنی و مفہوم تک رسائی دشوار ہوتی ہے؛ لہذا کلام اللہ سے اس کی چند صورتیں مع امثلہ تحریر کی جاتی ہیں:

- (۱) مضاف کا حذف، جیسے: ﴿لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ﴾ اصل میں: لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ ہے۔
- (۲) موصوف کا حذف، جیسے: ﴿وَأَتَيْنَا مُؤَذَّاتٍ مُبْصِرَةٍ﴾ اصل میں: آيَةٌ مُبْصِرَةٌ ہے۔
- (۳) مضاف اول کا حذف، جیسے: ﴿عَلَىٰ مَلِكٍ سُلَيْمَنَ﴾ اس کی اصل: عَلَىٰ عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمَنَ ہے۔
- (۴) مرجع مفعول کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اس کی اصل: أَي: أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ ہے۔
- (۵) فعل کا حذف، جیسے: ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ اس کی اصل: كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ إِمَضٍ ہے۔
- (۶) مرجع فاعل کا حذف، جیسے: ﴿حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ اس کی اصل: حَتَّىٰ تَوَارَتْ الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ ہے۔
- (۷) مفعول بہ کا حذف، جیسے: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَّكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ اس کی اصل: فَلَوْ شَاءَ هَدَّابَيْتَكُمْ لَهْدَاكُمْ ہے۔
- (۸) مفعول بہ ثانی کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ اس کی اصل: إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ إِلَهًا ہے۔
- (۹) حرفِ نفی کا حذف، جیسے: ﴿تَفْتَوُا تَذَكَّرُ يُوسُفُ﴾ اس کی اصل: لَا تَفْتَوُ تَذَكَّرُ ہے۔
- (۱۰) حرفِ جر کا حذف، جیسے: ﴿أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ﴾ اس کی اصل: كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ہے۔
- (۱۱) قول کا حذف، جیسے: ﴿فَطَلَّكُمْ تَفَكَّهُونَ: إِنَّا لَمُغْرَمُونَ﴾ اس کی اصل: تَقُولُونَ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ہے۔
- (۱۲) مبتدا کا حذف، جوابِ استفہام میں بہ کثرت ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَطَمَةُ، نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ﴾ اصل میں: ہی نار اللہ ہے۔

- (۱۳) خبر کا حذف، جیسے: ﴿أَكُلْهَا ذَاتِمٌ، وَظَلَّهَا﴾ اصل میں: وظلها دائم ہے۔
- (۱۴) جزاء کا حذف، جیسے: ﴿إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ اس کی اصل: إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ، أَعْرَضُوا ہے۔
- (۱۵) جملہ کے بعض حصہ کا حذف، جیسے: ﴿تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾ اس کی اصل: تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝

اعراض حذف

- ① ایجاز (جملوں کا حذف)، ② اختصار (مطلق حذف)، ③ احتراز عن العبث، ④ تنبیہ کرنے کے لیے کہ: محذوف کو ذکر کرنے سے زمانہ قاصر ہے، ⑤ جزو کلام کو ذکر کرنا اہم مقصد کو فوت کر دے، ⑥ حذف کی وجہ سے پیدا ہونے والے ابہام سے تعظیم یا تفخیم کی طرف اشارہ کرنا، ⑦ سامع کے تنبیہ یا مقدار تنبیہ کا امتحان لینا، ⑧ تعظیم، ⑨ تحقیر، ⑩ تعین، ⑪ ادعائے تعین۔

وَعَنْ الشَّامِلِ ہے۔

(۱۶) لائے نافیہ کا حذف، جیسے: ﴿إِنِّي أَعْظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ اس کی اصل: أَنْ لَا تَكُونَ ہے۔ (جلالین، آسان اصول تفسیر)

(۱۷) حذف موصول: ﴿أَمَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ اصل میں: وبالذي أنزل إليكم۔

(۱۸) حذف صفت: ﴿يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَضْبًا﴾ اصل میں: سفينة صالحة ہے۔

(۱۹) حذف معطوف: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٍ﴾ اصل میں: من قبل الفتح ومن أنفق بعده ہے۔

(۲۰) حذف معطوف علیہ: ﴿إِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، فَانْفَجَرَتْ﴾ اصل میں: فاضرب فانفجرت ہے۔

(۲۱) حذف الفعل: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ، مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ؟ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ اصل میں: ليقولن خلقهم الله ہے۔

(۲۲) حذف تمييز: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اصل میں: تسعة عشر ملكا ہے۔

(۲۳) حذف حرف ندا: ﴿أَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ﴾ اصل میں: يا عباد الله ہے۔

(۲۴) جواب قسم: ﴿وَالْتَرَعْتَ غَرْقًا﴾ کے بعد میں: لتبعثن جواب قسم محذوف ہے۔

(۲۵) حذف شرط: ﴿فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ، وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اصل میں: فإن تتبعوني يحبكم الله ہے۔

(الزيادة والاحسان)

ملفوظ: یاد رہے کہ قرآن کریم میں حروف مشبہ بالفعل کے اسماء کا، افعال ناقصہ کے اسماء کا، اور اُن مصدریہ پر حرف جر کا حذف کرنا شائع و ذائع ہے؛ اسی طریقے سے اِذْ ظرفیہ کا متعلق عام طور پر محذوف رہتا ہے، اور کبھی کبھی لَوْ شرطیہ کی جزاء حذف کر دی جاتی ہے۔ ایسی جگہ ادنیٰ تا مل اور غور و فکر سے صحیح مفہوم و مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(آسان اصول تفسیر)

متعلقات فعل میں حذف کی اغراض: (۱۲) اختصار کے ساتھ عمومیت بتلانا، (۱۳) محض اختصار کا فائدہ دینا، (۱۴) فاصلہ کی رعایت کرنا۔

فصل ثانی: اطناب

اطناب: وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں تاکید و تقویت وغیرہ کے فوائد کے لیے الفاظ کو معانی سے زیادہ لانا، جیسے: ﴿تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحُ﴾ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿۱﴾ [القدر: ۴]۔

اطناب کی مختلف صورتیں ہیں:

ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ، ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ، الْإِيضَاحُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ، التَّكْرِيرُ لِمَعْرُضٍ: كَالْتَقْرِيرِ، وَالتَّذْكِيرُ وَالتَّأْكِيدُ، وَالتَّعْظِيمُ وَالتَّهْوِيلُ، وَالْحَثُّ عَلَى التَّذَبُّرِ وَالتَّذْكَرِ، وَإِظْهَارِ الضُّعْفِ؛ زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ، تَكْثِيرُ الْجَمَلِ، التَّوَكُّيدُ، النَّعْتُ، طَوْلُ الْفَصْلِ، الْاِغْتِرَاضُ، الْاِحْتِرَاسُ وَالتَّكْمِيلُ، الْاِیْغَالُ، التَّثْمِيمُ، التَّوْشِيْعُ، التَّذْيِيلُ۔

① **ذکر الخاص بعد العام:** (عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا) خاص کا امتیاز اور فوقیت بتلانے کے لیے عمومی تذکرہ کے بعد بطور خاص ذکر کرنا، جیسے: ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ﴾ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قُنَيْنَيْنِ ﴿۱﴾ [البقرة: ۲۳۷]؛ ﴿يَصُدِّكُمْ عَنْ

① یہاں روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، اول بار ملائکہ کے عموم میں ضمناً، اور ثانیاً حضرت جبریل علیہ السلام کی تکریم و تعظیم واضح کرتے ہوئے مستقلاً ذکر فرمایا۔ (علم المعانی)

حشو و تطویل: کلام کی زیادتی میں کوئی فائدہ نہ ہو تو زیادتی کے متعین ہونے کی صورت میں ”حشو“ کہیں گے، جیسے: قَرَأْتُ الْقُرْآنَ الْيَوْمَ وَالْأَمْسَ قَبْلَهُ، میں نے قرآن شریف کی تلاوت کی آج اور گزشتہ کل جو آج سے پہلے ہے، یہاں ”الأمس“ کے بعد ”قبلہ“ زائد ہے؛ کیوں کہ ایوم کا مقابل الأمس ہے؛ اور زیادتی کے غیر متعین ہونے کی صورت میں ”تطویل“ کہیں گے، جیسے: أَلْفَيْتُ قَوْلَ الْمُنَافِقِ كَذِبًا وَمَيْنًا، میں نے منافق کی بات کو جھوٹا پایا، اس مثال میں کذب اور مین میں سے کوئی ایک غیر متعین طور زائد ہے۔

ذَكَرَ اللَّهُ وَعَنْ "الصَّلَاةِ" ﴿١﴾ [المائدة: ۹۲].

﴿٢﴾ **ذکر العام بعد الخاص:** (خاص کے بعد عام کو ذکر کرنا) خاص کی شان کو اہمیت دینے کے لیے مخصوص طریقے پر ذکر کرنے کے بعد لفظ عام کے تحت ضمناً بیان کرنا، جیسے: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ ﴿٣﴾ [نوح: ۲۸]

﴿٣﴾ **ایضاح بعد الإبهام:** کسی معنی کو دو مختلف صورتوں میں ذکر کرنا، پہلے مجمل و مبہم طور پر، پھر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ، تاکہ وہ بات دل میں اتر جائے اور اثر انداز ہو، جیسے: ﴿وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝﴾ [الشعراء: ۱۳۲-۱۳۴]؛ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۝﴾ ﴿٣﴾.

﴿٣﴾ **تکریر لغرض كالتقرير:** ایک لفظ یا جملے کو دو یا زیادہ مرتبہ اعادہ کرنا؛ تکرار کی غرضیں مختلف ہیں ان میں سے ایک غرض سامعین کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے اعادہ کرنا، جیسے: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝﴾ ﴿٣﴾ [التكاثر: ۳-۴].

﴿١﴾ تم لوگ سب نمازیں خصوصاً درمیانی نماز یعنی نماز عصر اہتمام کے ساتھ ادا کرتے رہو؛ یہاں صلاۃ وسطیٰ کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، پہلی صلوات کے ماتحت، اور دوبارہ اس کے امتیاز اور فوقیت کو بتانے کے لیے مستقلاً ذکر کیا۔ گویا صلاۃ وسطیٰ اپنے امتیاز کی وجہ سے صلوات کے علاوہ دوسری جنس ہے؛ اسی طرح مثال ثانی میں صلاۃ ذکر میں داخل تھا۔

﴿٢﴾ یہاں پر ﴿لِي﴾، ﴿لِوَالِدَيَّ﴾ اور ﴿مَنْ دَخَلَ بَيْتِي﴾ کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ﴿لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ﴿لِلْمُؤْمِنَاتِ﴾ کے ضمن میں دوبارہ ذکر فرمایا گیا۔ (علم المعانی)

﴿٣﴾ آیت اولیٰ: اللہ نے تمہاری مدد کی ایسی چیزوں کے ذریعہ جنہیں تم جانتے ہو، مدد کی تمہاری چوپایوں اور بیٹوں کے ذریعہ۔ یہاں باری تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اولاً ﴿مَا تَعْلَمُونَ﴾ میں اجمالی طور پر ذکر کیا، پھر تفصیلاً ﴿أَنْعَامٍ وَبَنِينَ﴾ اور ﴿جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ کو ذکر فرمایا، تاکہ امتنان کا مضمون دل میں پختگی کے ساتھ اتر جائے؛ آیت ثانیہ: اس آیت کے بارے میں امام بیہقی شرح اسماء الحسنیٰ میں فرماتے ہیں کہ: ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ یہ ﴿الْقَيُّومُ﴾ کے اجمال کی تفصیل اور وضاحت ہے۔ (علم البدیع، الزیادۃ)

﴿٣﴾ یہاں تقریر انداز کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے کہ: دیکھو تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں کہ: مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے، عن قریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہے ہرگز خسرو ۷

⑤ **تکریر لغرض:** تکریر کی پانچ اغراض (برائے تقریر، تذکیر و تاکید، تعظیم و تہویل، حث علی التدریج، اظہار ضعف) اور ان کی امثلہ کے لیے ”بدیع القرآن“ کو ملاحظہ فرمائیں۔

⑥ **زیادۃ التقریر:** مخاطب کے سامنے کسی چیز کو خوب واضح کرنا، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝﴾ [الإخلاص: ۱-۲]؛ ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ [الإسراء: ۱۰۵]۔

④ **تکثیر الجمل:** ایک جملے میں ادا ہونے والے مضمون کو ایک سے زائد جملوں میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ، وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝﴾ ① [البقرة: ۱۶۴]۔

⑧ **توکید:** کسی بات کو ثابت اور پختہ کرنے کے لیے، جیسے واقعہ اِفک کے بارے میں باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ ۖ وَتَقُولُونَ بِ”أَفْوَهِكُمْ“ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ﴾ ② [النور: ۱۵]۔

• مباحات کے لائق نہ تھی؛ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے؛ یہاں لفظ ﴿كَلَّا﴾ تقریرِ انذار کے لیے ہے؛ یعنی: آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیشِ آخرت کا ہے اور دُنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے؛ لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائے گی؛ فقد أكد الإنذار بتكراره ليكون أبلغ تحذيرا وأشد تخويفا، ونزل بعد المرتبة منزلة البعد الزمني فعطف ب”ثم“۔ (علم المعانی)

① یہ خطاب اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنی وحدانیت کے مضمون کو سمجھانے کے لیے اطناب سے کام لیا ہے تاکہ یہ خطاب ہر قسم کے متفکرین (جن و انس، عالم و جاہل، موافق و مخالف میں سے ہر ایک) کے لیے ہر زمانہ میں عام ہو جائے۔ اسی طرح ایمان کی شرافت اور کفر کی قباحیت میں مطیعین کی کامیابی اور عاصیوں کی ناکامی بیان کرنا، نیز نیکو کاروں کی الگ خوبیوں کو ذکر کر کے اس پر ابھارنا، اور بدکاروں کی مختلف بری عادتوں کو ذکر فرمانا؛ وغیرہ مضامین میں اللہ پاک نے اطناب سے کام لیا ہے۔ (الزیادۃ والا حسان)

② اس بہتانِ عظیم اور بڑے گناہ (واقعہ اِفک) میں ابتلاء کو بتلانے کے لیے ﴿أَلْسِنَةً﴾ اور ﴿أَفْوَہ﴾ کو بڑھایا گیا ہے۔

⑨ **نعت:** کلام میں کسی صفت (نحویہ) کو ذکر کرنا بھی اطناب کے قبیل سے ہے، اور اس کے چار مقاصد ہیں:

- ① صفت لا کر نکرہ میں تخصیص پیدا کرنا، جیسے: ﴿فَتَخْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ [النساء: ۹۲]
- ② صفت لا کر معرفہ کی توضیح کرنا، جیسے: ﴿وَرَسُولُهُ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ [الأعراف: ۱۵۸]
- ③ مدح و ثنا کرنا: ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ... أَلَمَلِكُ الْقُدُّوسُ﴾ [الحشر: ۲۲]

④ برائی کرنا، جیسے: ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [النحل: ۹۸]

⑩ **تکریر بطول الفصل:** کلام کے کسی جزء کو ذکر کرنے کے بعد کلام طویل ہو گیا ہو تو دوسرے جزء کو ذکر کرنے سے پہلے ماقبل میں ذکر کردہ جزء کا دوبارہ اعادہ کرنا، جیسے: ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فِتْنُوا ثُمَّ جُهِدُوا وَصَبَرُوا، إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [النحل: ۱۱۰]

⑪ **اعتراض:** ایک ہی کلام کے درمیان، یاد و متصل المعنی کلام کے درمیان ایک جملہ، یا از انداز جملہ عبارت کو۔ جس کا محل اعراب نہ ہو۔ دفع ایہام کے علاوہ کسی اور نکتے۔ مثلاً: تنزیہ، تعظیم، تقریر یا دعاء وغیرہ۔ کے لیے ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ - سُبْحَنَهُ - وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ﴾ [النحل: ۵۷]، ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ التُّجُومِ - وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّو تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ - إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ [الواقعة: ۷۵-۷۷]

① مذکورہ آیت میں ﴿إِنَّ﴾ کے اسم ﴿رَبَّكَ﴾ اور اس کی خبر ﴿لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ کے درمیان طویل کلام ہو جانے کی وجہ سے خبر سے پہلے دوبارہ ﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ کا اعادہ فرمایا ہے؛ ان دونوں جگہوں میں مزید معنی ربو بیت کی تاکید بھی واضح ہوتی ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: اس میں ﴿سُبْحَنَهُ﴾ کو برائے تنزیہ ذکر کیا ہے۔ آیت ثانیہ: میں اُن جگہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی زبردست قسم ہے۔ کہ: یہ بڑا باوقار قرآن ہے؛ دیکھیے! یہاں قرآن کی عظمت و رفعتِ شان کو بتلانے کے لیے قسم، و جوابِ قسم کے درمیان ﴿وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّو تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ﴾ کو

زائد از جملہ عبارت کو لانے کی مثال: ﴿قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ - وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ، وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ - وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾^① [آل عمران: ۳۶]

⑫ **احتراس و تکمیل:** خلاف مقصود کا وہم پیدا کرنے والے کلام میں ایسی قید کا اضافہ کرنا جو اس وہم کو دور کر دے، جیسے: ﴿وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ [النمل: ۱۷]؛ اور آپ ﷺ کا حسنؑ یا حسینؑ کے بارے میں فرمان: إِنَّكُمْ لَتُخْلَوْنَ وَتُحْبَبُونَ وَتُجْهَلُونَ؛ وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللَّهِ^②۔ (الترمذی)

⑬ **ایغال:** کلام شعر یا کلام نثر کو ایسے لفظ (رکن کلام یا قید) پر ختم کرنا جو ایسا نیا فائدہ دے جس کے بغیر کلام کا مقصد مکمل ہو چکا ہو، جیسے: ﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى، قَالَ يَقَوْمِ! اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۖ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا، وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾^③ [یس: ۲۰]

① ذکر کیا ہے۔ مزید برآں اسی جملہ معترضہ کے درمیان ﴿لَقَسَمَ - عَظِيمٌ﴾ موصوف صفت کے بیچ ﴿لَوْ تَعْلَمُونَ﴾ کو ذکر کیا ہے؛ یعنی: جس طرح ستاروں کا نظام انتہائی مستحکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی نہایت محکم اور ناقابل شکست نظام کے تحت نازل کیا گیا ہے۔ اور تقریر کی مثال: ﴿قَالُوا تَاللَّهِ - لَقَدْ عَلِمْتُمْ - مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ﴾ [یوسف: ۷۳] (علم المعانی)؛ اور دعا کی مثال: أَنَا - حَفِظَكَ اللَّهُ - مَرِيضٌ۔

② اس جگہ امراءت عمران کے دو قولوں کے درمیان ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ﴾ الخ کو تسلی اور تبشیر کے لیے ذکر کیا ہے۔ (علم المعانی)

③ مثال اول: یعنی: ہاتھ گر بیان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے؛ دیکھئے! اس آیت میں ﴿مِنْ غَيْرِ سُوءٍ﴾ نے برص اور کوڑھ کی بیماری ہونے کے وہم کو دور کیا ہے۔

مثال ثانی: اس حدیث کی تشریح میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: ابتدائے کلام: - اولاد والدین کو بخیل، بزدل اور جاہل بناتی ہیں - سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ: اولاد کا معاملہ اگر ایسا ہی ہے تو ان کی طرف توجہ کرنا؛ بلکہ دیکھنا بھی نہ چاہیے؛ اس وہم کو آقا ﷺ نے ”إِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللَّهِ“ سے دور کیا ہے۔ ریحان: ایک قسم کی پسندیدہ خوشبو ہے جو دل میں فرحت و سرور پیدا کرتی ہے، یعنی: ہاں! تمہارا وجود باعث فرحت و سرور ہے!۔ (اللوکب الدری)

④ شہر کے پرلے علاقے سے ایک شخص (حبیب نجار) دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو! جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگ رہے، اور وہ لوگ (انبیاء و رسل) صحیح راستے پر ہے؛ دیکھیے! یہاں ﴿وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ میں ایغال ہے؛ کیوں کہ تمام انبیاء و رسل ہدایت یافتہ ہی ہوتے ہیں؛ لیکن زیادتی ترغیب اور انبیاء کی اتباع و اقتداء پر ابھارنے کے لیے ﴿وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ کو بڑھایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

⑬ **تتمیم:** کلام میں (رکنین سے زائد) کوئی ایسی قید لانا جو بلاغت کے کسی نکتے (مثلاً: مبالغہ وغیرہ) کا فائدہ دے، اور معنی کلام میں حسن پیدا کر دے، جیسے: ﴿وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ﴾ [البقرة: ۱۷۷]؛ ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ ① [الدھر: ۸] ملحوظہ: تتمیم اور ایغال میں فرق یہ ہے کہ:

- ① تتمیم فضلہ ہی میں ہوتا ہے، جب کہ ایغال فضلہ کے ساتھ مقید نہیں۔
- ② تتمیم وسط کلام اور آخر کلام دونوں جگہ ہوتا ہے، جب کہ ایغال آخر کلام ہی میں ہوتا ہے۔
- تتمیم اور تکمیل میں فرق یہ ہے کہ:
- ① تتمیم کسی بلاغتی نکتے کے لیے ہوتا ہے جب کہ تکمیل غیر مرادی وہم کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

② تتمیم فضلہ کے ساتھ مقید ہے جب کہ تکمیل فضلہ کے ساتھ مقید نہیں۔ (علم المعانی)

⑮ **تَوْشِيع:** یعنی کبھی کسی کلام کے اخیر میں مثنیٰ کو لایا جائے پھر اس کی دو مفردوں کے ذریعے تفسیر کی جائے، جیسے: ﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ: هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ، وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ ② [فرقان: ۵۳]

① آیت اولیٰ: یعنی: نیکی یہ ہے کہ: لوگ باوجود مال کی خواہش اور احتیاج کے (یا اللہ کی محبت میں) اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سانلوں کو دیں۔ آیت ثانیہ: مال کی خواہش اور ضرورت کے باوجود (یا اللہ کی محبت کے جوش میں) اپنا کھانا نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں؛ دیکھیے! یہاں ﴿حُبِّهِ﴾ کی ضمیر مال کی طرف لوٹائیں تو اس سے صحابہ اور مسلمانوں کے وصفِ ایثار و ہمدردی میں مبالغہ ہوگا کہ: یہ لوگ اپنی ضرورت اور چاہت کے باوجود حاجت مندوں پر خرچ کرتے ہیں، اور اس وقت یہ مثال ”تتمیم“ کے قبیل سے ہوگی؛ لیکن اگر ﴿حُبِّهِ﴾ کی ضمیر باری تعالیٰ کی طرف راجع کریں تو اس وقت یہ قید مقصود ہوگی، اصل کلام سے زائد نہ ہوگی؛ کیوں کہ رضائے الہی کے بغیر مال خرچ کرنا شرعاً محمود نہیں، اور اس وقت یہ مثال تتمیم کے قبیل سے نہ ہوگی۔ (علم المعانی)

② اور (اللہ کی ذات) وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا کہ: ایک بیٹھا ہے، جس سے تسکین ملتی ہے؛ اور ایک نمکین ہے سخت کڑوا؛ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کر دی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کر سکتا۔

۱۶) تذیل: مضمونِ کلام میں محض تاکید کا فائدہ دینے کے لیے ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو؛ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: جاری مجری الا مثال، غیر جاری مجری الا مثال۔

۱- تذیل جاری مجری الأمثال: اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو۔ بہ کثرت مستعمل ہونے کی وجہ سے۔ مستقل بالمعنی (یعنی: ما قبل جملے سے مستغنی ہونا) ہو، اور کسی حکم کلی کو متضمن ہونے کی وجہ سے بطور کہاوت استعمال کیا جاسکتا ہو، جیسے: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾^① [الإسراء: ۸۱]۔

۲- تذیل غیر جاری مجری الأمثال: اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو مستقل بالمعنی نہ ہو یعنی: اپنے ما قبل جملے سے مستغنی نہ ہو؛ بلکہ اس کا سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہو، جیسے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ، أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“^② [الأنبياء: ۳۴]؛ ﴿فَأَعْرِضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِم سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْنِ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِي أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ﴾ ”ذَلِكَ جَزَيْنَهُم بِمَا كَفَرُوا“ وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ“^③ [سبا: ۱۶-۱۷]۔

① اور اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے: حق آپہنچا، اور باطل مٹ گیا؛ اور یقیناً باطل ایسی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔ اس آیت میں اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کی خوش خبری ہے، چنانچہ جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا اور حرم میں داخل ہو کر کعبہ میں بنے بُت گرائے تو اُس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہی آیات تھیں؛ دیکھیے! یہاں جملہ ثانیہ ﴿إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ کا استعمال شائع ہے، اور اپنے معنی کا فائدہ دینے میں جملہ اولیٰ کا محتاج نہیں؛ نیز جملہ اولیٰ کے مضمون کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: دیکھیے! اس مثال میں ﴿أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ تذیل جاری مجری الأمثال کے قبیل سے ہے، اور ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ تذیل جاری مجری الأمثال کے قبیل سے ہے؛ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: کافر حضور ﷺ کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ: ساری دُھوم اس شخص کے دم تک ہے، یہ دُنیا سے رخصت ہوئے پھر کچھ نہیں! اس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ: موت کا آنا بُوت کے منافی ہے، تو اس کا جواب دیا ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ یعنی: انبیاء و مرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو؟ ہمیشہ زندہ رہے؟ اور محض آپ کی موت کے تصور سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا، تو اس کا جواب ﴿أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ میں دیا، یعنی: خوشی کا ہے ۷

دونوں تزییلوں کی مثال، باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ، وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ؛ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ﴾^① [التوبة: ۱۱۱]

ملفوظ: تزییل اور ایغال میں فرق یہ ہے کہ:

① تزییل خاص تاکید کے فائدے کے لیے ہوتا ہے، جب کہ ایغال تاکید کے علاوہ دیگر فوائد کے لیے بھی ہوتا ہے۔

② تزییل درمیان اور آخری کلام دونوں جگہ ہوتا ہے، جب کہ ایغال آخر کلام میں ہوتا ہے۔

③ تزییل مکمل جملے سے ہوتا ہے، جب کہ ایغال میں جملہ اور غیر جملہ دونوں ہوتا ہے۔

(علم المعانی)

اطناب کی مزید انواع

① جملوں کی کثرت، ② حرف تاکید کو جملوں پر داخل کرنا، ③ حروف استفاحیہ کو داخل کرنا، ④ حرف تنبیہ کو داخل کرنا، ⑤ تاکید لفظی لانا، ⑥ تاکید معنوی لانا، ⑦ تاکید بذریعہ مفعول مطلق، ⑧ تاکید بذریعہ حال مؤکدہ، ⑨ تکریر لاغراض، ⑩ صفت، ⑪ بدل،

❖ کی؟ کیا آپ انتقال ہو جائے، تو تم بھی نہیں مرو گے! قیامت تک بورے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے، تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے! (دیکھیے! اس جملے کا معنی سمجھنا پہلے پر موقوف ہے)؛ پھر فرمایا: اس راستے سے تو سب کو گذرنا ہے، کون ہے جس کو موت کا مزہ چکھنا نہ پڑے گا! (اس جملے کا معنی سمجھنا پہلے جملے پر موقوف نہیں) (علم المعانی نوآمد)

آیت ثانیہ: اس آیت کریمہ میں ﴿وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ﴾ کے معنی کا سمجھنا ماقبل پر موقوف ہے، لہذا یہ تَظْهِيْلٌ غَيْرُ جَارِيٍّ مَجْرَى الْأَمْثَالِ ہے۔

خلاصہ کلام: اگر دوسرا جملہ بہ کثرت مستعمل ہونے کی وجہ سے مستقل بالمعنی ہے، تو اسے ”تزییل جاری مجری الـامثال“ کہتے ہیں، اور اگر دوسرے جملے کا معنی سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہو تو اسے ”تزییل غیر جاری مجری الـامثال“ کہتے ہیں۔

① اس آیت میں ﴿وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا﴾، ”یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ تورات اور انجیل میں بھی لی تھی“، یہ تَظْهِيْلٌ غَيْرُ جَارِيٍّ مَجْرَى الْأَمْثَالِ کے قبیل سے ہے؛ اور ﴿وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ﴾، اور ”کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو“؛ یہ تَظْهِيْلٌ جَارِيٍّ مَجْرَى الْأَمْثَالِ کے قبیل سے ہے۔ (علم المعانی)

⑫ عطف بیان، ⑬ الفاظ مترادفہ کو ایک ساتھ استعمال کرنا۔ (الزیادة والاحسان) بزیادة

اطناب کے دواعی

ملحوظہ: اطناب کے دواعی چار ہیں: تَثْبِيْتُ الْمَعْنَى، تَوْضِيْحُ الْمَرَادِ، التَّوَكُّيدُ، دَفْعُ الْإِيهَامِ.

① تثبیت المعنی: مضمون کے تمام گوشوں کو دلائل سے ثابت کرنا (یہ اُسلوب قرآن مجید میں بہ کثرت ہے)، اور قسموں کو ذہن میں بٹھانا، ② توضیح المراد: مقصود کو واضح کرنا، ③ توكید: مضمون کو مؤکد کرنا، ④ دفع الایہام: اختصار کی صورت میں وہم پیدا ہو سکتا ہو اس سے احتراز کرنا۔

مساوات

مساوات: معنی مقصود کی ادائیگی کا وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں درمیانی لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ معانی کے بقدر رہوں، یعنی: الفاظ نہ زیادہ ہوں، اور نہ ہی کم، جیسے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ ① [الأنعام: ۶۸]؛ اور آپ ﷺ کا فرمان: ”الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ، وَمَا بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ. ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: ایجاز، اطناب اور مساوات کا مدار اوساط الناس کے عرف پر ہے، لہذا حدیث نبوی اوساط الناس کے عرف کے مطابق مساوات کی مثال ہوگی؛ ورنہ بلغاء اور فقہاء کے نزدیک یہی مثال ایجاز قصر کی ہے، جیسا کہ مسائل فقہیہ اور دلائل سے خوب واضح ہے۔ (علم المعانی)

فائدہ: مساوات ایک اضافی اُسلوب ہے، اس کی تعیین کے لیے ایجاز و اطناب کی انواع کو مد نظر رکھنا ضروری ہے؛ لہذا انواع ایجاز قصر (ص: ۲۰۴)، اور اطناب کی انواع (ص: ۲۰۹-۲۱۶) کو ضرور سامنے رکھا جائے۔

① اس آیت میں کُفَّار کے آیات اللہ سے استہزاء و عیب جوئی کے وقت اُن سے کنارہ کشی کرنے کا حکم ہے؛ اس مثال میں الفاظ بہ قدر معانی ہیں، نہ کم ہیں نہ زیادہ۔

تتمہ علم المعانی

خلاف مقتضائے حال

- ① کیا کبھی کلام کو مقتضائے حال کے خلاف بھی لایا جاتا ہے؟
- ② اگر کلام کو مقتضائے حال کے خلاف لایا گیا ہے تو اس کی پندرہ اغراض میں سے کیا ہے؟
- ③ اگر التفات ہے تو اس کی چھ صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟
- ④ تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضي ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑤ تعبیر عن الماضي بلفظ المستقبل ہے تو اس کی دو غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑥ قلب ہے تو اس کی کون سی صورت ہے؟
- ⑦ وضع الخبر موضع الانشاء ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑧ وضع الانشاء موضع الخبر ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑨ تجاہل عارفانہ ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

خلاف مقتضائے حال

ما قبل میں بیان کردہ قواعد کے مطابق کلام کرنا، مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا کہلاتا ہے؛ لیکن کبھی ظاہر کے خلاف بعض ایسے احوال و اعتبارات بھی ہوتے ہیں جن کو متکلم ملحوظ رکھنا چاہتا ہے؛ ایسے مواقع پر ظاہر حال سے اعراض کیا جاتا ہے، جس کو خلاف مقتضائے ظاہر کلام کرنا کہا جاتا ہے، مثلاً: حکم کے بابت خالی الذہن یا مترّد یا منکر مان لینا، یا مترد فی الحکم کو حنالی الذہن یا منکر متصوّر کرنا، یا منکر حکم کو خالی الذہن کے درجے میں اُتار کر کلام کرنا۔

اخراج الکلام علی خلاف مقتضی الظاہر کی بعض انواع یہ ہیں:

الالتفات، وَضْعُ الْمُظْهَرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ، وَضْعُ الْمُضْمَرِ مَوْضِعَ الْمُظْهَرِ، التَّعْبِيرُ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ بِلَفْظِ الْمَاضِي، تَعْبِيرُ عَنِ الْمَاضِي بِلَفْظِ الْمُسْتَقْبَلِ، التَّغْلِيْبُ، الْقَلْبُ، اُسْلُوبُ الْحَكِيمِ، تَنْزِيلُ الْعَالِمِ مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ، تَنْزِيلُ غَيْرِ الْمُنْكَرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكَرِ، تَنْزِيلُ غَيْرِ الْمُنْكَرِ مَنْزِلَةَ السَّائِلِ الْمُرَدَّدِ، تَنْزِيلُ الْمُنْكَرِ مَنْزِلَةَ غَيْرِ الْمُنْكَرِ، وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْإِنْشَاءِ، وَضْعُ الْإِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ، تَجَاهُلُ الْعَارِفِ.

① **التفات:** کلام کو تکلم، خطاب اور غیبیوت میں سے کسی ایک اُسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا، تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہو جائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے؛ اس کی چھ صورتیں ہیں، تفصیل ”بدیع القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

② **وضع المظهر موضع المضمّر:** کسی غرض (مثلاً: زیادہ تقریر) کے لیے اسم ظاہر کے استعمال کی جگہ اسم ضمیر کو لانا، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ [الإخلاص: ۱-۲]؛ برائے تاکید، جیسے: ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ [الإسراء: ۱۰۰]

① آیت اولیٰ: اس کلام کا مقتضا تو یہ تھا کہ ”هو الصمد“ کہا جاتا؛ لیکن ذہنوں میں اللہ کی بے نیازی کو بٹھانے کے لیے اسم ظاہر، اور وہ بھی لفظ جلالہ کو ذکر کیا گیا۔ آیت ثانیہ: کلام کا مقتضا تو یہ تھا کہ ”وبہ نزل“ فرمایا جاتا؛ لیکن تاکید پیدا کرنے کے لیے اسم ظاہر کو لایا گیا، نیز حصر کے فائدے کے لیے ﴿وَبِالْحَقِّ﴾ کو مقدم بھی کیا گیا۔

ملفوظ: کبھی اسم ضمیر کی جگہ اسم اشارہ لا کر مخاطب کی غباوت اور بے وقوفی پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: فرزدق نے جریر سے کہا: شعر:

أُولَئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ ﴿٦٦﴾ إِذَا جَمَعْتُنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ ①

③ **وضع المضمَر موضع المظهر:** کسی غرض سے اسم ظاہر کی جگہ ضمیر کا استعمال کرنا، جیسے: ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا؛ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ ② [الحج: ٤٦]

ملفوظ: ضمیر شان اور ضمیر قصہ اسی قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ ابہام کے بعد وضاحت، اجمال کے بعد تفصیل کرنا نفس پر ایک خاص اثر چھوڑتا ہے۔

④ **تعبير عن المستقبل بلفظ الماضي:** کسی غرض سے مضارع کی جگہ ماضی استعمال کرنا، مثلاً:

① تنبیہ علی تحقیق الوقوع: فعل کے وقوع کے یقینی ہونے پر خبردار کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿أَتَى أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ ③ [النحل: ١٧] أي: يَأْتِي أَمْرُ اللَّهِ.

① یہاں مناسب تو یہ تھا کہ شاعر کہتا: هُمْ آبَائِي؛ کیوں کہ پہلی والی ابیات میں اُن کا تذکرہ ہو چکا تھا؛ لیکن شاعر نے مخاطب کی بے وقوفی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے، اور برائے تعجیز فَجِئْنِي! امر استعمال فرمایا۔ (علم المعانی)

② ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں! جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے ہوں، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں؛ بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں؛ یہاں ﴿فَإِنَّهَا﴾ کی ”ہاء“ ضمیر قصہ جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں؛ لیکن چونکہ بعد آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے، اور اس مضمون کو دل و دماغ میں بٹھانا تھا؛ لہذا ابتداء ہی جملہ ذکر کرنے کے بجائے پہلے ضمیر قصہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ (علم المعانی) بزیادہ۔ اسی طرح حکم کی بجا آوری کے سبب کو قوی بنانے کے لیے متکلم اپنے غلام کو یوں کہے: ”سَيِّدُكَ يَا أَمْرُكَ بِكَذَا“ تیرا آقا تجھے یہ حکم دے رہا ہے۔

③ اللہ کا حکم آپہنچا! سو اس کی جلدی مت کرو، یعنی: خدا کا یہ حکم کہ پیغمبر علیہ السلام کی جماعت غالب و منصور اور ۷

② قرب الوقوع: وقوع فعل کے قریب ہونے کو بتانا، جیسے: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، أُنِی: قُرْبَ الْقِيَامِ لِلصَّلَاةِ①۔

③ تعریض: اشارۃً مبہم بات کرنا، یعنی صراحت نہ کرنا، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾② [الزمر: ۶۵]

ملحوظہ: تعبیر عن المستقبل باسم الفاعل، اور تعبیر عن المستقبل باسم المفعول بھی تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضي ہی کے قبیل سے ہے؛ کیوں کہ اسم فاعل ومفعول ایک قول کے اعتبار سے زمانہ ماضی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: ﴿وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ﴾ [الذاریات: ۶۰]؛ ﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَهُ النَّاسُ، وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾③ [ہود: ۱۰۳]

⑤ تعبیر عن الماضي بلفظ مستقبل: کسی غرض سے ماضی کی جگہ مضارع کو رکھا جاتا ہے، مثلاً:

• حق کے مخالفین مغلوب و ذلیل ہوں گے۔ اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی؛ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آپہنچا! اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے؛ یعنی: جس چیز کا آنا یقینی ہوا اُسے آئی ہوئی سمجھنا چاہیے، پھر جلدی مچانے کی ضرورت کیا ہے؟

① ”نماز قائم کرنے کا وقت بالکل قریب (مستقبل قریب) آپہنچا ہے“؛ یہاں مستقبل قریب میں موجود ہونے والی (یقینی) چیز کو بصیغہ ماضی تعبیر فرمایا۔ (جواہر)

② یعنی: اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت جائے گا، اور تو خسارے میں پڑے گا۔ یہاں آیت میں اس بات کی طرف تعریض ہے کہ: مشرکین کے اعمال مبہوت ہو چکے ہیں۔ (جواہر)

③ آیت اولیٰ: ”اور بے شک (آخرت میں) انصاف ہونا بالکل یقینی ہے“، أُنِی: إِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ۔ آیت ثانیہ: یوم حساب (تمام اولین و آخرین کے بیک وقت فیصلے کا دن) ایک دن ہے جس میں تمام لوگ اکٹھا ہوں گے، اور وہ سب لوگوں کی پیشی کا دن ہے، کہ وہاں کوئی غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ ان دونوں آیتوں میں مستقبل میں ہونے والی یقینی چیزوں کو اسم فاعل واسم مفعول (بمعنی: ماضی) سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے یقینی ہونے کو بتلہا رہا ہے۔

ملحوظہ: یہ یاد رہے کہ: فی الحال فعل سے متلبس (یعنی: زمانہ حال) کے لیے اسم فاعل واسم مفعول کا استعمال کرنا جمہور کا قول ہے؛ ورنہ ایک قول کے مطابق اسم فاعل ومفعول زمانہ ماضی میں فعل سے متلبس کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ (علم المعانی)

① حکایت حالت ماضیہ: زمانہ ماضی میں گزری ہوئی کسی حالت کو اس طور پر بیان کرنا کہ: خیال میں عجیب و غریب صورت کا استحضار ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا﴾ ① [فاطر: ۹]

② افادۃ الاستمرار فیما مضی: زمانہ گذشتہ میں استمرار فعل کا معنی دینے کے لیے، جیسے: ﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ﴾ ② [الحجرات: ۷]

③ تغلیب: دو یا چند ہمراہیوں یا ملتی جلتی (باہمی مربوط) چیزوں میں سے ایک کے لفظ کو دوسرے پر غلبہ دینا، بایں طور پر کہ دوسرے کے لفظ کو پہلے کے موافق بنالیا جائے، پھر ان دونوں کے الگ الگ معانی کو مراد لیتے ہوئے کسی ایک اسم کا تشبیہ لایا جائے، جیسے: ﴿وَكَاثَتٍ مِّنَ الْقُنْتِينِ﴾ ③ [التحریم: ۱۲]

ملفوظ: تغلیب کی مختلف صورتیں ہیں: تغلیب المذکر علی المؤنث، جیسے: ﴿فَكَانَتْ مِّنَ الْقُنْتِينِ﴾ ④ [التحریم: ۱۲]؛ تغلیب الاکثر علی الاقل، جیسے: ﴿لَخُخْرَجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا﴾ ⑤ [الأعراف: ۸۸]؛ تغلیب الاکثر علی غیرہ،

① اور اللہ ایسا ہے جس نے چلائی ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو؛ یہاں اللہ کی قدرت کا ملہ پر دلالت کرنے والی اس عجیب و غریب صورت کے استحضار کے لیے کہ: گویا ہوائیں بادلوں کو اٹھا رہی ہیں اور تو اس کا مشاہدہ کر رہا ہے؛ یہ بتانے کے لیے بجائے ”آثار“ کے ﴿ثُنْيُز﴾ کو استعمال کیا گیا ہے۔ (علم المعانی)

② اُی: لو استمرار علی اطاعتکم لہلکتکم، یعنی: اگر رسول اللہ تمہاری ہر بات برابر مانا کرتے رہتے تو بڑی مشکل ہوتی؛ کیوں کہ حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ (جواہر)

③ قیاس کے مطابق من القانتات آنا چاہیے تھا؛ لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے ﴿مِّنَ الْقُنْتِينِ﴾ فرمایا، اور یہ واضح کیا کہ: حضرت مریم۔ علیہا السلام۔ زہد و ریاضت میں مردوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ اور جیسے اب اور ام کو انبیین سے اور شمس و قمر کو قمرین سے تعبیر کرنا۔

④ آیت ثانیہ: یہاں اصحاب مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام سے دخول فی الکفر کا مطالبہ کیا تھا، نہ کہ عود فی الکفر کا؛ کیوں عود کرنا پہلے کفر کے سرزد ہونے پر دال ہے اور حضرت نے کفر بالکل نہیں کیا تھا؛ لیکن عام حالات میں لوگ کفر کے بعد ایمان لاتے ہیں۔ برخلاف انبیاء کے۔ لہذا تغلیباً لا اکثر ”عود“ کا لفظ استعمال فرمایا۔

جیسے حسن و حسین کے بارے میں: الْحَسَنَيْنِ کہنا۔

④ **قلب:** یعنی کلام کے دو جزوؤں میں سے ہر ایک کو کسی نکتے کے پیش نظر اس کے صاحب کی جگہ رکھنا؛ اس کی تین صورتیں ہیں:

① قلب اسناد، جیسے: ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾^① [قصص: ۱۴]، دراصل یوں تھا: حَرَّمْنَاهُ عَلَيْهِنَّ۔

② قلب عطف، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾، ”فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا“^② [الكهف: ۶۱]

③ قلب تشبیہ، جیسے: ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾^③ [البقرة: ۲۷۵]۔

⑧ **أسلوب حکیم:** کلام متکلم کو خلاف مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا؛ اس کی اولاد دو صورتیں ہیں، اور صورت اولیٰ کی تین شقیں ہیں؛ تفصیل ”بدیع القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

⑨ **تنزیل العالم منزلة الجاهل:** یعنی فائدہ خبر یا لازم فائدہ خبر سے واقف

① ہم نے دایوں کو روک رکھا تھا موسیٰ علیہ السلام سے؛ یہاں دراصل دایوں کو نہیں روکا تھا؛ بلکہ قدرت نے موسیٰ ہی کو روک رکھا تھا کہ: موسیٰ اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ پکڑے! یہاں روک رکھے جانے کی نسبت بحبائے موسیٰ کے دایوں کی طرف کرنا قلب اسناد کے قبیل سے ہے۔ (الاتقان)

② حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام جب دریا کے ملاپ کو پہنچے تو وہ دونوں اپنی بھونی ہوئی مچھلی بھول گئے (اور یوشع بھی مچھلی کے زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑنے کا واقعہ حضرت موسیٰ سے کہنا بھول گئے) ”پھر“ مچھلی نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ نما بنالیا۔ دیکھئے مچھلی کا دریا میں راستہ بنانے کا واقعہ پہلے ہوا تھا اور نسیان بعد میں طاری ہوا تھا، یعنی: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا، اتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَنَسِيَا حُوتَهُمَا، یہ مثال قلب عطف کے قبیل سے ہے۔ (الاتقان)

③ اصل گفتگو سود کے متعلق تھی، آئ کلین ربا محض نفع (مفروضہ وجہ شبہ) کی طرف دیکھتے ہوئے اس کو بیع کے مثل جائز قرار دیتے تھے؛ حالاں کہ بیع اور سود میں بڑا فرق ہے، ایک حلال ہے تو دوسرا حرام، ایک میں عاقبت کے اعتبار سے برکت ہے تو دوسرے کا انجام افلاس ہے؛ دیکھیے! آئ کلین ربا کا دعویٰ یہ تھا: إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ الْبَيْعِ فِي الْجَوَازِ، یعنی: سود جائز ہونے کے زیادہ لائق ہے؛ کیوں کہ اس سے بظاہر بلا مشقت زیادتی ہوتی ہے؛ لیکن انہوں نے مشبہ (سود) کو مشبہ بہ بنالیا، اور مشبہ بہ (بیع) کو مشبہ بنا کر اس تشبیہ کو مقلوب کر دیا ہے۔ (الاتقان)

کار انسان کو، ناواقف اور جاہل فرض کر لینا، جیسے تیرا قول اس آدمی کو جو اپنے والد کو تکلیف پہنچاتا ہو: هَذَا أَبُوكَ؛ ﴿أَفَسِحْرُ هَذَا! أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ﴾^① [الطور: ۱۰]۔

⑩ **تنزیل غیر المنکر منزلة المنکر:** غیر منکر (حکم سے خالی الذہن) مخاطب کو منکر فرض کر لیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى، وَلَا تَسْمَعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ﴾ [النمل: ۸۰]؛ ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ﴾^② [المؤمنون: ۱۰]۔

⑪ **تنزیل غیر المنکر منزلة السائل المتردد:** غیر منکر (خالی الذہن) مخاطب کو متردد تصور کر لیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾^③ [التوبة: ۴۰]۔

① یعنی: تم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے، ذرا اب بتلاؤ! کہ: یہ دوزخ۔ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی۔ کیا واقعی جادو، یا نظر بندی ہے؟ یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سو جھٹانہ تھا، اب بھی نہیں سو جھٹتا!۔ یہاں فرشتے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے تجاہل عارفانہ کے طور پر، یعنی: اپنے آپ کو جاہل کے درجے میں اتار کر یہ سوال کریں گے۔

② آیت اولیٰ: البتہ تو اپنی پکار نبی سنا سکتا مردوں کو، اور نبی سنا سکتا بہروں کو جب لوٹے وہ پیٹھ پھیر کر۔ یعنی: یہ لوگ دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلے، پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھتے تو کیسے دیکھیں؟ لیکن چوں کہ آپ ﷺ ان مشرکین کی ہدایت کے مشتاق تھے، اور ان تک اللہ کے احکامات پہنچانے میں اپنے آپ کو بے حد تھکاتے تھے؛ لہذا باری تعالیٰ نے آقا ﷺ کو منکر کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام پیش فرمایا۔

آیت ثانیہ: دیکھیے: مشرکین لوگ موت کے منکر تو نہیں تھے! لیکن غفلت اور اعراض عن العمل کو دیکھتے ہوئے منکرین کے درجے میں اتار کر ان سے مؤکد کلام کیا گیا۔

③ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو تو اس کی مدد اللہ نے اس وقت (بھی) کی ہے جس وقت ان کو کافروں نے نکالا تھا، جب کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا: بُغْم نہ کھا! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس جگہ صدیق اکبرؓ معیت الہی اور نصرت خداوندی کے بابت متردد نہ تھے؛ بلکہ نصرت الہی پر کامل یقین تھا؛ لیکن اس کے باوجود لا تَحْزَنْ لا کر ان کے دل میں آنے والی خبر (نصرت الہی کے آنے) کا شوق پیدا کیا، پھر اس کے بعد مؤکد کلام پیش کیا۔ یہاں خالی الذہن کو متردد کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام فرمایا ہے۔ (علم المعانی)

ملفوظ: خالی الذہن کو مترد یا منکر کے درجے میں اتارنا، یا منکر کو غیر منکر کے درجے میں اتارنا کلام عربی کے لطائف و دقائق میں سے ہے؛ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کہ پہلے والے جملے پسند و نصائح کی لڑی میں پیروئے ہوئے ہوں یا امر و نہی یا انوکھے واقعہ پر مشتمل ہوں۔

⑫ **تنزیل المنکر منزلة غیر المنکر:** منکر کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اُسے غیر منکر (خالی الذہن) کے درجے میں اتارنا، اور یہ اشارہ کرنا کہ: یہ بات ایسی ہے کہ اگر مخاطب اس خبر کے دلائل و شواہد پر غور کرے گا تو ضرور اپنے انکار سے باز آ جائے گا، اور تکذیب کو چھوڑ دے گا، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاللَّهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ۱۶۳]؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ ① [الفتح: ۲۹]

ملفوظ: متکلم کبھی کلام کو صرف تاکید لتقویت مضمون الکلام کے لیے مؤکدلاتا ہے، یعنی: کلام کے مضمون کو پختگی کے ساتھ ثابت کرنے یا مخاطب کے دل و دماغ میں مضمون کلام کو جمانے کے لیے، جیسے: ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ﴾ [النمل: ۷۹]۔

⑬ **وضع الخبر موضع الإنشاء:** جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی عنرض وفائدے کے لیے استعمال کرنا، مثلاً: نیک فالی، اظہار رغبت، اظہار حرص، صیغہ امر و نہی سے احتراز یا مطلوب کے بجالانے پر مخاطب کو ابھارنا وغیرہ۔
تفصیل خبر و انشاء میں ملاحظہ فرمائیں۔

① تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خطاب ان مشرکین سے ہے جو جان بوجھ کر حق (اللہ کی وحدانیت) کو ٹھکراتے تھے، چنانچہ حال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کلام کو مؤکدلاتا جاتا؛ لیکن ان کے وحدانیت الہی کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کلام کو غیر مؤکدلاتا گیا؛ اور یہ بتلایا کہ: اے مشرکین! اگر تم وحدانیت کے دلائل و شواہد میں غور کرتے تو انکار سے باز آ جاتے۔ آیت ثانیہ میں خطاب مؤمنین و مشرکین دونوں سے ہے؛ لیکن مشرکین کے انکار کی پروا کیے بغیر رسالت محمدی کا اعلان غیر مؤکد کلام سے فرمایا۔

⑬ **وضع الانشاء موضع الخبر:** اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کیا جائے؛ تفصیل خبر و انشاء میں ملاحظہ فرمائیں۔

⑭ **تجاهل عارفانہ:** تعجب، مبالغہ یا تویح وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئی کی جگہ لانا؛ تفصیل ص: ۳۳۵ پر ”بدلیع القرآن“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

علم بیان

علم بیان

علم بیان: وہ علم ہے جس کے ذریعہ ایک معنی و مفہوم کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) سے ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہو جائے، جن میں سے بعض طریقے معنیٰ مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض کے مقابلہ میں اجلیٰ و اوضح ہوں۔

موضوع: الفاظ عربیہ ہیں باعتبار تشبیہ، مجاز اور کنایہ؛ تعقید لفظی و معنوی سے خالی کلام بلیغ اور اسالیب مختلفہ خواہ وہ اسالیب بصورت تشبیہ ہوں یا بصورت مجاز و کنایہ۔

غرض و غایت: قرآن مجید کے اعجاز پر واقفیت حاصل کرنا اور کلام عربی کے اسرار و رموز سے واقف ہونا۔

ملحوظہ: علم بیان میں تین چیزوں سے بحث کی جاتی ہے: تشبیہ، مجاز، کنایہ ①۔

① معلوم ہونا چاہئے کہ: کلام کو احوال کے مقتضیات کے مطابق لانا ”علم معانی“ سے حاصل ہوتا ہے، اور ایک ہی معنیٰ کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) کے ذریعے تعبیر کرنے کے اصول و ضوابط ”علم بیان“ سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے: اگر متکلم زید کے سخی ہونے کے مفہوم کو صراحۃً بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ یوں کہے گا: زَيْدٌ جَوَادٌ، زَيْدٌ قَيَّاسٌ؛ اور اگر وہ اسی مفہوم کو صریحی اسلوب کے علاوہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ تشبیہ کے اسلوب میں زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي الْجَوْدِ، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ اور زَيْدٌ بَحْرٌ وغیرہ عبارات سے تعبیر کرے گا، اور مجاز کے اسلوب میں رَأَيْتُ بَحْرًا فِي دَارِ زَيْدٍ، رَأَيْتُ بَحْرًا يُخَاطَبُ النَّاسَ وغیرہ کہے گا، اور کنایہ کے اسلوب میں زَيْدٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ، زَيْدٌ جَبَانُ الْكَلْبِ کہہ کر تعبیر کرے گا۔

دیکھئے! متکلم نے ایک ہی مفہوم (زید کے سخی ہونے) کو چار مختلف اسلوبوں (صریحی، تشبیہی، مجازی اور کنائی) میں بیان کیا ہے، جن اسالیب میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلہ میں معنیٰ مرادی (زید کی سخاوت) پر دلالت کرنے میں بحیثیت وضاحت مختلف ہیں۔

علم بیان میں تین چیزوں کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے: استعارہ، مجاز اور کنایہ؛ لیکن استعارہ کو سمجھنے کے لیے تشبیہ کا سمجھنا ضروری ہے، بہ ایں وجہ ”علم بیان“ میں طردالباب تشبیہ سے بھی بحث کی جاتی ہے۔
ملحوظہ: علم معانی اور علم بیان سے کلام میں ذاتی حسن پیدا ہوتا ہے، جب کہ علم بدیع سے حسن عارضی پیدا ہوتا ہے۔

باب اول

بیان تشبیہ

سوالات تشبیہ

- ① اس کلام میں علم بیان کے طرق ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟
- ② اگر تشبیہ ہے تو ارکان تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، ادات شبہ اور وجہ شبہ میں سے کون کون مذکور ہیں؟
- ③ چار مراتب تشبیہ میں سے کون سا مرتبہ ہے؟
- ④ یہ تشبیہ مقبول ہے یا مردود؟
- ⑤ اقسام تشبیہ باعتبار ادات: مرسل و موکد میں سے کیا ہے؟
- ⑥ تشبیہ موکد ہے تو ترکیب نحوی کے اعتبار سے مشبہ و مشبہ بہ کس صورت میں ہے؟
- ⑦ اقسام تشبیہ باعتبار ذکر وجہ شبہ و عدم ذکر: مجمل و مفصل میں سے کیا ہے؟
- ⑧ کیا یہ تشبیہ، تشبیہ بلیغ یا تشبیہ ضمنی کے قبیل سے ہے؟
- ⑨ اقسام تشبیہ باعتبار انتزاع وجہ شبہ و عدم انتزاع: تمثیل و غیر تمثیل میں سے کیا ہے؟
- ⑩ اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ اور عائد بر مشبہ بہ کی کتنی غرضیں ہیں؟ اور یہاں کون سی غرض ہے؟

تشبیہ

تشبیہ: مخصوص غرض کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ایک یا چند اوصاف میں شریک کرنا، ادات تشبیہ کے ذریعے؛ چاہے وہ ادات ملفوظ ہوں یا ملحوظ۔
تشبیہ کے ضمن میں تین بحثیں بیان کی جاتی ہیں: ارکان تشبیہ، اقسام تشبیہ، اغراض تشبیہ۔

فصل اول: ارکان و مراتب تشبیہ

تشبیہ کے ارکان چار ہیں: مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، ادات تشبیہ۔

مشبہ: وہ شئی ہے جس کو دوسرے کے ساتھ کسی وصف میں شریک کیا جائے۔

مشبہ بہ: وہ شئی ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

وجہ شبہ: وہ مخصوص وصف ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ شریک ہوں ①۔

ملحوظہ: وجہ شبہ معلوم کرنے کے لیے ص: ۲۴۲ ملاحظہ فرمائیں۔

ادات تشبیہ: وہ مخصوص کلمہ ہے جو طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کے وصف مخصوص میں

مشارکت پر دلالت کرے، جیسے: آپ ﷺ کا فرمانِ عالی: ”الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا“ ② [ترمذی شریف]: ادات تشبیہ یہ ہیں: کاف، کأن، مثل، شبہ اور نحو، نیز مُشَابَهَةٌ، مُمَازَلَةٌ وغیرہ کے مشتقات ③۔

تشبیہ کے مراتب اربعہ

تشبیہ میں چوں کہ دو مغائر چیزوں کے درمیان وصف خاص میں اتحاد بیان کرنا مقصود ہوتا ہے؛ لہذا تشبیہ میں جس قدر اتحاد بتانے میں قوت اور مبالغہ ہوگا، اسی قدر اس کا مرتبہ بھی بلند

① ملاحظہ: مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشہور ہونا چاہیے، نیز اکثر و بیشتر وجہ شبہ، مشبہ بہ میں اقویٰ و اکمل ہوا کرتی ہے۔

② ایک مؤمن کی مثال دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی سی ہے، کہ: عمارت کا بعض حصہ دوسرے بعض کو مضبوط بناتا ہے اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے تقویت حاصل کرتا ہے؛ یہاں الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ مشبہ ہے، الْبُنْيَانِ مشبہ بہ ہے، اور يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ترکیباً حال یا صفت بن کر وجہ شبہ ہے۔

③ مفرد پر داخل ہونے والے ادات تشبیہ: کاف، مثل اور شبہ وغیرہ سے ملا ہوا رکن مشبہ بہ ہوتا ہے، اور جملے ۷

ہوگا۔ نزولی اعتبار سے تشبیہ کے کل چار مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ عام تشبیہ کا ہے، دوسرا اور تیسرا مرتبہ پہلے سے زیادہ قوت والا ہے، اور چوتھا مرتبہ تمام مراتب سے قوی ہے، جس کو ”تشبیہ بلیغ“ کہتے ہیں۔

① پہلا مرتبہ: تشبیہ کے چاروں ارکان یعنی: مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور ادات شبہ کو ذکر کرنا، جیسے: ”زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشَّجَاعَةِ“؛ نیز سوائے مشبہ کے دیگر ارکان کو ذکر کرنا، جیسے: كَالْأَسَدِ فِي الشَّجَاعَةِ ①۔

② دوسرا مرتبہ: صرف ادات شبہ کو حذف کرنا، جیسے: ”مُحَمَّدٌ أَسَدٌ شَجَاعَةٌ“؛ نیز مشبہ و ادات شبہ کو حذف کرنا، جیسے: أَسَدٌ فِي الشَّجَاعَةِ ②۔

③ تیسرا مرتبہ: صرف وجہ شبہ کو حذف کرنا، جیسے: ”مُحَمَّدٌ كَالْأَسَدِ“؛ نیز مشبہ اور وجہ شبہ کو حذف کرنا، جیسے: كَالْأَسَدِ، أَيْ: مُحَمَّدٌ كَالْأَسَدِ ③۔

④ چوتھا مرتبہ: ادات شبہ و وجہ شبہ دونوں کو حذف کرنا، یہی تشبیہ بلیغ کہلاتا ہے، جیسے: ”مُحَمَّدٌ أَسَدٌ“ ④۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: تشبیہ کے لیے طرفین کا پایا جانا ضروری ہے؛ خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، جیسے: كَيْفَ عَلِيٌّ؟ کے جواب میں كَالزَّهْرَةِ الدَّابِلَةِ کہنا تشبیہ کے قبیل سے ہوگا؛ کیوں کہ اس کی تقدیری عبارت ”هُوَ كَالزَّهْرَةِ الدَّابِلَةِ“ ہے، جس میں ”هُوَ“ مشبہ تقدیراً موجود ہے، اور اگر طرفین میں سے کوئی ایک محذوف ہو یعنی نہ لفظاً موجود ہو اور نہ ہی تقدیراً تو وہ اسلوب، تشبیہ سے نکل کر استعارہ میں داخل ہو جائے گا۔ استعارہ کی تفصیل مستقل آگے آرہی ہے ⑤۔

۵ پر داخل ہونے والے ادات: كَأَنَّ، يَشَابَهَ، تَحْكِي اور يُمَازِل وغیرہ سے ملا ہوا رکن مشبہ ہوتا ہے۔

① تشبیہ کا یہ درجہ غیر قوی کہلاتا ہے۔

② تشبیہ کا یہ درجہ کچھ قوی ہے۔

③ تشبیہ کا یہ درجہ قوی ہے؛ کیوں کہ اس میں وجہ شبہ کے محذوف ہونے کے سبب عمومیت ہے۔

④ تشبیہ کا یہ طریقہ اقویٰ ہے۔

⑤ یہ طریقہ تعبیر بھی تشبیہ بلیغ کی طرح اقویٰ ہے۔

فصل ثانی: تقسیمات تشبیہ

تشبیہ کی مختلف اعتبارات سے کئی تقسیمات ہیں:

- تقسیم اول: باعتبار قبول و رد کے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مقبول، ② مردود۔
- تقسیم ثانی: ادات تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مرسل، ② مؤکد۔
- تقسیم ثالث: وجہ شبہ کے مذکور ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مفصل، ② مجمل۔

تقسیم رابع: وجہ شبہ کے متعدد چیزوں سے منترع ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① تشبیہ تمثیل، ② تشبیہ غیر تمثیل ①۔

اقسام تشبیہ باعتبار طریق

①

تشبیہ میں طرفین (مشبہ و مشبہ بہ) کبھی حسی ہوتے ہیں اور کبھی عقلی ہوتے ہیں۔

طرف تشبیہ کے حسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: یا تو وہ خود مشبہ یا مشبہ بہ کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہو، جیسے: چہرے کو چاند سے تشبیہ دینا، یا پھر طرف تشبیہ کا مادہ جن چیزوں سے مرکب ہو گا وہ مادہ مدرک بالحواس الظاہرہ ہو، جیسے: سونے کے محل کی خیالی تصویر جس کے ستون چاندی کے ہوں، اسی طرح زبرجد کے ستونوں پر قائم یا قوت کے پہاڑ کی خیالی تصویر۔

طرف تشبیہ کے عقلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: نہ طرف تشبیہ مدرک بالحواس الظاہرہ ہو اور نہ ہی اس کا مادہ مدرک بالحواس الظاہرہ ہو، جیسے: علم، حیات، شرافت و مروّۃ وغیرہ۔ (علم الیدیان)

طرفین کے حسی یا عقلی ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں: ① محسوس کو محسوس سے، ② معقول کو معقول سے، ③ معقول کو محسوس سے، ④ محسوس کو معقول سے۔

(۱) محسوس کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾ [یس: ۳۹]؛ ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ﴾ [القمر: ۲۰]۔

آیت اولی: چاند، سورج مہینے کے اخیر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے، جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے، پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے؛ آخر رفتہ رفتہ اُسی پہلی حالت پر پہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا خم دار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہاں قمر مشبہ اور ٹہنی مشبہ بہ دونوں محسوس ہیں۔ آیت ثانیہ: قوم عاد کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے؛ لیکن ہوا کا جھکڑ اُن (مشبہ) کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پھینکتا تھا جیسے کھجور کا تنہ (مشبہ بہ) جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔

تقسیم اول: اقسام تشبیہ باعتبار قبول و رد

باعتبار قبول و رد کے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: مقبول، مردود۔

تشبیہ مقبول: وہ تشبیہ ہے جو غرض تشبیہ کا فائدہ دینے میں وافی (کامل اور مکمل)

ہو اس طور پر کہ: مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشہور و معروف ہو، جیسے: حاتم کے ساتھ سخاوت میں اور سبحان کے ساتھ فصاحت میں تشبیہ دینا وغیرہ۔

تشبیہ مردود: وہ تشبیہ ہے جو غرض تشبیہ کا فائدہ دینے میں کامل نہ ہو؛ بلکہ غرض تشبیہ

○ (۲) معقول کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ”الْجَهْلُ كَالْمَوْتِ، الْعِلْمُ كَالْحَيَاتِ“۔

جہالت موت کی طرح ہے اور علم حیات کی طرح ہے؛ یہاں جہالت کو موت کے ساتھ اور علم کو حیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور دونوں جگہ مشبہ و مشبہ بہ امر عقلی ہے۔

(۳) معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ [ابراہیم: ۱۸]؛

﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ خَيِّثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَائِنَةٍ﴾ [ابراہیم: ۲۶]۔

آیت اولیٰ: بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ: ہم نے دنیا میں بہت سے نیک کام کیے ہیں یہ سب قیامت کے دن کچھ نہ کچھ تو کام آہی جائیں گے۔ اس کا جواب اس تمثیل سے دیا کہ: تمہارے وہ اعمال محشر میں اس طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلتی ہے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں، اس وقت تم نیک اعمال سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ یہاں اعمال کفار کی شکل (معقول) کو راکھ (محسوس) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور جیسے: ”خُلِقَ كَالْعِظْرِ، الْمَوْتُ كَالْأَسَدِ“، اخلاق کریمہ کو عطر کے ساتھ اور موت کو درندے کے ساتھ تشبیہ دینا۔ آیت ثانیہ: اور گندی بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے۔ یہاں بات کا گندا ہونا امر معقول ہے اور درخت کا گندا ہونا امر محسوس ہے۔

(۴) محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ﴾ ”طَلْعُهَا“ ”كَأَنَّهُ

”رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ“ ﴿[الصُّفَّت: ۶۴-۶۵]۔

زقوم کے درخت کے خوشے۔ سخت و بدنما ہونے میں۔ شیطان کے سر کی طرح ہیں۔ یہاں زقوم کے خوشوں (امر محسوس) کو شیطان کے سر (امر معقول) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

ملحوظہ: باب تشبیہ میں مشبہ بہ، مشبہ کے مقابلہ میں اظہر و واضح ہوتا ہے، لہذا محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا خلاف اصل ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مشبہ بہ کے معقول ہونے کا سبب اوضح و اظہر نہ ہوگا؛ الا یہ کہ معقول مشبہ بہ کو محسوس کے درجے میں اتار کر یہ دعویٰ کیا جائے کہ: یہ معقول چیز واضح اور ظاہر ہونے میں محسوس سے بھی بڑھ کر ہے؛ اس وقت یہ تشبیہ دینا صحیح ہے جیسا کہ مثال سے واضح ہے۔ (علم البیان)

کافاندہ دینے میں مشبہ بہ ناقص ہو اس طور پر کہ مشبہ بہ اس وجہ شبہ میں مشہور نہ ہو، جیسے رجل شجاع کوشیر کے علاوہ دیگر حیوانات سے تشبیہ دینا۔

تقسیم ثانی: اقسام تشبیہ باعتبار ادات

ادات تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مرسل، ② مؤکد۔

مُرْسَل: وہ تشبیہ ہے جس میں ادات تشبیہ مذکور ہو، جیسے: ﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ ① [الفیل: ۵]۔

مُؤَكَّد: وہ تشبیہ ہے جس میں ادات تشبیہ محذوف ہو، جیسے: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ [النمل: ۸۸]، أي: تَمُرُّ مَرًّا كَمَرِّ السَّحَابِ ②۔
ملفوظ: تشبیہ مؤکد پر دلالت کرنے والے جملے نحوی ترکیب کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے ہیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں:

① مشبہ بہ، مشبہ کی خبر واقع ہو؛ چاہے مشبہ (مبتدا) مذکور ہو یا مقدر ہو، جیسے: ﴿صُمُّ بُكْمٌ عُمًى فَهُمْ لَا يَرِجْعُونَ﴾ ③ [البقرة: ۱۸]، أي: هُمْ صُمٌّ۔

① اصحاب فیل کو اللہ پاک نے کھائے ہوئے بھسا جیسا کر دیا، جس کو بیل گائے وغیرہ کھا کر آخور (وہ گھاس جو مویشیوں سے بچ رہتی ہے) چھوڑ دیتے ہیں، یعنی ایسا پراگندہ، منتشر، متبدل، بد صورت، نکم اور چوراچورا۔ (فوائد) یہاں ادات شبہ کاف مذکور ہے؛ لہذا یہ تشبیہ مرسل ہے۔

② تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو تو ان کو ہمیشہ زمین میں جھے ہوئے گمان کرے گا؛ حالاں کہ وہ بادل کی طرح چلیں گے۔ یہاں اصل عبارت ”کمر السحاب“ ہے، کاف ادات شبہ کو حذف کر دیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)۔ اسی طرح ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ④ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ⑤ [احزاب: ۴۵] یہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنے والی ﴿أَرْسَلْنَاكَ﴾ کی ”کاف“ ضمیر منصوب ذوالحال اور مشبہ ہے جب کہ ﴿سِرَاجًا مُنِيرًا﴾ حال اور مشبہ بہ ہے۔

③ منافقین بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے؛ سو جو شخص بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے! تو اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔ (فوائد) یہاں ”ہم“ مشبہ مبتدا ہے اور ﴿صُمُّ بُكْمٌ عُمًى﴾ مشبہ بہ خبر واقع ہے۔

② مشبہ بہ حال واقع ہو جس کا ذوالحال مشبہ ہو، جیسے: ﴿يَأْتِيهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿①﴾ [أحزاب: ۴۵]۔

③ مشبہ بہ، مشبہ کی طرف مضاف ہو، جیسے: وَالرَّيْحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُونِ وَقَدْ جَرَى - ذَهَبُ الْأَصِيلِ عَلَى لُجَيْنِ الْمَاءِ ⑤۔

④ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں فعل متعدي کے دو مفعول واقع ہوں، جیسے: ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا﴾ ⑥ [الذھر: ۱۹]۔

تقسیم ثالث: اقسام تشبیہ باعتبار ذکر وجہ شبہ وعدم ذکر

وجہ شبہ کے مذکور ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مفصل، ② مجمل۔

مَفْصَّل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور ہو، جیسے: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ﴾ ⑦ [النساء: ۱۶۳]۔

مُجْمَل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ محذوف ہو، جیسے: ﴿لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا

① یہاں آقا ﷺ کی طرف لوٹنے والی ﴿أَرْسَلْنَاكَ﴾ کی ”کاف“ ضمیر منصوب ذوالحال اور مشبہ ہے جب کہ ﴿سِرَاجًا مُنِيرًا﴾ حال اور مشبہ بہ ہے۔

② اُنّی: قَدْ جَرَى الْأَصِيلُ كَالَّذَهَبِ عَلَى الْمَاءِ كَاللَّجَيْنِ؛ ہوا ٹہنیوں کے ساتھ کھیل رہی ہے حالاں کہ شام کا سونا (سونا جیسی شام) پانی کی چاندی (چاندی جیسے پانی) پر بہہ رہا ہے۔ (علم البیان)

③ اور جنتیوں کے پاس سدا رہنے والے لڑکے پھرتے ہیں جب تو ان کو دیکھے تو بکھرے ہوئے موتی خیال کرے؛ یعنی وہ لڑکے اپنے حسن و جمال صفائی اور آب و تاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہوں گے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیے گئے۔ یہاں ﴿هُم﴾ مفعول اول مشبہ ہے اور ﴿لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا﴾ مفعول ثانی مشبہ بہ ہے۔ اسی طرح عَلِمْتُ مُحَمَّدًا بَحْرًا، رَأَيْتُ مُحَمَّدًا أَسَدًا، حَسِبْتُ الرَّجُلَ شَمْسًا، اُنّی: عَلِمْتُ مُحَمَّدًا كَالْبَحْرِ۔

④ یہاں آپ ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام سے ”وحی بھیجے جانے میں“ تشبیہ دی ہے، اور وجہ شبہ مذکور بھی ہے؛ لہذا یہ تشبیہ مفصل ہوگی۔

السَّيِّئَةُ إِذْ فَعَّ بِالنَّيِّ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿١﴾ [حم السجدة: ۳۴]؛ ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ ﴿١﴾ [البقرة: ۷۶] أُنِي: فِي الصَّلَابَةِ.

تشبیہ بلیغ: وہ تشبیہ ہے جس میں اداۃ تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہوں، جیسے: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ۶]؛ ﴿صُمُّ بُكْمٌ عُصْفَ فَإِنَّهُمْ لَا يَرِجْعُونَ﴾ ﴿١﴾ [البقرة: ۱۸].

تشبیہ کی ایک قسم تشبیہ ضمنی بھی ہے۔

تشبیہ ضمنی: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ، مشبہ بہ کو تشبیہ کی معروف صورتوں میں سے کسی صورت کے مطابق عبارت میں نہ لایا گیا ہو؛ بلکہ وہ تشبیہ ضمناً و معنی سیاق کلام سے سمجھ

① ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی خوب سمجھ لو! نیکی، بدی کے اور بدی، نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی، دونوں کی تاثیر جدا گانہ ہے؛ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے؛ لہذا ایک مؤمن قانت میں اور خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ: بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دے؛ بلکہ جہاں تک گنجائش ہو بُرائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی سخت بات کہے یا بُرا معاملہ کرے تو اُس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو، مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔

اس طرز عمل کا نتیجہ تم دیکھ لو گے کہ: سخت سے سخت دشمن بھی ڈھلا پڑ جائے گا، اور گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا؛ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے قربت والے دوست کی طرح بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائے۔ یہاں ”ہ“ ضمیر کا مرجع یعنی دشمن کو قربت والے دوست سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ ”محبت“ محذوف ہے۔ (علم المعانی، فوائد)

② آیت اولی: مذکورہ آیت ﴿أَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ کی تقدیری عبارت تشبیہ کے ارکان اربعہ کے لحاظ سے اس طرح ہے: ﴿أَزْوَاجُهُ مِثْلُ أُمَّهَاتِهِمْ فِي وَجُوبِ الْإِحْتِرَامِ وَالْتَعْظِيمِ وَالْإِجْلَالِ وَالْتَّكْرِيمِ﴾۔ (صفوة التفاسیر)۔ آیت ثانیہ: منافقین بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے؛ یہاں ”ہم“ مشبہ مبتدائے محذوف ہے اور اداۃ شبہ بھی حذف ہے۔ (نوائد)

ملحوظہ: زمخشری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بلغاء کے درمیان استعارہ و تشبیہ ہونے میں اختلاف ہے، اور محققین کے نزدیک تشبیہ۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

میں آتی ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾^① [الأعراف: ۴۰]۔

ملفوظ: تشبیہ صریح اور تشبیہ ضمنی میں فرق یہ کہ: تشبیہ صریح میں مشبہ، مشبہ بہ کو تشبیہ کی معروف صورتوں میں کسی ایک صورت میں بیان کیا جاتا ہے، جب کہ تشبیہ ضمنی میں معنی سے طرفین کی طرف اشارہ ملتا ہے، معروف صورت تشبیہ مفقود ہوتی ہے۔

تقسیم رابع: اقسام تشبیہ باعتبار انتزاع وجہ شبہ

وجہ شبہ کے متعدد چیزوں سے مترشح ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:
① تشبیہ تمثیل، ② تشبیہ غیر تمثیل۔

① **تشبیہ تمثیل:** وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت ہو، جیسے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ﴾ [بقرہ: ۱۷]؛ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ﴾ [العنکبوت: ۱۷]؛ ﴿فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾^② [الأعراف: ۱۷]۔

① یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس کے مقابلے میں تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ: اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔ دیکھئے یہاں ”کفار کے حق میں دخول جنت کے محال ہونے کی حالت“ کو (عربی محاورہ کے مطابق) ”دخول جمل فی ثقب الابرة کے محال ہونے“ کی ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ لیکن تشبیہ کا معروف طریقہ مفقود ہے۔ (صفوة التفسیر)

اسی طرح شاعر کا شعر: تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْأَلْكَ مَسَالِكَهَا إِنَّ السَّفِينَةَ لَا تَجْرِي عَلَى الْيُبْنِيسِ؛ یعنی: جیسے کشتی کا خشکی پر چلنا امر محال ہے ویسے ہی بلا محنت و مشقت اٹھائے نجات کی تمنائے محض سے نجات ملنا بھی امر محال ہے۔ یہاں بلا مشقت اٹھائے نجات کے امیدوار کی حالت (مشبہ) کو خشکی پر چلنے کی کوشش کرنے والے کشتی کی حالت (مشبہ بہ) سے تشبیہ دی ہے؛ لیکن تشبیہ کی معروف صورت مفقود ہے۔

② آیت اولی: منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمہ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا؛ مگر سر دست کچھ فائدہ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے تھے کہ نو کلمہ شہادت اور منافع نیست و نابود ہو گئے اور مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں ان منافقین کی حالت کو تشبیہ دی ہے جن کے سامنے اسلام کے دلائل مکمل وضاحت کے

② **تشبیہ غیر تمثیل:** وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت نہ ہو، جیسے حدیث اُم زَرْع میں ہے: **قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ، وَالرَّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ** ①۔ (شمائل ترمذی)

• ساتھ آئے، انہوں نے ان دلائل واضحہ کی روشنی پر اُچھٹی نگاہ ڈالی اور پھر اپنی پرانی گمراہی میں دوبارہ لوٹے، ان کی اس حالت (مشبہ) کو تشبیہ دی ہے اس آدمی کی حالت سے، جس نے اندھیری گنگوررات میں آگ روشن کی جنگل میں راستہ دیکھنے کو، اور جب آگ روشن ہو گئی اور راستہ نظر آنے کو ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور اندھیری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ (صفوة التفاسیر، نواند)

آیت ثانیہ: یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت کو تشبیہ دی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے؛ حالاں کہ وہ بت اس بات سے بہت کمزور ہے کہ اُن کی پناہ پکڑی جائے! اُن کی حالت کو اس کٹری کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو اپنے دھاگوں سے ایک گھر بناتی ہے یہ یقین کرتے ہوئے کہ: وہ گھر دشمنوں کے حملے سے اس کی حفاظت کرے گا؛ حالاں کہ وہ گھر انتہائی کمزور اور بودہ ہے؛ وجہ شبہ: ایسی چیز کی صورت ہے جو دوسری ایسی چیز سے حفاظت کا اعتقاد رکھے جو اس کی حفاظت نہ کر سکے۔

آیت ثالثہ: یہ آیات بلعم بن باعور کے حق میں نازل ہوئیں، جو ایک عالم اور صاحب تصرف دُرُویش تھا؛ اس کے بعد وہ اللہ کی آیات و ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کی لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لیے تیار ہو گیا؛ اور خود آسمانی برکات و آیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات و لذات کی طرف جھک پڑا، وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا، حتیٰ کہ: پکے کج رَوّوں میں داخل ہو گیا؛ اُس وقت اس کا حال گتے کی طرح ہو گیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو، اور برابر ہانپ رہا ہو؛ اگر فرض کرو! اس پر بوجھ لادیں، یا ڈانٹ بتلائیں، یا کچھ نہ کہیں اور آزار اچھوڑ دیں؛ بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رکھتا ہے؛ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے اس کتے (بلعم بن باعور) کا حال بھی ہوا۔

یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عالمِ سوء کی بُری اور کمینہ حالت کو تشبیہ دی ہے (مشبہ)؛ ذلیل ترین، راحت و تکلیف ہر حال میں ہانپنے والے کتے کی حالت سے (مشبہ بہ)؛ اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے دونوں کی حالت سے مشترع ہے، یعنی: راحت و تکلیف دونوں میں۔ اچھی حالت اختیار کر سکنے کے باوجود۔ اپنی گھٹیا حرکت پر برقرار رہنا۔ (صفوة التفاسیر)

① حدیث اُم زَرْع میں آٹھویں عورت نے کہا تھا: **مَسُّهُ مَسُّ أَرْنَبٍ، أَيْ: مَسُّهُ كَمَسِّ أَرْنَبٍ "فِي اللَّيْلِ وَالنُّعُومَةِ"**؛ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح ہے نرم و نازک ہونے میں اور زعفران کی طرح مہکتا ہے خوشبو میں۔ یہ تشبیہ بلیغ ہے اور وجہ شبہ متعدد چیزوں سے مشترع بھی نہیں؛ لہذا تشبیہ غیر تمثیل ہے۔

وجہ شبہ کی حقیقت اور اس کی صورتیں

① وجہ شبہ کبھی طرفین کی عین حقیقت ہوتی ہے، جیسے: زید کو عمر کے ساتھ تشبیہ دینا انسان ہونے میں۔

② وجہ شبہ کبھی طرفین کی جزء حقیقت یعنی جنس ہوتی ہے، جیسے: گوڑے کو انسان سے تشبیہ دینا حیوان ہونے میں۔

③ وجہ شبہ کبھی طرفین کی جزء حقیقت یعنی فصل ہوتی ہے، جیسے: قمیص کو چادر سے تشبیہ دینا قطنی ہونے میں۔

④ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور حسی صفت ہوتی ہے، جیسے: کوئے کورات سے تشبیہ دینا سیاہی میں۔

⑤ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور عقلی صفت ہوتی ہے، جیسے: زید کو عمر سے تشبیہ دینا ذکاوت و فطانت میں۔

⑥ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور اضافی صفت ہوتی ہے، جیسے: دلیل اور حجت کو سورج سے تشبیہ دینا ظلمت کے حجاب کو ہٹانے میں ①۔ (الطریق الوصول)

تقسیم سادس: اقسام تشبیہ باعتبار طرفین

①

تشبیہ اپنے دو طرف یعنی: مشبہ و مشبہ بہ کے مفرد یا مرکب ہونے کے اعتبار سے چار قسموں پر ہے: ① مفرد بالمفرد، ② مرکب بالمرکب، ③ مفرد بالمرکب، ④ مرکب بالمفرد۔

[۱] **تشبیہ مفرد بمفرد:** تشبیہ کے دونوں طرف مفرد ہوں؛ چاہے یہ دونوں مفرد مقید ہوں یا مفرد مجرّد (مطلق عن التقید) ہوں یا طرف اول مفرد (مطلق)، ثانی مفرد مقید ہو یا طرف اول مفرد مقید، ثانی مفرد مجرّد ہو۔

تقیید کا مطلب یہ ہے کہ: طرفین میں سے کوئی ایک وصف، اضافت، مفعول، حال یا جار مجرّد سے اس طور پر مقید ہو کہ: وہ وجہ شبہ ترکیب کی حد کو نہ پہنچے؛ لیکن وجہ شبہ کے مستحکم ہونے میں اس قید کا اثر ہو جیسے: ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ﴾ گ ”الْفَرَاثِ الْمَبْنُوثُ“ ② وَتَكُونُ الْـ ”جِبَالُ“ گ ”الْعِهْنُ الْمَنْفُوثُ“ ③ ﴿[القارعة: ۳-۴]

حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو! بس اس کے بعض آثار بیان کر دیے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ: اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگے جیسے ہو جائیں گے؛ گویا پروانوں ④

• کے ساتھ تشبیہ دینا ضعف اور یک جہتی و اتحاد کے زائل ہونے میں ہے۔ یہاں ﴿النَّاسُ﴾ مفرد مجرد کو ﴿الْفَرَاشِ الْمَبْنُوثِ﴾ بکھرے ہوئے پتنگے (مفرد مقید) کے ساتھ؛ اسی طرح ﴿الْجِبَالُ﴾ کو اجزاء کے بکھرنے اور قوت کے زائل ہونے میں ﴿الْعِهْنُ الْمَنْفُوشِ﴾ دھنی ہوئی رنگین اُون (مفرد مقید) کے ساتھ تشبیہ دینا مفرد مجرد کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینے کے قبیل سے ہے۔ (فوائد، علم البیان)

مثالیں بالترتیب یہ ہیں:

(۱) مفرد مقید کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: السَّاعِي بِغَيْرِ حَاصِلٍ كَالرَّاقِمِ عَلَى الْمَاءِ۔ لا حاصل کوشش کرنے والا پانی پر لکھنے والے کی طرح ہے؛ یہاں مطلقاً ساعی مشبہ نہیں ہے؛ بلکہ ساعی بلا حاصل مشبہ ہے؛ نیز مطلقاً راقم مشبہ نہیں؛ بلکہ وہ راقم جو علی الماء سے مقید ہو وہ مشبہ بہ ہے۔

(۲) مفرد مجرد کو مفرد مجرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ [النبا: ۱۰]، رات کو چھپانے میں لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

(۳) مفرد مجرد کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْنُوثِ﴾ ⑤ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ⑥ [القارعة: ۳-۴]

(۴) مفرد مقید کو مفرد مجرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: الْعَيْنُ الزَّرْقَاءُ كَالسَّنَانِ، نیلی آنکھ نیزے کی طرح قاتل ہے۔ (جواہر البلاغۃ)

[۲] تشبیہ مرکب بالمرکب: ایک مرکب کو دوسرے مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے بشار بن بردنا پینا کا شعر:

كَأَنَّ مَثَارَ النَّفْعِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا ❀ وَأُسَيَافُنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ

ترجمہ: ہمارے سروں پر اڑنے والا غبار اور ہماری تلواریں اس رات کی طرح ہیں جس کے ستارے ٹوٹ کر باہم ٹکرا رہے ہوں۔

مرکب سے مراد یہ ہے کہ: طرف تشبیہ کوئی ایک چیز نہ ہو؛ بلکہ چند ایسی چیزوں کا مجموعہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک بھی چیز کو علاحدہ کر لیا جائے تو مطلوبہ تشبیہ فوت ہو جائے گی، جیسے شعر میں شاعر نے غبار اور روشن تلوار کو مشبہ بنایا ہے اور رات کی تاریکی اور ستاروں کے مجموعے کو مشبہ بہ بنایا ہے؛ لیکن یہاں اگر صرف غبار یا صرف روشن تلوار کو مشبہ بنایا جاتا، اسی طرح صرف رات کی ظلمت یا ستاروں کو مشبہ بہ بنایا جاتا تو مطلوبہ تشبیہ حاصل نہ ہوتی۔

ملحوظ: تشبیہ مرکب بالمرکب اور تشبیہ تمثیل میں فرق یہ ہے کہ: تشبیہ مرکب بالمرکب یہ تشبیہ کی قسم ہے طرفین کے اعتبار سے؛ جب کہ تشبیہ تمثیل یہ تشبیہ کی قسم ہے وجہ شبہ کے متعدد چیزوں سے مشتزع ہونے کے اعتبار سے؛ اب جب کہ دونوں کا مقسم الگ الگ ہے؛ لہذا ان کے درمیان بجائے تباین کے دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، یعنی: جہاں جہاں تشبیہ مرکب پائی جائے گی وہ تشبیہ تمثیل ضرور ہوگی؛ لیکن ہر تشبیہ تمثیل میں مرکب ہونا ضروری نہیں۔

فصل ثالث: اعراض تشبیہ

اعراض تشبیہ عائد بر مشبہ

مشبہ سے متعلق اعراض تشبیہ چھ ہیں: ①:

[۳] تشبیہ مفرد بمركب: ایک مفرد کو دوسرے مركب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي

اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ ﴿۱۷﴾﴾ [البقرة: ۱۷] یہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان منافقین کی حالت کو تشبیہ دی ہے جن کے سامنے اسلام کی حقانیت کے دلائل ظاہر ہوتے ہیں اور ان دلائل کی روشنی بھی حاصل کرتے ہیں؛ اس کے بعد وہ اپنی سابقہ گمراہی میں لوٹ آتے ہیں۔ یہاں مشبہ منافق کی وہ حالت ہے جو دل میں کفر چھپاتا ہے اور زبان سے ایمان کا اظہار کر کے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیتا ہے اور مالی غنیمت سے کچھ فائدہ بھی اٹھا لیتا ہے؛ اس حالت کو تشبیہ دی ہے اُس آگ جلانے والے کی حالت سے جو گرمی حاصل کرنے اور کسی چیز کو دیکھنے کے لیے آگ جلاتا ہے پھر وہ اس آگ سے معمولی فائدہ اٹھانے پایا تھا کہ اچانک آگ بجھ گئی! اور اندھیرے میں متحیر ہو گیا کہ اب کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور اس پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی؛ بالکل اسی طرح اُس منافق کی حالت بھی ہے جو اولاً کچھ دنیوی فائدہ اٹھانے پایا تھا کہ مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہو گیا۔ اور وجہ شبہ یہ ہے: وہ مختصر مدت میں پائی جانے والی ہدایت کی ہیئت ہے جس کے بعد حیرت ناک اور اضطراب انگیز تاریکی چھا جاتی ہو۔

اسی طرح شاعر کا شعر: وَحَدَّثَ لَيْسَ الشَّقِيقُ نَبَاتُهَا، كَالْأَرْجَوَانِ مُنْقَطِعٍ بِالْعَمْبَرِ؛ گل لالہ (مفرد) کو ایسی سرخ چادر کے ساتھ تشبیہ دینا جس میں سیاہ نکتے پڑے ہوئے ہوں۔

[۴] تشبیہ مركب بمفرد: ایک مركب کو دوسرے مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: سیاہ دھبے لگی ہوئی سرخ

چادر (مركب) کو گل لالہ سے تشبیہ دینا، اسی طرح جیسے: ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَئُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۳۰﴾﴾ [الرحمن: ۳۰]، یہاں سمندر میں چلنے والی کشتیوں کی حالت (مركب) کو پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (الزیادة)۔ ملحوظہ: بقول ابن الاثیر جزری: تشبیہ کی یہ قسم قلیل الاستعمال ہے۔

① باب تشبیہ میں بلغاء کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ: مشبہ بہ میں وجہ شبہ، مشبہ کے مقابلے میں زیادہ واضح اور ظاہر ہونی چاہئے، اسی وجہ سے اعراض تشبیہ میں وجہ شبہ کے اعتبار سے ناقص کو زائد کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے؛ لہذا عموماً مشبہ بہ میں وجہ شبہ اقویٰ اور اتم درجہ ہوا کرتی ہے، چاہے حقیقی طور پر ہو جیسا کہ اعراض تشبیہ عائد بر مشبہ میں ہوتی ہے، یا اذعاناً ہو، جیسا کہ اعراض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ میں ہوتی ہے۔

ملحوظہ: (۱) تشبیہ میں اصالت مشبہ ادنیٰ اور مشبہ بہ اعلیٰ ہوتا ہے؛ لیکن اگر مشبہ بہ مخاطب اور سامع کے سامنے ظاہر اور واضح ہو تو صرف وضاحت کے پیش نظر اس کو مشبہ بہ بنا لیتے ہیں اگرچہ فی نفسہ وہ ادنیٰ کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾ [النور: ۳۵] (الزیادة والاحسان)۔

بیان امکان وجود مشبہ، بیان حال مشبہ، مقدار حال مشبہ، تقریر حال مشبہ، تحسین مشبہ، تنقیح مشبہ۔

① **بیان امکان وجود مشبہ:** یعنی مشبہ کے وجود کا ممکن ہونا بیان کرنا؛ جیسے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ، خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ①

[آل عمران: ۵۹]۔

② **بیان حال مشبہ:** مشبہ میں پائی جانے والی حالت و صفت کو (مثال کے ذریعے) بیان کرنا؛ جیسے حدیث ام زرع میں چوتھی عورت نے کہا تھا: زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ ②۔ [شمائل الترمذی]

③ (۲) تشبیہ میں چوں کہ ناقص کو زائد کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے؛ لہذا جب تشبیہ میں ناقص کا زائد سے الحاق مقصود نہ ہو؛ بلکہ بلا تریح صرف مشبہ مشبہ بہ کے درمیان مساوات ثابت کرنی ہو تو اس وقت صیغہ تشبیہ کے علاوہ صیغہ تشابہ کا استعمال مستحسن ہے؛ ہاں! مساوات مراد لیتے ہوئے صیغہ تشبیہ کا استعمال جائز ضرور ہے۔ (ملخص من علم البیان)

① ملحوظہ: یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب مشبہ کی طرف ایسے امور غریبہ کی نسبت کی گئی ہو جس کو عقل اول وہلہ میں تسلیم نہ کرتی ہو جس کی غرابت اس کے شبیہ کو ذکر کیے بغیر زائل نہ ہوتی ہو تو تشبیہ دے کر مشبہ بہ میں اس امر کا پایا جانا ذکر کر کے مشبہ میں اس کا امکان بیان کیا جاتا ہے، جیسے: نصارائے خیران جب آپ ﷺ کے پاس آئے تھے تو انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ: اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ: وہ کس کے بیٹے تھے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: آدمؑ کے تو نہ باپ تھے اور نہ ہی ماں تھی! پھر عیسیٰؑ کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے!

یہاں اللہ تعالیٰ نے بلا اب پیدا ہونے والے عیسیٰؑ میں نبوت کی نفی اور عبدیت کا اثبات فرمانے کے لیے عیسیٰؑ کو آدمؑ سے تشبیہ دی اور بتایا کہ: بلا اب و ام حضرت آدمؑ کی پیدائش اگر عبدیت کے منافی نہیں! تو بلا اب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کیوں کر عبدیت کے منافی ہوگی! اور ان میں بھی۔ مثل آدم۔ عبدیت کا امکان کیوں نہیں!۔

اس کی ایک اور مثال آپ ﷺ کی مدح میں یہ ہے: وَكَمْ أَبْ قَدْ عَلَا بِإِنِّ دُرَا شَرَفٍ، كَمَا عَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ عَذَنَانُ؛ کتنے ہی آباء و اجداد ایسے ہیں جو بیٹے کی شرافت کی وجہ سے بلند یوں پر پہنچ گئے اور یہ بات ممکن بھی ہے جیسے کہ قبیلہ عدنان، رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے شرافت میں سر بلند ہوا۔ یہاں عَلَوُ الْأَبِ بِالْإِنِّ مشبہ ہے، یعنی باپ کا بیٹے کی وجہ سے معزز ہو جانا اور یہ امر مستغرب ہے، اور علو عدنان بر رسول اللہ مشبہ بہ ہے، اور وجہ شبہ: عَلَوُ شَأْنِ الْأَصْلِ بِالْفَرْع ہے۔

② یہ عنرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مخاطب کو مشبہ میں پائی جانے والی صفت معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی صفتو حالت سے متصف ہے؟ تو اس حالت و صفت کو بیان کرنے کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے، جیسے: بالوں کا سیاہ رنگ ③

③ **مقدارِ حالِ مشبہ:** یعنی مشبہ میں موجودہ صفت و حالت کی مقدار بیان کرنا، جیسے: شَرِبْتُ دَوَاءً مُرًّا كَالْحَنْظَلِ ①

④ **تقریر و تاکیدِ حالِ مشبہ:** مشبہ کی حالت کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنا اور جمانا، جیسے: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ﴾ ② [الأعراف: ۱۷۸]۔

⑤ **تحسین و تزیینِ مشبہ:** یعنی مشبہ کو مرغوب مشبہ بہ سے تشبیہ دے کر حسین و جمیل صورت میں پیش کرنا؛ جیسے سولی دیے ہوئے آدمی کی تحسین میں ابوالحسن الانباری کا شعر:

”مَدَدَتْ يَدَيْكَ نَحْوَهُمْ اخْتِفَاءً، كَمَدَّهِمَا إِلَيْهِمْ بِالْهَبَاتِ“ ③

○ ہونا بیان کرنے کے لیے ان کورات سے تشبیہ دینا، چہرے کو چاند سے تشبیہ دینا چمک دمک میں اور رخسار کو سرخ ہونے میں گلاب سے تشبیہ دینا اسی قبیل سے ہیں۔ یہاں مثال مذکور میں چوٹھی عورت اپنے شوہر کی بلیغ انداز میں تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ: میرا شوہر باعثِ راحت ہے جیسے تہامہ کی رات، یعنی جیسے تہامہ کی رات معتدل ہوتی ہے نہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی، جس کی وجہ سے وہ باعثِ لذت و سرور ہے، اسی طرح میرا شوہر بھی باعثِ لذت و سرور ہے۔ (علم البیان) بزیادہ ① ترجمہ: میں نے ایلوے جیسی کڑوی دوا کو بیا، یہاں مخاطب کو شَرِبْتُ دَوَاءً مُرًّا سے دوا کڑوی ہونے کا اجمالی علم ہوا؛ لیکن اس دوا کی کڑواہٹ کی مقدار کا علم کا لحنظَل سے ہوا ہے۔

ملفوظ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مخاطب مشبہ کی صفت کو اجمالی طور پر جانتا ہو؛ لیکن اس صفت کی مقدار (قوت و ضعف، زیادتی و نقصان) سے ناواقف ہو؛ جیسے: کسی کے نہایت سیاہ بالوں کو سخت اندھیری رات کی سیاہی سے تشبیہ دینا اور مخصوص چہرے کی سرخی کو گلاب کی سرخی سے تشبیہ دینا۔ (علم البیان) اور جیسے: آپ ﷺ کا قیامت کے بارے میں فرمان: وَتَكُونُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ۔ (الترمذی: فی تقارب الزمان)؛ قربِ قیامت میں ایک گھنٹہ گھاس کے تنکے کی طرح ہو جائے گا، یعنی: جھٹ سے جل کر بجھ جاتا ہے۔

④ ملحوظ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی حالت اور مقدار دونوں معلوم ہوں؛ البتہ مشبہ کے امر معنوی (عقلی یا خلافِ عادت) ہونے کی وجہ سے اس کی ہیئت اچھی طرح راسخ نہیں ہوتی؛ لہذا اس مشبہ کو امرِ حسی کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ کی اس ہیئت کو سامع کے ذہن میں راسخ کیا جاتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ”اور جس وقت ہم نے ان کے اوپر پہاڑ اٹھایا گویا کہ وہ پہاڑ سا نبان ہے“؛ یہاں سروں پر پہاڑ اٹھانا، خلافِ عادتِ اللہ چیز ہے جو امرِ عقلی ہے اس کو موافقِ عادت چیز (سا نبان کا سروں پر ہونا) سے تشبیہ دی ہے، تاکہ سامع کے ذہن میں مشبہ کی حالت اچھی طرح مرتسم ہو جائے۔ (علم البیان)؛ اور جیسے: غیر مُتَبَيِّنِ کام میں مشغول ہونے والے اور بے فائدہ سعی کرنے والے کی حالت کو پانی پر لکھنے والے ”رَاقِمٌ عَلَى الْمَاءِ“ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دینا۔

⑤ ملحوظ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی تعریف کرنا اور طبیعتوں کو اس کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔

⑥ **تَقْبِیْحُ مُشَبَّہ**: مشبہ کو بد نما چیز سے تشبیہ دے کر قبیح صورت میں پیش کرنا، جیسے ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کی مذمت کرتے ہوئے کہا: ”تَفْتَحُ - لَا کَاثُ - فَمَا لَوْ رَأَيْتَهُ، تَوَهَّمْتَهُ بَابًا مِّنَ النَّارِ يُفْتَحُ“ ①۔

غرض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ

غرض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ: تشبیہ کی غرض کا مشبہ بہ کی طرف لوٹنا و مقصد سے ہوتا ہے: بیان ایہام، بیان اہتمام۔

① **ایہام**: یعنی اس بات کا وہم و لانا کہ: مشبہ بہ (جو درحقیقت مشبہ ہے) یہ وجہ شبہ میں مشبہ (جو درحقیقت مشبہ بہ ہے) کے بالمقابل زیادہ تام ہے، اور یہ تشبیہ مقلوب میں ہوتا ہے۔
تشبیہ مقلوب: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ کی جگہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی جگہ رکھنا اور یہ خیال و لانا کہ وجہ شبہ مشبہ میں مشبہ بہ کے بالمقابل زیادہ قوی ہے، جیسے: ﴿أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ﴾ [النحل: ۱۷]؛ ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ ② [البقرة: ۲۷۵]۔

یہاں شاعر نے لکڑی پر سولی دیئے ہوئے آدمی کے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی غیر مرغوب؛ بلکہ قابل نفرت ہیئت کو اسی مدوح کے اپنی زندگی میں ہاتھ پھیلا کر سخاوت کرنے کی ہیئت مرغوبہ کے ساتھ تشبیہ دے کر مزین اور خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔

① یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی برائی کرنا اور دلوں میں اس کی نفرت پیدا کرنا مقصود ہو۔ یہاں شاعر نے اپنی بیوی کے کھلے ہوئے منہ کی قباحت بیان کرنے کے لیے اس کو جہنم کے کھلے ہوئے دروازہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔
 ② عبادت کے حقدار تو وہ ذات ہے جس نے حیوانات و نباتات، شجر و حجر، شمس و قمر، بروجر کو پیدا کیا ہے، اور عالم کا نظام سنبھالے ہوئے ہے؛ گویا عبادت کے استحقاق میں ﴿مَنْ يَخْلُقُ﴾ اصل یعنی مشبہ بہ ہے، اور ﴿مَنْ لَا يَخْلُقُ﴾ فزع یعنی مشبہ ہے؛ لیکن مشرکین کی یہ کس قدر حماقت ہے، کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ؛ بلکہ ایک جو کا داسنہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کے برابر کر دیا؛ باری تعالیٰ نے ان کی جہالت کی تصویر کشی میں مبالغہ کرتے ہوئے بطور تشبیہ مقلوب ان لوگوں کو اس آدمی کے درجے میں اتار دیا جو یہ اعتقاد رکھے ہوئے ہو کہ: ﴿مَنْ لَا يَخْلُقُ﴾ عبادت کے زیادہ حقدار ہے، ﴿مَنْ يَخْلُقُ﴾ کے مقابلے میں؛ اسی وجہ سے ﴿مَنْ لَا يَخْلُقُ﴾ کو اصل (مشبہ بہ) اور ﴿مَنْ يَخْلُقُ﴾ کو فرع (مشبہ) بنایا۔

آیت ثانیہ: سود حلال سمجھنے والے مشرکین نے بیع (حصول نفع بالعوض) اور سود (حصول نفع بلا عوض) کو یکساں

ملحوظہ: اس تشبیہ کی غرض: اس بات کے دعوے میں مبالغہ کرنا اور سامع کو یہ خیال دلانا ہوتا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ میں مشبہ بہ کے بالمقابل زیادہ قوی ہے۔

ملحوظہ: یہ تشبیہ مقلوب ہے اور یہاں اگرچہ غرض تشبیہ، بظاہر مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے؛ لیکن وہی درحقیقت مشبہ ہے، اور اسی کی طرف غرض تشبیہ لوٹتی ہے۔

② **بیان اہتمام:** مطلوب (مشبہ بہ) کا اظہار کرنے اور اس کے اہتمام کو بتانے کے لیے بجائے کامل کے ناقص سے تشبیہ دینا، جیسے: ایک بھوکا آدمی، گولائی لیے ہوئے چہرے کو بدر کے ساتھ تشبیہ دینے کے بجائے رغیف سے تشبیہ دے کر اپنے مطلوب کا اظہار کرے۔ (الزیادة)

❧ قرار دیتے ہوئے کہا کہ: حصول نفع دونوں ہی میں ہے؛ بلکہ بظاہر سود میں یہ مقصد خوب حاصل ہوتا ہے؛ لہذا یہ بطریق اولیٰ حلال ہونا چاہیے۔ انہوں نے اباحت و حلت میں اصل چیز یعنی: بیع کو فرع (مشبہ) بنادیا اور فرع یعنی: سود کو اصل (مشبہ بہ) بنا کر ”تشبیہ مقلوب“ کی صورت میں پیش کیا، اور یہ محض سود لینے دینے کی اباحت ثابت کرنے مبالغہ بتلانے کے لیے کیا تھا؛ حالاں کہ سود اور بیع میں آسمان و زمین کا فرق ہے، جیسا کہ ﴿أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵] اور فإن عاقبتہ تصیر الی قُلّ سے واضح ہے۔ (علم البیان، جواہر)

باب ثانی

محبازِ لغوی و عمّتی

سوالات مجاز

- ① یہ کلام حقیقت پر محمول ہے؟ یا کلام میں مجاز ہے؟
 ② اس عبارت میں مجاز ہے تو لفظ میں مجاز (مجاز لغوی) ہے؟ یا نسبت میں مجاز (مجاز عقلی) ہے؟

③ اگر مجاز لغوی ہے تو وہ مجاز مفرد میں سے ہے؟ یا مجاز مرکب میں سے ہے؟

سوالات مجاز لغوی مفرد و مرکب

- ① مجاز مفرد ہے تو اس کی دو قسموں میں؛ اور اگر مجاز مرکب ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟

② اگر مجاز مرسل ہے تو اس کے (اکنیس) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

- ③ اگر استعارہ ہے تو اس کے ارکان اربعہ (مستعار منہ، مستعار لہ، مستعار اور وجہ جامع) کو بیان کریں؟

- ④ استعارہ کی باعتبار احد الطرفين کے ذکر و عدم ذکر کی دو قسموں (تصریحیہ، مکنیہ) میں سے کیا ہے؟

- ⑤ لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسموں (اصلیہ، تبعیہ) میں سے کیا ہے؟
 ⑥ ملائم مشبہ و مشبہ بہ کے ذکر و عدم ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسموں (مرشحہ، مجردہ اور مطلقہ) میں سے کیا ہے؟

⑦ یہ استعارہ استعارہ تحقیقیہ ہے یا تخیلیہ؟

- ⑧ کیا یہ جملہ مجاز مرکب مرسل کے قبیل سے تو نہیں ہے؟ یعنی: انشاء کو خبر کی جگہ یا خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کیا گیا ہو؟ یا یہ خبر فائدہ الخبر و لازم فائدہ الخبر کے علاوہ غرض کے لیے ہو؟
 ⑨ کیا یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے تو نہیں ہے؟

فصل اول: حقیقت و مجاز

حقیقت: وہ لفظ ہے جو اُس معنی میں استعمال کیا گیا ہو جس معنی پر دلالت کرنے کے لیے واضح نے اس کو وضع کیا ہے، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾^① [أنعام: ۹۸]

مجاز: وہ لفظ ہے جو کسی علاقہ کی وجہ سے معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہو کسی علاقہ کی وجہ سے ایسے قرینے کے ساتھ جو اس لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتا ہو^②۔

علاقہ: معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان کی وہ مناسبت (تعلق) ہے جو ذہن کو معنی حقیقی سے معنی مجازی کی طرف منتقل ہونے کو لازم کرے؛ چاہے وہ مناسبت مشابہت کی ہو یا غیر مشابہت کی۔

قرینہ: وہ شئی ہے جو ذہن کو لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتی ہو؛ خواہ وہ شئی لفظوں میں موجود ہو (قرینہ لفظیہ) یا لفظوں میں موجود نہ ہو بلکہ ایک حالت ہو (قرینہ حالیہ) جیسے:

﴿إِنِّي أَرَانِي أَعَصِرُ خَمْراً﴾^③ [یوسف: ۳۶]۔

① وہی ذات ہے جس نے تم سب کو ایک شخص (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اس آیت کریمہ کے تمام کلمات ان ہی معانی پر دلالت کرتے ہیں جن کے لیے واضعین نے وضع کیا ہے۔ اسی طرح رَأَيْتُ الْأَسَدَ يَقْتَرِسُ الْعَنَمَ؛ میں نے شیر کو دیکھا جو بکریوں کو پھاڑ رہا تھا؛ یہاں لفظ اسد اپنے معنی موضوع لہ یعنی معنی اسد کے لیے مستعمل ہے۔

② مجاز: معنی مرادی کی تعبیر کے تین طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے ایک طریقہ ہے، اصطلاح میں مجاز: وہ لفظ ہے جو باہم گفتگو کرنے والوں کے محاورے کے اعتبار سے اپنے معنی موضوع لہ کے علاوہ کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جن دو معنوں (معنی موضوع لہ اور معنی مجازی) کے درمیان علاقہ و تعلق ہو، ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو معنی موضوع لہ کو مراد لینے سے روکتا بھی ہو۔

ملفوظ: مجاز اور کذب میں فرق یہ ہے کہ: ① مجاز میں لفظ سے ظاہر کے خلاف معنی مراد لینے پر قرینہ ہوتا ہے جو لفظ سے اس کے معنی حقیقی کو مراد لینے سے روکتا ہے جب کہ کذب (جھوٹ) میں خلاف ظاہر معنی مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جھوٹا شخص ظاہری معنی کی ترویج میں اور حقیقت کو چھپانے میں اپنی مقدور بھرکوشش صرف کر دیتا ہے۔ ② جھوٹ میں کوئی (مناسب) تاویل (مطلب اور مراد) نہیں ہوتی جب کہ مجاز کی بنیاد ہی کسی مطلب پر ہوتی ہے۔ (علم البیان)

③ دونو جوان قیدیوں میں سے ایک نے (ایک دن یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ: ”میں (خواب میں) اپنے ۷

فصل ثانی: تقسیمات مجاز

مجاز کی اولاد دو قسمیں ہیں: ① مجاز لغوی (لفظ میں مجاز) ② مجاز عقلی (نسبت میں مجاز)۔

مجاز لغوی کی دو قسمیں ہیں: ① مجاز مفرد، ② مجاز مرکب۔

مجاز مفرد و مجاز مرکب کی دو دو قسمیں ہیں، جس سے مجاز لغوی کی کل چار قسمیں ہوں گی۔

مجاز مفرد کی دو قسمیں ہیں: ① مجاز مرسل، ② استعارہ۔

مجاز مرکب کی دو قسمیں ہیں: ① استعارہ تمثیلیہ، ② مجاز مرسل مرکب۔

الحاصل: مجاز کی کل پانچ قسمیں ہوں گی: مجاز لغوی کی چار قسمیں: ① مجاز مفرد مرسل (مجاز

مرسل)، ② مجاز مفرد بالاستعارہ (استعارہ)؛ ③ مجاز مرکب مرسل (مجاز مرکب)، ④ مجاز

مرکب بالاستعارہ (استعارہ تمثیلیہ)؛ اور ⑤ ایک قسم مجاز عقلی۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اگر عبارت میں مجاز ہے تو اُس کی تین صورتیں ہیں: مجاز لفظ میں ہوگا، جملے میں ہوگا، یا

نسبت میں ہوگا؛

اگر مجاز لفظ میں ہے اور لفظ کے معنی موضوع لہ و معنی مستعمل فیہ کے درمیان تشبیہ کا علاقہ

ہے تو اسے ”مجاز مفرد بالاستعارہ“ یا صرف ”استعارہ“ کہتے ہیں، اور اگر غیر تشبیہ کا علاقہ ہے تو

اسے ”مجاز مفرد مرسل“ یا ”مجاز مرسل“ کہتے ہیں۔

اور اگر مجاز جملے میں ہے اور تشبیہ کا علاقہ ہے تو اسے ”مجاز مرکب بالاستعارہ“ یا ”استعارہ

تمثیلیہ“ کہتے ہیں، اور غیر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے ”مجاز مرکب مرسل“ یا ”مجاز مرکب“ کہتے ہیں؛

ہاں! اگر نسبت میں مجاز ہے تو اسے ”مجاز عقلی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فصل ثالث: مجاز مرسل

مَجَازِ مُرْسَل: وہ ایسا مجاز مفرد ہے جس میں لفظ کے معنی حقیقی اور معنی مجازی کے

آپ کو دیکھتا ہو کہ: میں شراب نہ پوڑ رہا ہوں؛ یہاں قرینہ لفظ ﴿أَعَصِرُ﴾ ہے جو لفظ ﴿خَمْرًا﴾ سے اس کے حقیقی

معنی (انگوری شراب) مراد لینے سے ذہن کو روکتا ہے؛ اس لیے کہ خمر کو نہ پوڑا نہیں جاتا؛ بلکہ انگور کو نہ پوڑا جاتا ہے (قرینہ)۔

درمیان مشابہت کے علاوہ کا علاقہ (مناسبت و تعلق) ہو، جیسے: ﴿يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ﴾^① [البقرة: ۱۹]۔

مجاز مرسل کے علاقے

مجاز مرسل کے علاقے بہت سارے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① إطلاق أحد المتناسبتين: السببية، المسببية، الجزئية، الكلية، المحلية، الحالية، اعتبار ما كان، اعتبار ما يكون۔

② إطلاق أحد المتضائفتين: إطلاق المطلق وإرادة المقيّد، إطلاق المقيّد وإرادة المطلق، إطلاق الخاص وإرادة العام، إطلاق العام وإرادة الخاص؛ حذف المضاف، حذف الموصوف؛ إطلاق الشيء وإرادة المتعلق، إطلاق آلة الشيء على الشيء، إطلاق أحد البدلين على الآخر، إطلاق النكرة وإرادة العموم، إطلاق أحد الضدين على الآخر، إطلاق المعرف باللام على النكرة، حذف الحرف والكلمة، زيادة الحرف والكلمة۔

③ إطلاق أحد الصيغ على الأخرى: إطلاق المصدر على اسم المفعول، إطلاق اسم الفاعل على المصدر، إطلاق اسم الفاعل على اسم المفعول، إطلاق اسم المفعول على اسم الفاعل؛ إطلاق المفرد على التثنية، إطلاق التثنية على المفرد، إطلاق الجمع على المفرد، إطلاق الجمع على التثنية۔

① سببیت: سبب بول کر مسبب مراد لینا، یعنی: لفظ مذکور کا معنی موضوع لہ، معنی مرادی کا سبب ہو؛ اس علاقے والا مجاز عربی عبارات میں بہ کثرت ہے، جیسے: ﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا﴾ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ^② [البقرة: ۱۹۴]۔

① وہ لوگ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں (پوروں ٹھونستے ہیں)، یہاں اصابع سے انامل مراد ہیں؛ کیوں کہ اس کا قرینہ یہ ہے کہ: اصابع کو کانوں میں نہیں ٹھونسا جاسکتا؛ لہذا اصابع (کل) بول کر انامل (جزو) مراد لینا مجاز مرسل کے قبیل سے ہے، جن کے درمیان تشبیہ کے علاوہ ”کلیت و جزئیت“ کا تعلق ہے۔

② یہاں اعتداء تین جگہ مستعمل ہے جن میں اول و ثالث اپنے حقیقی معنی (ظلم و زیادتی کرنا) میں مستعمل ہیں، ۴

② **مَسْبَبِيَّت**: مسبب کو ذکر کر کے سبب مراد لیا جائے اس طور پر کہ لفظ مذکور کا معنی اصلی مسبب ہو معنی مرادی (سبب) کا، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ، وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا، وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ﴾ ① [غافر: ۱۳]۔

ملحوظہ: کسی کام کے کرنے کا ارادہ، کام کے وجود میں آنے کا سبب ہوا کرتا ہے؛ لہذا ارادہ فعل کو فعل سے تعبیر کرنا۔ جو قرآن مجید میں بہ کثرت وارد ہے۔ علاقہ مسببیت کے قبیل سے ہے، جیسے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [النحل: ۹۸] ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ [المائدة: ۶]، اُنْی: اُرْدْتُمُ الْقِيَامَ إِلَى الصَّلَاةِ؛ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ② [النحل: ۶۱]، اُنْی: فَإِذَا قَارَبَ مَجِيئُ الْأَجَلِ۔

③ **جَزْئِيَّت**: یعنی جزء بول کر کل مراد لینا، جیسے: ﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ③ [الرحمن: ۲۷]۔

④ **كَلِّيَّت**: کل کے لفظ سے جزء مراد لینا، جیسے: ﴿يَجْعَلُونَ "أَصَابِعَهُمْ" فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ ④ [البقرة: ۱۹]۔

◀ اور اعتداء ثانی اپنے مجازی معنی (ظلم و زیادتی کا جزاء و قصاص لینا) میں مستعمل ہے؛ کیوں کہ ظلم کے مناسب بدلہ لینا ظلم نہیں ہوا کرتا (قرینہ)؛ چوں کہ لفظ مذکور کا معنی حقیقی (اعتداء) معنی مرادی (جزاء و قصاص) کا سبب ہے؛ لہذا یہاں سبب بول کر مسبب کو مراد لیا ہے؛ اور علاقہ مسببیت کا ہے۔ اور آیت مذکورہ میں جزاء و قصاص کو اعتداء سے تعبیر کرنا ”مشاکلت“ کہلاتا ہے جس کا بیان ”بدیع“ میں آئے گا۔

① آسمان سے اتاری جانے والی چیز تو ماء (پانی) ہی ہے جو رزق کا سبب ہوا کرتا ہے؛ چنانچہ یہاں لفظ مذکور یعنی رزق (مسبب) بول کر معنی مرادی یعنی پانی (سبب) کو مراد لیا گیا ہے، اور علاقہ مسببیت کا ہے۔

② یعنی جب تم قرآن کے پڑھنے کا عزم و ارادہ کر لو تو اللہ کی پناہ لے لیا کرو! پہلی آیت میں قرأت بول کر ارادہ قرأت مراد لینا مجاز مرسل ہے، اور علاقہ مسببیت کا ہے؛ ورنہ تو آیت کے حقیقی معنی کے اعتبار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ: پہلے قرآن پڑھ لو پھر استعاذہ کرو!۔ (علم البیان، الزیادة والاحسان)

③ اس آیت میں وجہ بول کر ذات پروردگار مراد لیا ہے۔

④ اس آیت میں کل ﴿أَصَابِعُ﴾ بول کر جزء (اَنَامِل) مراد لیا گیا ہے، اور اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ: منافقین ◀

⑥ **مَحَلِّیَّت:** محل بول کر اس میں قرار پکڑنے والی چیز (حال) مراد لینا، جیسے:

﴿وَاسْأَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِزْرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا﴾^① [یوسف: ۸۳]۔

⑥ **حَالِیَّت:** حال (کسی محل میں قرار پکڑنے والی چیز) بول کر اس کے محل اور مکان کو

مراد لینا، جیسے: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وَجُوهُهُمْ فَفِي "رَحْمَةِ اللَّهِ"﴾^② أي: فَفِي الْجَنَّةِ،

[آل عمران: ۱۰۷]؛ ﴿يَبْنِي أَدَمَ خُذُوا "زِينَتَكُمْ" عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾^③ [الأعراف: ۳۱]۔

④ **اعتبارِ ماکان:** کسی چیز کو اس کے سابقہ زمانہ (زمانہ ماضی) کے نام سے تعبیر

کرنا، جیسے: ﴿إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ "مُجْرِمًا" فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾^④

[طہ: ۷۶]؛ ﴿وَأَتُوا الَّتِي أُمُورُهَا﴾^⑤ [النساء: ۲]۔

⑧ **اعتبارِ مایکون:** کسی چیز کو موجودہ حالت میں اس کے مستقبل میں لگنے والے

نام سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾^⑥ [الصُّفَّت: ۱۰۱]، ﴿إِنِّي أَرِنِي أَعْصِرُ

خَمْرًا﴾^⑦ [یوسف: ۳۶]۔

❧ موسلا دھار بارش اور سخت کڑک اور بجلی سے مارے خوف و پریشانی کے اپنے پوروں کو غیر معتاد طریقے پر کانوں میں ٹھونستے تھے، گویا پوری انگلیاں ہی کان میں ٹھوس دیں گے۔ (علم البیان)

① اہل قریہ مراد ہیں؛ چنانچہ ﴿قَرْیَةً﴾ محل بول کر اس میں رہنے والے اہل قریہ (حال) مراد ہے۔

② پہلی آیت میں ﴿رحمة﴾ بول کر جنت مراد لی ہے، اور رحمت حال ہے، جنت محل ہے۔ اور دوسری آیت میں

﴿زینة﴾ سے لباس اور وہ چیزیں مراد ہیں جن سے لوگ زینت اختیار کرتے ہیں، اور زینت لباس میں قرار لیے ہوتی ہے،

گویا حال بول کر محل مراد لیا ہے؛ اور مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ: بذات خود زینت ایسی چیز نہیں جسے اختیار کیا جاسکے۔ (علم

البیان)

③ جو آدمی روزِ جزاء کو جرم کرنے کی حالت میں پروردگار کے روبرو حاضر ہوگا اس کے لیے جہنم ہے؛ دیکھئے مرنے

کے بعد جرم یا اطاعت کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا (قرینہ) پھر بھی روزِ جزاء کو حاضر ہونے والے شخص کو آج روزِ محشر

لفظِ مجرم سے تعبیر کرنا ماکان (دنیا) کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔

④ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے بچے کی بشارت دی جو مستقبل میں حلیم ثابت ہوگا؛ کیوں کہ بچہ

پیدائش کے وقت یا پیدا ہونے سے پہلے تو حلیم نہیں ہوتا (قرینہ)؛ بلکہ بڑا ہونے کے بعد صفتِ حلیم سے متصف ہوتا ہے،

اب مولودِ حلیم پر رحلِ حلیم کا اطلاق کرنا مایکون کے اعتبار سے ہے۔

محبازمرسل کے مابقیہ علاقے

⑨ دو مشابہ چیزوں میں سے ایک بول کر دوسرا مراد لینا، جیسے: دیوار پر بنی ہوئی انسان کی تصویر کے بارے میں ھِذِہ صُورَۃُ اِنْسَانٍ کے بجائے ھٰذَا اِنْسَانٌ کہنا۔

⑩ مطلق بول کر مقید مراد لینا، جیسے: ﴿فَتَخْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾^①، اُی: مؤمنہ۔

⑪ مقید بول کر مطلق مراد لینا، جیسے: ”لَکُلِّ فِرْعَوْنٍ مُّوسٰی“ ہر ظالم کی سرکوبی کے لیے کوئی نیک بندہ پیدا ہو جاتا ہے^②۔

⑫ خاص لفظ بول کر عام مراد لینا، جیسے: ﴿فَأَتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَا: اِنَّا رُسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾^③ [الشعراء: ۱۶]۔

⑬ عام بول کر خاص مراد لینا، جیسے: ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ اُی: المؤمنین^④۔

⑭ مضاف کو حذف کرنا، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ﴾ اُی اُھْلَہَا، قریہ بول کر اہل قریہ مراد لینا۔

⑮ موصوف کو حذف کرنا، جیسے: اَنَا اِبْنُ جَلَا، اُی رَجُلٍ جَلَا^⑤۔

⑯ شئی بول کر متعلق شئی مراد لینا، جیسے: ﴿جَاءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآیِطِ﴾

① کفارہ ظہار میں حضرات شوافع کے نزدیک رقبہ سے مقید رقبہ یعنی مؤمن غلام مراد ہے، اس میں غلام بول کر مؤمن غلام مراد لینا مطلق بول کر مقید مراد لینا ہے۔

② یہاں ہر ظالم پر ”ملعون فرعون“ کا اور نیکو کار پر ”حضرت موسیٰ“ کا اطلاق کرنا، یہ مقید بول کر مطلق مراد لینا ہے؛ یہ مجاز بحیثیت مفردات ہے؛ ورنہ یہ مثال بہ حیثیت جملہ استعارہ تمثیلیہ کی ہے۔

③ یہاں ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بصیغہ جمع (عام) کہنے کے بجائے بصیغہ واحد تعبیر فرمایا اور یہ اشارہ کیا کہ: تمام رسل، دعوت و تبلیغ اور مقصد بعثت میں ایک ہی رسول کی طرح ہے۔ اس کی دوسری مثال: قَضِیۃٌ لَا اَبَا حَسَنِ لَہَا، ابو حسن (کنیت علی) بول کر ماہر فیصلہ کرنے والا، مراد لینا۔

④ اس آیت میں ﴿مَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ عام لفظ سے خاص مؤمنین کو مراد لینا۔

⑤ میں مشہور کا بیٹا ہوں، یعنی مشہور آدمی کا بیٹا ہوں (مشہور آدمی ہوں)۔

[النساء: ۴۳] ①.

⑭ شئ کے آلہ کا اطلاق شئ پر کرنا، جیسے: ﴿وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ ①، اُنی: ذِکْرًا حَسَنًا.

⑮ احد البدلین کا اطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے: فُلَانٌ أَكَلَ الدَّمَّ، اُنی الدِّیَّةَ ③.

⑯ نکرہ موضع اشبات میں ہو، اور اس سے عموم مراد لینا، جیسے: ﴿عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّاقَدَّمْتُ﴾، اُنی: کُلُّ نَفْسٍ ④.

⑰ احد الضدین کا اطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾؛ ﴿فَ”بَشِّرْ“ هُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ⑤ [آل عمران: ۲۱].

⑱ معرّف باللام کا اطلاق نکرہ پر کرنا، جیسے: ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ﴾، اُنی: بَابًا مِنْ أَبْوَابِهِ ⑥.

⑲ کسی حرف و کلمہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ أَنْ تَضِلُّوا﴾، اُنی: لَعَلَّ تَضِلُّوا ④.

⑳ کسی حرف و کلمہ کو زیادہ کرنا، جیسے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ⑧.

① غاٹ (کشادہ شبی زمین) بول کر کشادہ زمین میں کیے جانے والا بول و براز مراد لینا۔

② اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ؛ اس میں لسان بول کر ذکرِ حسن مراد لیا ہے۔

③ یہاں دم (خون) بول کر دیت مراد لینا۔

④ ہر شخص اپنے اگلے اعمال کو جان لے گا؛ اس میں نفس بول کر کُل نفس مراد لینا۔

⑤ کسی بُرائی کا بدلہ اسی جیسی بُرائی ہے؛ آیت مذکورہ میں ﴿سَيِّئَةٌ﴾ کا اطلاق دو معنوں پر کیا گیا ہے: اول سیئہ سے ظلم کرنا مراد ہے، اور ثانی سے ظلم کا بدلہ لینا مراد ہے، جن دونوں میں سے اول ناجائز ہے، جب کہ ثانی یعنی ظلم کے برابر بدلہ لینا جائز اور مباح ہے، اُس عدم سیئہ پر مجاز اُسیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں انذار کے بحبائے عذاب کے لیے تشریح کا لفظ کہنا تہکماً ہے اور یہ مجاز ہے۔

⑥ اور دروازہ میں داخل ہو جاؤ؛ یہاں الباب معرفہ (خاص دروازہ) بول کر باب من الأبواب مراد لینا۔

⑦ اللہ تعالیٰ تم سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو؛ مثال مذکور میں ”لا“ حرف نفی کو حذف کیا ہے۔

⑧ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں؛ مثال مذکور میں تشبیہ کے معنی کے لیے دو کلمے ہیں جن میں ایک زائد ہے۔ (دستور العلماء)

فائدہ: ایک صیغہ کی جگہ دوسرے صیغے کو رکھنا بھی مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے، اور اس میں مندرجہ ذیل صورتیں داخل ہیں:

① مصدر بول کر اسم مفعول مراد لینا، جیسے: ﴿صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾^①، أي: مَصْنُوعُهُ.

② اسم فاعل بول کر مصدر مراد لینا، جیسے: ﴿لَيْسَ لَوْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾، أي: تَكْذِيبٌ^②.

③ اسم فاعل بول کر اسم مفعول مراد لینا، جیسے: ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾، أي: لَا مَعْصُومَ^③.

④ اسم مفعول بول کر اسم فاعل مراد لینا، جیسے: ﴿حِجَابًا مَسْتُورًا﴾، أي: سَاتِرًا^④.

⑤ مفرد بول کر تشنیہ مراد لینا، جیسے: ﴿وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ﴾^⑤، أي: يُرْضُوهُمَا.

⑥ تشنیہ بول کر مفرد مراد لینا، جیسے: ﴿نَسِيًا حُوتَهُمَا﴾^⑥، أي: نَسِي حُوتَهُمَا.

⑦ جمع بول کر مفرد مراد لینا، جیسے: ﴿رَبِّ ارْجِعُونِ﴾^⑦، أي: ارْجِعْنِي.

① یہ خدا کی بنائی ہوئی چیز ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

② جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف (جھوٹ) نہیں۔

③ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: آج اللہ کے قہر سے کوئی بچنے والا نہیں ہے۔

④ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے درمیان میں ایک (چھپانے والا) پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں تلازم کی وجہ سے مفرد سے تعبیر فرمایا۔

⑥ دیکھئے! یہاں بھولنے والے صرف حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔

⑦ کافر کی موت کا وقت جب آجائے گا تو وہ اس وقت تمنا کرے گا کہ: اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو، تاکہ گزشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں، یہاں سبھی کفار کی بات یہی ہوگی؛ لہذا جمع سے تعبیر کیا ہے۔

⑧ جمع بول کر تشنیہ مراد لینا، جیسے: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾،
 أُنِي: قَلْبَاكُمَا۔ (جواہر البلاغۃ، الزیادۃ)

مجاز عن المحراز: یہ مجاز کی ایک قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ: حقیقت سے مآخوذ مجاز کو دوسرے
 مجاز کی بنسبت حقیقت کے درجے میں اُتار دینا، یعنی: لفظ کے معنی مجازی کے معنی مجازی کی
 طرف منتقل ہونا، جیسے: ﴿أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ [الأعراف: ۲۶]؛ ﴿لَا تُوَاعِدُوهُمْ
 سِرًّا﴾ ① [البقرة: ۲۳۰]۔

ضمیمہ: فوائد مجاز مرسل

کلام میں حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کرنا مختلف اسرار و اغراض کے حصول کے لیے
 ہوتا ہے۔

① کلام میں ایجاز و اختصار سے کام لینا، جیسے: ﴿وَيُنْزِلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ ②
 [غافر: ۱۳]۔

② چیز کو مبالغہ تعبیر کرنا، جیسے: ﴿جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ﴾ ③ [نوح: ۷]؛ فُلَانٌ
 فَمٌ۔

③ طریقہ مجاز کی وجہ سے متکلم یا مضمون نگار کے سامنے ایک وسیع میدان ہوتا ہے کہ وہ
 قافیہ یا فاصلہ کے مناسب جو بھی الفاظ استعمال کرنا چاہے کر سکتا ہے، نیز فصاحت کلام میں خل

① یہاں لباس بول کر (باعتبارِ ماکان) سوت مراد ہے؛ پھر اس مجازِ اول سوت سے (بعلا قہ سببیت) پانی مراد ہے،
 (الزیادۃ)؛ اسی طرح ﴿لَا تُوَاعِدُوهُمْ سِرًّا﴾، یہاں بھی لفظ ﴿سِرًّا﴾ میں مجاز عن المجاز ہے؛ ﴿سِرًّا﴾ بول کر وطی مراد
 لی ہے بعلا قہ ملازمت، پھر وطی بول کر عقد نکاح مراد لیا ہے بعلا قہ سببیت۔ (الزیادۃ والاحسان)

② یہ طریقہ تعبیر مختصر ہے، اس عبارت سے کہ یوں کہے: ”وَيُنْزِلُ لَكُمْ الْمَاءَ الَّذِي يَتَسَبَّبُ فِي إِيجَادِ الرِّزْقِ“۔
 ③ یہاں اُتائیل کے جگہ اُصابع کو ذکر کیا، جس سے کافروں کی سرکشی اور مؤمنین سے ان کی سخت نفرت معلوم ہوتی
 ہے جس نے ان کی قوت شنوائی کو بالکل ہی معطل کر دیا تھا؛ اور یہ مبالغہ اصابع کو ذکر کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے؛
 دوسری مثال میں آدمی پر فم کا اطلاق کرنا مبالغہ ہے کہ وہ اتنا لالچی ہے کہ ہر چیز نگل جاتا ہے۔

ثابت ہونے والے الفاظ سے اپنے کلام کو پاک رکھنے کے لیے بھی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لیتا ہے، جیسے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾^① [النساء: ۴۳]۔

④ متکلم کے مختلف مقاصد و اغراض کے حصول میں معین ثابت ہوتا ہے، جیسے: تعظیم، تحقیر اور ہولنا کی وغیرہ بیان کرنا، جیسے: ﴿وَأَثْوَأَ الِیْتَمٰی اَمْوَالَهُمْ﴾^⑤ [النساء: ۲]۔

فصل رابع: استعارہ

مجاز مفرد کی دوسری قسم ”استعارہ“ ہے۔

استعارہ: وہ مجاز مفرد ہے جس میں لفظ کو اپنے معنی حقیقی کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہو مشابہت کے تعلق (مناسبت) کی وجہ سے، کسی ایسے قرینے کے ساتھ جو لفظ کا معنی حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النَّوْرِ﴾ [ابراہیم: ۱]، اُی: مِنَ الضَّلٰلٰتِ اِلَی الْاِیْمَانِ؛ اور جیسے منافقین کی حالت کے بارے میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾^⑥ [البقرة: ۱۰]۔

① اس جگہ غائط یعنی کشادہ نشیبی زمین (محل) بول کر پاخانہ کرنا (حال) مراد لیا ہے۔

② آیت مبارکہ میں اس اہم فریضہ کی طرف راغب کرنے کے لیے باعتبار ماکان ﴿یَتَمٰی﴾ سے تعبیر فرمایا جو قابل رحم سمجھے جاتے ہیں۔ (علم البیان) اسی طرح ہم ایک طالب علم کی تعظیم بتلانے کے لیے جو مستقبل میں عالم ہوگا، یوں کہے: رَایْتُ عَالِمًا؛ دیکھے اس مجاز سے اس طالب علم کی تعظیم اور رفعت شان معلوم ہوئی ہے جو حقیقت کے مطابق کلام کرنے میں مفقود ہے۔

③ ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تُو لوگوں کو اندھیروں (گمراہیوں) سے اُجالے (نور) کی طرف نکالے۔ دیکھے یہاں ظلمت و نور کا معنی حقیقی تاریکی و روشنی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ کتاب، سورج اور چراغ کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں جو مضیٰ (اُجالہ کرنے والی) ہو؛ یہ قرینہ ہے کہ یہاں: ظلمات (اندھیروں) بول کر ضلالت (گمراہیاں) مراد لی گئیں ہیں۔ جس طرح ضلالت میں عدمِ ہتداء ہے ظلمات میں بھی عدمِ ہتداء ہے، گویا معنی ضلالت کو عدمِ ہتداء میں معنی ظلمات سے تشبیہ دی ہے اور اسی طرح ایمان کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے ہتداء میں۔ (علم البیان) آیت ثانیہ: اس آیت میں نفاق کا معنی مشبہ اور مستعار لہ ہے، مرض کا معنی مشبہ بہ اور مستعار منہ ہے اور لفظ (مرض) مستعار ہے؛ اور وجہ جامع افساد ہے۔

ارکان استعارہ و طریقہ ابراء

استعارہ کے چار ارکان ہیں: ① مستعار لہ، ② مستعار منہ، ③ لفظ مستعار، ④ وجہ جامع۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: جملے کے جس لفظ میں استعارہ جاری ہوگا وہاں ایک قرینہ (لفظیہ یا حالیہ) ضرور ہوگا جو ہمیں لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتا ہوگا، جیسے مثال مذکور ﴿کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ میں قرینہ یہ ہے کہ: کتاب یہ سورج و چاند کی طرح کوئی اُجالہ کرنے والی شئی تو ہے نہیں! اُس سے معلوم ہوا کہ لفظ ”ظُلُمَات“ اور لفظ ”نُور“ اپنے حقیقی معانی یعنی ظلمات اور معنی نور میں مستعمل نہیں؛ بلکہ لفظ ”ظلمات“ بول کر معنی ضلالت، اور لفظ ”نور“ بول کر معنی ایمان مراد لیا گیا ہے۔

پس یہاں استعارہ اس طرح جاری کریں گے کہ: معنی ضلالت کو معنی ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی ہے عدم اہتداء کی جامعیت (وجہ شبہ) کی وجہ سے؛ پھر معنی ظلمات (مشبہ ب) پر دلالت کرنے والے لفظ (لفظ ظلمات) کو معنی ضلالت (مشبہ) کے لیے مستعار لیا گیا۔

مُسْتَعَار: مشبہ بہ پر دلالت کرنے والا وہ لفظ ہے جس کو مشبہ کے لیے عاریت کے طور پر لیا گیا ہو، جیسے مثال مذکور میں لفظ ظلمات۔

مُسْتَعَار لہ: وہ معنی مشبہ ہے جس پر دلالت کرنے کے لیے کسی لفظ کو مستعار لیا گیا ہو،

یہاں نفاق کے لیے مرض جسمانی کو مستعار لیا گیا ہے اس وجہ جامع کی وجہ سے کہ دونوں ہی چیزیں بگاڑ پیدا کرتی ہیں، مرض یہ جسموں کو اور نفاق، دلوں کو خراب کر دیتا ہے؛ اور آیت میں مرض جسمانی مراد لینے سے قرینہ مانعہ یہ ہے کہ: مذکورہ آیت کریمہ ان منافقین کی برائی بیان کرنے کے لیے اتاری گئی ہے جو دلوں میں کفر چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں؛ پس ان کے مرض جسمانی کو بیان کرنا ان کی بری خصلت نہ ہوئی؛ بلکہ دلوں کے فساد کو بیان کرنا بری خصلت ہوگی۔ (علم البیان)۔

ملحوظہ: استعارہ درحقیقت تشبیہ ہی کی ایک قسم ہے جس کے طریقین (مشبہ، مشبہ بہ) میں سے کسی ایک طرف کو اور وجہ شبہ و ادات شبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، اسی کا نام ”استعارہ“ ہے۔

جیسے مثال مذکور میں معنی ضلالت پر دلالت کرنے کے لیے لفظ ضلالت کو مستعار لیا گیا ہے؛ لہذا معنی ضلالت، مشبہ و مستعار لہ ہوگا۔

مُسْتَعَار مَنہ: وہ معنی مشبہ بہ ہے جس پر دلالت کرنے والے الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کو مستعار لیا گیا ہو، جیسے: ہماری مثال میں معنی ظلمات پر دلالت کرنے والے لفظ (لفظ ظلمات) کو مستعار لیا گیا ہے۔

وجہ جامع: معنی مشبہ اور معنی مشبہ بہ کے درمیان کی مشابہت کا علاقہ، جیسے مثال مذکور میں اہتداء، جس کو تشبیہ میں وجہ شبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ استعارہ اصالتہً تو معانی میں جاری ہوتا ہے، جیسا کہ مثال سے تفصیلاً معلوم ہو چکا؛ لیکن اجرائے استعارہ کے موقع پر عموماً یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ: ضلالت کو ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

استعارہ اور تشبیہ بلیغ میں منرق

تشبیہ بلیغ میں بھی مشبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: ﴿صُمُّ بُكْمٌ عُمًی﴾ [البقرة: ۱۸]، اُنّی: هُمْ صُمٌّ؛ لیکن استعارہ و تشبیہ بلیغ کے درمیان فرق یہ ہے کہ: تشبیہ بلیغ میں جس طرف تشبیہ کو حذف کیا ہے وہ بطریقہ تقدیر ہے، یعنی حذف مع نیت تقدیر؛ جب کہ استعارہ میں طرف کو حذف کرنا بطریق حذف ہے، جسے حذف مع نسیان المحذوف بھی کہتے ہیں ①۔

فصل خامس: اقسام استعارہ

مستعار منہ (مشبہ بہ) کے ذکر و عدم ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں:

① تصریحیہ، ② مکنیہ۔

① مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں علم البیان: ۱۴۱۔ تقدیر و حذف کے درمیان فرق کے لیے ”دستور العلماء“ یا ”دستور الطلاب“ ملاحظہ فرمائیں۔

① **استعارہ تصریحیہ:** وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کی صراحت کی گئی ہو اور مستعار لہ (مشبہ) کو حذف کر دیا ہو، جیسے: ﴿كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ [ابراہیم: ۱]؛ ﴿فَإِذَا قَهَّ اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ① [النحل: ۱۱۴]۔

② **استعارہ مکنیہ:** وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کو حذف کر دیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازمات میں سے کسی لازم کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو، جیسے: ﴿وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ② [بنی اسرائیل: ۴۰]۔

تقسیم ثانی: استعارہ اصلیہ و تبعیہ

لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: ① استعارہ اصلیہ ② استعارہ تبعیہ۔

① آیت اولی: یہ کتاب اندھیروں سے نور کی طرف یعنی گمراہیوں سے ایمان کی طرف نکالنے والی ہے؛ یہاں مستعار لہ (مشبہ) ضلالت اور ایمان ہیں جو مذکور نہیں، اور مستعار منہ (مشبہ بہ) ظلمات اور نور ہیں جو مذکور ہیں؛ لہذا یہ استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہوا؛ اور استعارہ تصریحیہ تبعیہ کی مثال: ﴿وَلَأَصْلَبَنَّاكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ﴾ ہے جو استعارہ تبعیہ میں آرہی ہے۔

آیت ثانیہ: جب بستی والوں نے انعامات الہیہ کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کفرانِ نعمت کا مزہ چکھایا کہ: امن و چین کی جگہ خوف و ہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے اس طرح گھیر لیا، جیسے: کپڑا، پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے؛ ایک دم کو بھوک اور ڈر اُن سے جدا نہ ہوتا تھا۔

یہاں بستی والوں پر نازل ہونے والے حوادث کی وجہ سے ان کو پہنچنے والے غم و حزن، خوف و ہراس اور بے چینی و گھبراہٹ (مشبہ، مستعار لہ) کو لباس (مشبہ بہ، مستعار منہ) کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ اور وجہ جامع احاطہ کرنا (گھیرنا) ہے؛ پس لباس مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے جو مذکور ہے اور بستی والوں کو پہنچنے والا غم، حزن، خوف و ہراس اور گھبراہٹ مشبہ (مستعار لہ) ہے جو مخدوف ہے؛ لہذا اس کو استعارہ تصریحیہ کہتے ہیں۔ (علم البیان)

② **تو والدین کے آگے نیاز مندی سے عاجزی کے بازو جھکا دے!** دیکھئے ذلت و عاجزی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا بازو اور پر ہو (قرینہ)؛ یہاں باری تعالیٰ نے ذلت و عاجزی کو پرندے سے تشبیہ دی، پھر پرندے کو حذف کر کے اس کے لازم ﴿جَنَاح﴾ بازو کے ذریعہ مشبہ بہ کی جانب اشارہ کر دیا؛ یہاں ﴿ذُل﴾ مشبہ کو ذکر کیا ہے اور ”طائر“ مشبہ بہ مخدوف ہے؛ لہذا یہ استعارہ مکنیہ ہوا۔

ملحوظہ: اس مثال میں استعارہ تخیلیہ بھی ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

① **استعارہ اَصْلِیَّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار (جس میں استعارہ جاری ہوا ہے) کوئی ایسا اسم جنس ہو جو ایک غیر معین فرد پر دلالت کرتا ہو؛ چاہے وہ ①:

① اسم عین ہو، جیسے: اَسَدٌ، بَحْرٌ وغیرہ، جیسے: ﴿كِتَبٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾؛ یہاں ظلمات اور نور دونوں اسم جامد ہیں۔

② مصدر ہو، جیسے: قَتَلَ، نَوَمٌ، يَقْطِظُ وغیرہ، جیسے: ﴿فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ [البقرہ: ۱۰]، اُی: نِفَاقٌ۔

③ وہ لفظِ مستعار ان اسمائے اعلام میں سے ہو جو کسی خاص صفت سے مشہور ہو گئے ہوں، جیسے: حَاتِمٌ، مَارِدٌ اور قُسٌ وغیرہ ④۔ (علم البیان)

② **استعارہ تَبْعِیَّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار فعل ہو یا اسم مشتق یا حرف ہو، جیسے: نَطَقَتِ الْحَالُ کہ اس سے مراد دَلَّتِ الْحَالُ ہے، اور فُلَانٌ عَقْلُهُ نَائِمٌ

① استعارہ اَصْلِیَّہ کو اَصْلِیَّہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ براہِ راست اسم جنس، اسم عین اور مصدر میں جاری ہوتا ہے؛ بر خلاف استعارہ تَبْعِیَّہ کے۔

② وہ اعلام جو مخصوص صفات میں مشہور ہیں، اور کلام عرب میں ان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

صفات محمودہ میں مشہور اعلام		صفات ذمیہ میں مشہور اعلام	
مشبہ	مشبہ بہ	مشبہ	مشبہ بہ
وعدہ وفائی کرنے والا	سَمُوَئِلَ (یہودی)	عاجز و در ماندہ	بَاقِل
سنخی	حاتم طائی	احمق	هَبْبَقَّة
عادل	عمر بن خطاب	پشیمان	عُكْسَعِي
بردبار	أَخْفَ بن قیس	بخیل	مَادِر
فصیح و بلیغ	سُجْبَان بن وائل	بجو کرنے والا	حُطَيْيَّة
خطیب	قُس بن ساعدہ الا یادی	سخت دل	حُجَاج بن یوسف
بہادر	عمر و بن معد یکرب		
حکیم	لقمان		
ذکی و ہوشیار	إِیَاس بن معاویہ		

یعنی: غافل؛ باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا صَلَبْنَكُمْ فِي جُدُوعِ التَّخْلِ﴾^① [طہ: ۷۸]؛ اُی: علی جُدُوعِ التَّخْلِ.

تقسیم ثالث: استعارہ مرثیہ، مجرہ، مطلقہ

ملائم مشبہ و مشبہ بہ کے ذکر و عدم ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسمیں ہیں: ① مرثیہ، ② مجرہ، ③ مطلقہ۔

① **استعارہ مرثیہ**: وہ استعارہ ہے جس میں - قرینے کے ذریعے استعارہ کے تام ہو جانے کے بعد - مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ملائم و مناسب مذکور ہو، جیسے: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبَّحَتْ تِجَارَتُهُمْ﴾^② [البقرة: ۱۷۶].

① مثال اول میں استعارہ اس طرح جاری ہوگا کہ: دلالت واضحہ کو نطق سے تشبیہ دی دونوں کے مراد کو واضح کرنے کے جامع کی وجہ سے، پھر دلالت واضحہ کے لیے نطق (مشبہ بہ) کو مستعار لیا گیا؛ پھر نطق سے مشتق کیا گیا نَطَقَتْ بمعنی: دَلَّت کو؛ اس مثال میں لفظ مستعار نطقت فعل ہے۔

اسی طرح ”فَلَانٌ عَقْلُهُ نَائِمٌ“ میں استعارہ اس طرح جاری ہوگا کہ: غفلت کو تشبیہ دی نوم سے دونوں میں عدم ادراک کے جامع کی وجہ سے، پھر غفلت کے لیے نوم کو مستعار لیا گیا، پھر نوم مصدر سے نائم بمعنی غافل کو استعارہ تبعیہ کے طور پر لیا گیا۔ (علم البیان)

اخیری مثال میں استعارہ اس طرح جاری کریں گے: کہ استعلاء کو ظرفیت سے تشبیہ دی گئی ہے ”تمکُن“، یعنی: قرار پکڑنے کی جامعیت کی وجہ سے، پھر یہ تشبیہ ان کلی معنوں (استعلاء و ظرفیت) سے متجاوز ہوئی؛ چنانچہ مشبہ بہ (ظرفیت) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف ”فی“) کو مشبہ (استعلاء) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف ”علی“) کے لیے مستعار لیا گیا؛ یہاں لفظ مستعار حرف ”فی“ ہے؛ لہذا استعارہ تبعیہ ہوا۔

ملحوظہ: اس استعارہ کو تبعیہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ فعل و حرف میں جاری ہونے والا استعارہ اوّلا مصدر اور معنی حرف میں جاری ہوگا، پھر تبعاً دو فعلوں اور دو حرفوں میں جاری ہوگا؛ مثلاً: من برائے ابتداء، الی برائے انتہاء اور رُب برائے تقلیل میں استعارہ جاری ہوگا، اس کے بعد تبعاً حروف میں جاری ہوگا۔

② یہاں ﴿اشْتَرُوا﴾، ”اختاروا“ کے معنی میں ہے؛ چنانچہ اختیار کو اشتراء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے استبدال کی جامعیت کی وجہ سے؛ اور قرینہ ﴿ضَلَلَةٌ﴾ ہے؛ کیوں کہ ضلالت کوئی ایسی چیز نہیں جس کی خرید و فروخت ہو سکے؛ جب استعارہ اپنے قرینے کے ساتھ مکمل ہو گیا پھر ہم نے عبارت میں ﴿رَبَّحَتْ تِجَارَتُهُمْ﴾ کو پایا جو اشتراء (مشبہ بہ) کے ملائمت و مناسبات میں سے ہے؛ لہذا یہ استعارہ ”مرثیہ“ کہلائے گا، اور ﴿فَمَا رَبَّحَتْ تِجَارَتُهُمْ﴾ میں ترشح ہے۔

② **استعارہ مجرّدہ:** وہ استعارہ ہے جس میں قرینے کے ساتھ استعارہ کے تام ہو جانے کے بعد۔ مستعار لہ (مشبہ) کا ملائم مذکور ہو، جیسے: ﴿فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ﴾^① [النحل: ۱۱۲]۔

فائدہ: تجرید یعنی ملائم مشبہ اور ترشح یعنی ملائم مشبہ بہ کا اعتبار تب ہو گا جب کہ استعارہ قرینہ کے ذریعے تام ہو جائے؛ لہذا استعارہ تصریحیہ (جس میں مشبہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو تجرید میں شمار نہیں کیا جائے گا، اسی طرح استعارہ ممکنہ (جس میں مشبہ بہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو ترشح میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

③ **استعارہ مطلقہ:** وہ استعارہ ہے جس میں نہ مستعار لہ (مشبہ) کا ملائم ہو اور نہ ہی مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ملائم ہو، جیسے: ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ [الحاقة: ۱۱]؛ ﴿يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ﴾^② [البقرة: ۲۷]۔

استعارہ مؤشّحہ: وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کے مناسبات

① اللہ پاک نے ان کے پاس بھوک اور خوف کے لباس (مصائب) پہنچائے۔ دیکھئے! یہاں بستی والوں کو پہنچنے والے مصائب و حوادث کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور قرینہ ﴿لِبَاسَ﴾ کی اضافت ﴿الْجُوعِ وَالْخَوْفِ﴾ کی طرف کرنا ہے؛ کیوں کہ بھوک اور خوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا لباس ہو، ہاں! بھوک اور خوف کے مصائب نے انہیں لباس کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیا تھا؛ یہ استعارہ مکمل ہو اور ”إِذَاقَةُ“ بمعنی: إصَابَةُ یہ مشبہ (مستعار لہ) یعنی مصائب کے ملائمت میں سے ہے؛ نہ کہ لباس کے ملائمت میں سے۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: جس وقت پانی کا طوفان آیا، اور پانی اُبلا، تو ہم نے تم کو چلتی کشتی میں لا دیا؛ یہاں زیادتی ماء کو (حد سے پار ہونے میں) طغیان سے تشبیہ دی ہے؛ یہاں ”زیادۃ“ مستعار لہ، ”طغیان“ مستعار منہ ہے اور ”مُجَاوِزۃ الحد“ جامع ہے اور ﴿طَغَا﴾ کی ﴿الْمَاءِ﴾ کی طرف نسبت کرنا قرینہ ہے؛ اور عبارت میں زیادتی اور طغیان میں سے کسی کا ملائم نہیں؛ لہذا استعارہ مطلقہ ہوا۔ (نوائد، علم المعانی)

آیت ثانیہ: یہاں کفار، اللہ کے عہد (ایمان باللہ، تصدیق بالرسول اور عمل بالشرائع) کو توڑتے ہیں؛ حالاں کہ اللہ کا عہد کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو توڑا جائے؛ کیوں کہ وہ ایک معنوی شئی ہے، پس عہد اللہ یہ قرینہ ہے کہ: ﴿يَنْقُضُونَ﴾ یہ ”يُظِلُّونَ“ کے معنی میں ہے، چنانچہ یہاں ابطال عہد مشبہ (مستعار لہ) ہے اور فَكُّ طَاقَاتِ الْحَبْلِ، رسی کے دھاگوں کو کھولنا مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے، جامع: عدم نفع ہے؛ اور دونوں کا کوئی ملائم مذکور نہیں۔

مذکور ہوں، جیسے: لَدَى أَسَدٍ شَاكِي السَّلَاحِ مُقَدِّفٌ؛ لَهُ لَيْدٌ أَظْفَارُهُ لَمْ تُقْلَمَ ①۔
استعارہ کے مذکورہ اقسام کی مختلف مثالیں کتاب کے اخیر میں نقشہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

استعارہ تحقیقیہ، تخیلیہ

مستعار لہ (مشبہ) کے حسی و عقلی ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: ①
استعارہ تحقیقیہ، ② استعارہ تخیلیہ۔

① استعارہ تحقیقیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ (مشبہ) امر حسی ہو، جیسے:
﴿وَاشْتَغَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ ④ [مریم: ۱۶]۔

② **استعارہ تخیلیہ**: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار لہ امر عقلی ہو اور مستعار منہ
(مشبہ بہ) سے مختص چیز کو مستعار لہ کے لیے ثابت کیا گیا ہو، جیسے: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا
الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَیَحَتْ تِجَارَتُهُمْ﴾ [البقرة: ۱۶]؛ ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ
بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ [البقرة: ۲۷]؛ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ⑤ [بنی اسرائیل: ۲۴۰]

① میں ایک ایسے شیر کے پاس ہوں جو ہتھیاروں سے لیس ہے اور جنگ کے میدانوں میں پھینکا جاتا ہے؛ لَهُ لَيْدٌ
أَظْفَارُهُ لَمْ تُقْلَمَ؛ اس کی گردن پر بال ہیں اور اس کے ناخن کٹے ہوئے نہیں ہیں۔ یہاں مشبہ (رجل شجاع) کا ملامت
”أَظْفَارُهُ لَمْ تُقْلَمَ“ اور مشبہ بہ (شیر) کا ملامت ”لَهُ لَيْدٌ“ دونوں کے ملامت مذکور ہیں۔

② حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الہی! سر کے بالوں کی سفیدی مشتعل ہو رہی ہے، یعنی: چمک رہی ہے؛
دیکھو! مشتعل ہونا آگ میں ہوتا ہے نہ کہ سر میں، یہاں ﴿شَيْبًا﴾ کو النار سے تشبیہ دی ہے انتشار و وجہ جامع کی وجہ سے؛
دیکھیے یہاں مشبہ یعنی سر کی سفیدی امر حسی ہے لہذا استعارہ تحقیقیہ ہوا۔

③ یہاں استبدال الضلالتہ بالہدی (مستعار لہ) امر حسی کو استبدال المہیج بالثمن (مستعار منہ) سے تشبیہ دی ہے،
اور مستعار منہ یعنی مشبہ بہ (استبدال المہیج بالثمن) سے مختص چیز ”رجح“ کو مستعار لہ یعنی مشبہ (ہدایت کے بدلے گمراہی
اختیار کرنا) کے لیے ثابت کیا گیا ہے؛ لہذا یہ استعارہ تخیلیہ ہوا۔

اسی طرح دوسری مثال میں عہد و پیمان امر عقلی (مستعار لہ) کو رسی (مستعار منہ) سے تشبیہ دی ہے؛ پھر مستعار منہ
(رسی) سے مختص چیز (نقض و وثوق) کو مستعار لہ (عہد و پیمان) کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ (الزیادۃ والا حسان: ۴۸۴-۴۸۹)
اسی طرح تیسری مثال میں: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ میں ﴿ذُلٌّ﴾ مشبہ کے لیے ”طائر“
مشبہ بہ کے لازم یعنی: ﴿جَنَاحُ﴾ کو ثابت کرنا ”استعارہ تخیلیہ“ کہلاتا ہے۔

فصل سادس: مجاز مرسل مرکب، استعارہ تمثیلیہ

مجاز لغوی کی دوسری قسم مجاز مرکب ہے۔

مجاز مرکب: وہ جملہ ہے جو کسی علاقے (مناسبت) کی وجہ سے معنی حقیقی کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو، ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ ہو جو معنی حقیقی مراد لینے سے روکتا ہو۔
مجاز مرکب کی دو قسمیں ہیں: ① مجاز مرسل مرکب، ② استعارہ تمثیلیہ۔

① **مجاز مرسل مرکب:** وہ مجاز مرکب ہے جس میں ایک جملہ کو مشابہت کے علاقے کے علاوہ (سبیت، مسبیت وغیرہ) علاقے کی وجہ سے ماوضع لہ کے علاوہ معنی میں استعمال کرنا کسی ایسے قرینے کی وجہ سے جو معنی موضوع لہ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے:

① وہ جملہ خبریہ جو جملہ انشائیہ کے معنی میں مستعمل ہو، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾ [ال عمران: ۳۶]؛ ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ ① [مریم: ۴]۔
② وہ جملہ انشائیہ جو خبر کے معنی میں ہو، جیسے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا﴾ ② [مریم: ۷۵]؛ اُنْثَىٰ: يَمْدُ۔

① آیت اولیٰ: عمران کی بیوی حسنہ بنت فاقوذ نے زمانہ کے رواج کے مطابق منت مانی تھی کہ: جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ تمام دنیوی مشاغل سے آزاد رہ کر تیری عبادت کرے گا اور کلیسا کی خدمت کرتا رہے گا؛ لیکن جب خلاف توقع لڑکی پیدا ہوئی تو حسرت و افسوس سے کہا: ﴿رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾؛ یہ کلام بظاہر خبر ہے؛ لیکن مراد انشاء ہے؛ کیوں کہ امراۃ عمران باری تعالیٰ کو خبر دینا نہیں چاہتی؛ بلکہ اپنا حزن و ملال ظاہر کر رہی تھیں؛ اس مجاز میں لزومیت کا علاقہ ہے کہ وضع اُنْثَىٰ کی خبر دینے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ غمگین ہیں۔ (علم البیان)
آیت ثانیہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الہی سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگی ہیں! بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ یہ خبر اپنی غرض حقیقی (فائدۃ النجریہ یا لازم فائدۃ النجریہ) کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مقصود اظہار ضعف ہے اور قرینہ مقام خطاب ہے کہ باری تعالیٰ سے خطاب ہے جس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ (علم البیان)

ملحوظہ: یہ پورا جملہ مجاز مرسل مرکب کے قبیل سے ہے؛ البتہ ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ میں استعارہ مکنیہ اصلہ تحقیقیہ بھی ہے؛ تفصیل استعارہ تحقیقیہ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

② یعنی خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ: جو اپنے کسب و ارادہ سے کوئی راستہ اختیار کر لے، اس ۷

ملحوظہ: جملہ خبریہ کو انشائی معنی (اغراض مجازیہ) کے لیے استعمال کرنا، اسی طرح جملہ انشائیہ کو اخباری معنی (مجازی معنی) کے لیے استعمال کرنا بھی مجاز مرکب مرسل کے قبیل سے ہے؛ جس کا تفصیلی بیان ”خبر کی اغراض مجازیہ“ اور ”اقسام انشائیہ“ (امر، نہی، تمسنی وغیرہ) کی اغراض مجازیہ میں بیان ہوا ہے؛ لیکن چوں کہ خبر و انشاء کے معانی مجازیہ کا علم سیاق کلام اور قرائن احوال سے معلوم ہو جاتا ہے، پس وہ معانی مجازیہ مستبعات تراکیب کے قبیل سے ہیں؛ اس سے معلوم ہوتا کہ: مجاز مرسل مرکب کا میدان بڑا وسیع ہے؛ اسی وجہ سے بلغاء ایسے مقامات پر ”مجاز مرسل مرکب“ کو تعبیر کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ (علم البیان ملخصاً)

② **استعارہ تمثیلیہ:** وہ مجاز مرکب ہے جس میں ایک جملہ تشبیہ کے علاقے کی وجہ سے اپنے معنی موضوع لہ کے علاوہ دوسرے معنی میں مستعمل ہو، کسی ایسے قرینہ کے ساتھ جو معنی موضوع لہ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [الحجرات: ۱]؛ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ① [الزمر: ۶۷]

② کو نیک و بد سے خبردار کر دینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لیے ایک حد تک آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں ”فیئذ“ خبر کو ﴿فَلْيَمْدُ﴾ امر سے تعبیر فرمایا ہے۔ (الزیادة)

① آیت اولیٰ: یعنی جس معاملہ میں حکم الہی ملنے کی توقع ہو وہاں پہلے ہی سے آگے بڑھ کر اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو! دیکھئے یہاں الْمُتَعَجِّلُ بِالْحُكْمِ قَبْلَ إِذْنِ اللَّهِ بِه کو تشبیہ دی ہے (یعنی مثال بیان کی ہے) اس آدمی کی حالت سے جو الْمُتَقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيِ مَتَّبِعِهِ حِينَ الْمَشْيِ یعنی ”تابع کا چلتے ہوئے اپنے متبوع کے آگے بڑھ جانے والے“ سے اور دونوں میں جامع ”عدم متابعت“ ہے۔

آیت ثانیہ: یعنی مشرکین نے اللہ کی عظمت و جلال اور بزرگی و برتری کو وہاں تک ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے؛ اس کی عظمت شان کا حال تو یہ ہے کہ: قیامت کے دن کل زمین اس کی مٹھی میں اور سارے آسمان کا غد کی طرح لپیٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے؛ پھر اس کی عبادت میں بے جان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا! وہ شر کا تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہیں جس طرح چاہے اس پر تصرف کرتا ہے! دیکھئے یہاں آیت کریمہ میں حَالِ الْأَرْضِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ - عَزَّ وَجَلَّ - يَتَصَرَّفُ فِيهَا بِأَمْرِهِ وَقُدْرَتِهِ تَغْيِيرًا وَتَبْدِيلًا کو تشبیہ (تمثیل) دی ہے حَالِ الشَّيْءِ يَكُونُ فِي قَبْضَةِ الْإِنْسَانِ يَتَصَرَّفُ فِيهِ كَيْفَ يَشَاءُ کے ساتھ؛ اسی طرح ﴿وَالسَّمُوتُ﴾

ملحوظہ: عربوں سے منقول، لوگوں میں مشہور امثال بھی استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ: امثال میں تغیر نہیں کیا جاسکتا؛ لہذا ہر کہاوت کو بغیر تغیر و تبدل کے انہیں الفاظ میں بولا جائے گا جن میں اول بار وہ استعمال ہوئی تھی۔

خلاصہ کلام امثال در حقیقت استعارہ تمثیلیہ ہی ہیں، جیسے: إِنَّكَ لَا تَجْنِي مِنَ الشَّوْكِ الْعِنَبَ؛ قَطَعْتَ جَهِيْزَةَ قَوْلٍ كُلِّ حَاطِبٍ؛ ﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾^① [ال عمران: ۱۰۳]

ملحوظہ: یہاں اُس اصل واقعہ کو جس پر یہ مثل کہی گئی تھی۔ مستعار منہ (مشبہ بہ) کہتے ہیں، اور وجہ جامع کے پائے جانے پر جن جن آدمیوں پر یہ مثل کہی جائے گی اُن کو مستعار لہ (مشبہ) کہا جائے گا۔

استعارہ تمثیلیہ اور تشبیہ تمثیل میں فرق یہ ہے کہ: اگر ایک ہیئت کو دوسری ہیئت سے تشبیہ دینا استعارہ کے اُسلوب پر ہو تو اُسے ”استعارہ تمثیلیہ“ کہتے ہیں، اور اگر تشبیہ کے انداز میں ہو تو اُسے ”تشبیہ تمثیل“ کہتے ہیں؛ اول کی مثال: ﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ [ال عمران: ۱۰۳]

﴿مَطْوِيَّتٌ بِيَمِينِهِ﴾ میں ”حَالُ السَّمَوَاتِ وَقَدْ طَوَّاهَا اللَّهُ بِقُدْرَتِهِ“ کو تشبیہ دی ہے ”حَالُ الْكِتَابِ الْمَطْوِيِّ فِي يَمِينِ صَاحِبِهِ“ کے ساتھ، اور دونوں میں جامع ”وقوع کل تحت قدرة صاحبه وإرادته“ ہے۔ (علم البیان)

① مثال اول: کسی سے بدسلوکی کرنے اور اس سے اچھی امید رکھنے والے کی حالت کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی جو کانٹے کو بوتلا ہے اور اس سے انگور کا پھل کاٹنے کا امیدوار ہے، اس جامعیت کی وجہ سے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نہ ہونے والی چیز کی امید کر رہا ہے۔

مثال ثانی: زوجین کے آپسی اختلافات کی بناء پر جانین کے حکم مصالحت کے لیے مجبور گفتگو تھے کہ اسی دوران کسی نے شوہر کے تین طلاق دینے کی خبر سنائی؛ اس حالت کو تشبیہ دی جہیزہ لونڈی کے قول فیصل کہنے کی حالت کے ساتھ کہ: اس نے قتل کے بعد دو قبیلوں کے درمیان منعقد مجلس مصالحت کے دوران مقتول کے اولیاء کے قاتل کو قتل کر ڈالنے کی خبر سنائی تھی۔

مثال ثالث: اس مثال میں ”حَالُ الْمُتَمَسِّكِ بِدَيْنِ اللَّهِ وَعَهْدِهِ“ کو ”حَالُ الْمُعْتَمِدِ عَلَى حَبْلِ قَوِيٍّ يَمْنَعُهُ مِنَ السَّقُوطِ“ سے تشبیہ دی ہے؛ اور جامع ”الْحِفْظُ مِنَ الضَّرَرِ“ ہے۔ (علم البیان: ۱۸۲) اس مثال کی تفصیل ”استعارہ تمثیلیہ اور تشبیہ تمثیل میں فرق“ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے کی مثال: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾^① [البقرة: ۱۷].

① آیت اولیٰ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو مضبوط تھا مے رکھنے اور اس وعدہ کا مُتَمَسِّک بِالْوَعْدِہ کی حفاظت و حمایت کرنے اور اس سے مکروہات کو دفع کرنے اور نجات دلانے کی ہیئت (مشبہ) کو بلند مقام سے لٹکی ہوئی مضبوط رسی کو تھا مے رکھنے کی ہیئت (مشبہ بہ) کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو رسی مُتَمَسِّک بِالْحَبْلِ کو نیچے گرنے سے محفوظ و مامون رکھتی ہے، اور دوسری مثال میں اداتِ تشبیہ خود موجود ہے؛ لہذا وہ تشبیہ تمثیل ہوگی۔

سوالات مجازِ عقلی

- ① اس کلام کی نسبت حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہے؟ یا مجازِ عقلیہ کے قبیل سے؟
- ② اگر مجازِ عقلی ہے تو اس کا ماحولہ اور غیر ماحولہ کی نیز قرینے کی وضاحت کریں؟
- ③ مجازِ عقلی کے (آٹھ) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

فصل سابع: مجاز عقلی

مجاز کی دوسری قسم ”مجاز عقلی“ ہے۔ مجاز لغوی (مجاز مفرد، مجاز مرکب) کا مجاز لفظ میں جاری ہوتا ہے؛ جب کہ مجاز عقلی کا مجاز اسناد میں ہوتا ہے۔

اسناد کی دو قسمیں ہیں: ① اسناد حقیقی (حقیقت عقلیہ)، ② اسناد مجازی (مجاز عقلی) ①۔

① **حقیقت عقلیہ:** فعل یا معنی فعل کی نسبت ماہولہ یعنی اس چیز کی طرف کرنا جس کے لیے فعل یا معنی فعل ثابت ہے؛ بشرطیکہ وہ نسبت متکلم کے اعتقاد میں ثابت ہو اور اس کی ظاہری حالت کے موافق ہو، جیسے: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ [لقمان: ۳۴]؛ ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ ② [ال عمران: ۲۶]

② **مجاز عقلیہ:** وہ مجاز ہے جس میں فعل یا معنی فعل کی نسبت۔ کسی علاقہ کی وجہ سے۔ ماہولہ کے علاوہ ایسے ملامس و متعلق کی طرف کرنا جن دونوں (ماہولہ اور غیر ماہولہ) میں

① ملحوظہ: عموماً کلام میں اسناد خبری یا انشائی (کلام کو مفید بنانے کے لیے ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے ملانا) حقیقت عقلیہ پر محمول ہوتی ہے، یعنی فعل یا معنی فعل (مثلاً: مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اور اسم تفضیل) کو کسی ایسی شے کی طرف منسوب کرنا جو۔ متکلم کی ظاہری حالت کے اعتبار سے۔ اس فعل یا معنی فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ (علم المعانی)

لیکن کبھی فعل یا شبہ فعل کو مجازاً ماہولہ (جس کے لیے وہ شے وضع کی گئی ہو) کے علاوہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اس کو اسناد مجازی، مجاز حکمی اور مجاز فی الاسناد کہا جاتا ہے۔ اس طرح اسناد مجازی کرنا صحیح ہے؛ لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں: ۱۔ ماہولہ کی طرف اسناد کو مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ ہو، ۲۔ فعل یا شبہ فعل اور غیر ماہولہ کے درمیان علاقہ (نسبت) ہو۔ ② مذکورہ آیات میں ﴿يُنَزِّلُ - يَعْلَمُ - تُؤْتِي - تَنْزِعُ - تُعِزُّ - تُذِلُّ﴾ کی نسبت فاعل حقیقی یعنی اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: فعل یا معنی فعل کی نسبت ماہولہ کی طرف ہے یا غیر ماہولہ کی طرف؛ اس کی تعیین کے لیے متکلم کی ظاہری حالت سے فیصلہ ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے دہریوں کا یہ قول: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ [الجاثیہ: ۲۴]، حقیقت عقلیہ کے قبیل سے ہوگا، نہ کہ مجاز عقلی کے قبیل سے۔

کوئی مناسبت بھی ہو اور ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو حقیقی نسبت مراد لینے سے مانع بھی ہو، جیسے: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَّةَ بِالْهُدَى، فَمَا رَجَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾^① [البقرة: ۱۶]۔

ملحوظہ: مجاز عقلی کا ہونا خبر کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ انشاء میں بھی یہ مجاز جاری ہوتا ہے، جیسے: ﴿يَهْمُنُ ابْنُ لِي صَرَحًا﴾^② [المؤمن: ۳۶]۔
قرینہ: وہ (لفظی یا معنوی) امر ہے جس کو متکلم معنی غیر موضوع لہ کو مراد لینے پر دلیل بناتا ہے۔

مجاز عقلی کے علاقے

مجاز عقلی میں فعل یا معنی فعل اور غیر ماہولہ کے درمیان کسی نہ کسی علاقے اور ملا بس کا ہونا ضروری ہے، جیسے فعل کی مثال: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَّةَ بِالْهُدَى، فَمَا رَجَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ [البقرة: ۱۶]؛ معنی فعل کی مثال: ﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ، فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾^③ [القارعة: ۷]۔

① اس آیت میں نفع حاصل کرنے کی نسبت، تجارت کی طرف کی گئی ہے؛ حالاں کہ نفع حاصل کرنے والا تو تاجر ہے نہ کہ تجارت؛ اس نسبت کو اسناد مجازی یا مجاز عقلی کہتے ہیں۔ (علم المعانی) بزیادہ
 ملحوظہ: تعریف میں قرینہ کو لفظ مانعہ سے مقید کرنے میں کنایہ سے احتراز مقصود ہے؛ کیوں کہ کنایہ میں معنی اصلی مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ نہیں ہوتا، جب کہ مجاز میں وہ قرینہ مانع ہوتا ہے؛ اور یہی مجاز اور کنایہ کے درمیان فرق ہے۔

(علم البیان)

② فرعون بولا: اے ہامان! تو میرے لیے ایک اونچا محل بنا؛ دیکھئے ﴿ابن﴾ امر کا ماہولہ تو معمار تھے؛ لیکن ہامان کے واسطے سے بنوانا تھا؛ اس لیے غیر ماہولہ (ہامان) کی طرف فعل کی نسبت کر دی۔ (الزیادۃ)

③ آیت اولیٰ: یہاں ﴿رَجَحَتْ﴾ کی نسبت ﴿تِجَارَتُهُمْ﴾ کی طرف کرنا مجاز اُپ ہے؛ کیوں کہ یہاں ”رَجَحَ“ (کامیاب ہونا) کا فاعل حقیقی مشتری ہے اور اصل عبارت ”فما ربح المشترون في تجارتهم“ ہے، اور اس آیت میں ربح کی نسبت بجائے فاعل کے تجارت کی طرف کر لی گئی ہے؛ کیوں کہ ربح کا تلبس تجارت کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ ربح تجارت پر واقع ہوا ہے جس تجارت کو وقوع ربح سے ادنیٰ تلبس کی بناء پر مفعول سے تعبیر کرتے ہیں۔

آیت ثانیہ: یہاں ﴿رَاضِيَةٍ﴾ کی نسبت ﴿عِيشَةٍ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف ہے یعنی زندگی خوش ہونے

مجاز عقلی کے علاقوں اور ملا بسوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہیں مشہور ان میں سے یہ ہیں:

① ملا بست بین الفعل ومفعوله، ② ملا بست بین الفعل وفاعلہ، ③ ملا بست بین الفعل ومصدرہ، ④ زمانیت، ⑤ مکانیت، ⑥ سببیت، ⑦ اسناد الفعل الی الجنس، ⑧ اسناد الفعل الی ماہولہ مزید اختصاص بالفاعل الحقیقی۔

① **ملا بست بین الفعل ومفعوله:** بنی للفاعل (فاعل کا تقاضہ کرنے والے فعل یا معنی فعل) کی اسناد، بجائے فاعل حقیقی ① کے اس کے مفعول کی طرف کرنا، (اسی کو علاقہ ”مفعولیت“ بھی کہتے ہیں)۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ: ان مواقع میں فاعل اور مفعول سے ترکیب نحوی والا فاعل و مفعول مراد نہیں ہے؛ بلکہ مَا بِهِ الْفِعْلُ سے ادنیٰ تعلق رکھنے والے کو فاعل اور مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الْفِعْلُ سے تلبس رکھنے والے کو مفعول کہہ لیتے ہیں۔

② **ملا بست بین الفعل وفاعلہ:** بنی للمفعول (مفعول کا تقاضہ کرنے والے

والی ہے؛ کیوں کہ زندگی خوش ہونے والی چیز نہیں؛ بلکہ زندگی جینے والا اپنی زندگی (مفعول) سے خوش ہوتا ہے؛ اور اصل عبارت ”فی عیشۃ رضی صاحبہا بها“ ہے؛ پس رضامندی کی اسناد زندگی کی طرف اس وجہ سے کر لی گئی ہے کہ رضامندی کو زندگی کے ساتھ تلبس ہے اس حیثیت سے کہ رضامندی اس زندگی پر واقع ہے۔ (علم المعانی)

① فائدہ: اسناد حقیقی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فاعل سے حقیقتاً فعل یا معنی فعل کا سرزد ہونا مراد ہو، یعنی: اثر چھوڑنا، جیسے: خلق اللہ، رزق وأعطی، وأحیا وأمات، اللہ نے پیدا کیا، روزی عطا کی، وغیرہ؛ دیکھئے ان مثالوں میں پیدا کرنا اور رزق دینا فاعل حقیقی کا اثر ہے۔

ملحوظہ: اسناد حقیقی کی یہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) فاعل سے حکماً فعل یا معنی فعل کا سرزد ہونا، جیسے: قام زید وذهب عمرو، زید کھڑا ہوا، عمرو گیا وغیرہ؛ دیکھئے یہاں قیام وقعود اللہ کے حکم اور اس کی تاثیر کی بنا پر زید و عمرو سے وجود میں آیا ہے، اس طور پر کہ ان کے وجود میں زید و عمرو کے کسب کا دخل ہے۔

(۳) فاعل سے فعل یا معنی فعل کا محض اتصاف ہو، جیسے: مرض زید، وبرد الماء، زید بیمار ہوا، پانی ٹھنڈا ہو گیا؛ دیکھئے یہاں بیماری اور ٹھنڈک کا زید اور پانی سے محض اتصاف ہے۔ (علم المعانی)

الحاصل: فاعل حکمی اور فاعل اتصافی کی صورتیں بھی اسناد حقیقی میں داخل ہیں۔

فعل یا معنی فعل) کی اسناد بجائے اپنے مفعول (حقیقی) کے فاعل کی طرف کرنا، (اسی کو علاقہ ”فاعلیت“ بھی کہتے ہیں)، جیسے: ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ، بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ [التکویر: ۸-۹]؛ ﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الْأَذْبَارَ، وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا﴾ [الأحزاب: ۱۵]۔

③ **ملا بست بین الفعل ومصدره:** مبنی للفاعل (فاعل کا تقاضہ کرنے والے) فعل کی نسبت - بجائے فاعل حقیقی کے - مصدر کی طرف کرنا، جیسے: جَدَّ جَدُّهُ؛ غَضِبَ غَضْبُهُ ④۔

④ **زمانیت:** مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت اس کے زمانہ کی طرف کرنا، جیسے: ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا “يَجْعَلُ” الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ [المزمل: ۱۷]؛ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ [یونس: ۶۷]۔

① یہاں پہلی آیت میں بتلایا گیا کہ موؤدہ واند سے سوال کرے گی کہ: اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اس جگہ مفعول کا تقاضہ کرنے والے ﴿سُئِلَتْ﴾ کا ماحولہ (نائب فاعل) تو واند ہے اور وہی مسئول بھی ہوگا؛ لیکن واند کی طرف ﴿سُئِلَ﴾ کی نسبت یعنی: ”وَإِذَا الْوَائِدُ سُئِلَ“ کہنے کے بجائے موؤدہ کی طرف نسبت کر کے ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ﴾ کہا گیا ہے تاکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے کو دھمکانے میں کمالِ مبالغہ ہو کہ: جب موؤدہ سے پوچھے جانے کا ذکر ہے تو واند سے بطریقہ اولیٰ پوچھا جائے گا۔

آیت ثانیہ: ”اور اللہ تعالیٰ (اللہ کا وعدہ) پوچھے گا وعدہ کرنے والے سے اس کے وعدہ کرنے کے بارے میں؛ دیکھئے! ﴿مَسْئُولًا﴾ مبنی للمفعول کی نسبت ﴿عَهْدَ اللَّهِ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ مسئول تو صاحب عہد ہوگا نہ کہ عہد اللہ؛ بلکہ عہد اللہ تو (مجازاً) صاحب عہد سے سوال کرے گا، یعنی: عہد اللہ سائل ہوگا، یہاں ﴿مَسْئُولًا﴾ کی نسبت صاحب عہد (مفعول) کے بجائے ﴿عَهْدَ اللَّهِ﴾ یعنی: فاعل کی طرف کی گئی ہے۔

② اس کی کوشش نے کوشش کی یعنی: اس کی کوشش کامیاب ہوگئی؛ دوسری مثال: اس کا غصہ غصہ میں آگیا یعنی: وہ غصہ میں بھڑک اٹھا۔

③ آیت اولیٰ: ”بنادے گا وہ (دن) بچوں کو بوڑھا“؛ یہاں ﴿يَجْعَلُ﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت یوم (زمانہ) کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو بوڑھا بنادے گا اس دن (زمانہ) میں؛ نہ کہ خود وہ دن بوڑھا بنائے گا، یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔

⑤ **مکانیت:** مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت۔ بجائے فاعل حقیقی کے۔ اس کے مکان کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ [الزلزال: ۲۰]؛ ﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ① [التوبة: ۷۲]۔

⑥ **سببیت:** مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت (بجائے فاعل کے) اس کے سبب کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الذاریات: ۵۵]؛ ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُدَّبُّ أبنَاءَهُمْ وَ”يَسْتَحْي“ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ ② [القصاص: ۴]۔

④ **إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى الْجِنْسِ:** فعل کی اسناد پوری جنس کی طرف کرنا؛ حالاں کہ فاعل بعض لوگ ہی ہوں، جیسے: ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ ③ [الأعراف: ۷۷]۔

⑧ **إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى مَالِهِ مَزِيدًا لِمَخْصَصٍ بِالْفَاعِلِ الْحَقِيقِيِّ:** فعل کی

○ آیت ثانیہ: یہاں ﴿مُبْصِرًا﴾ اسم فاعل کی نسبت ﴿الْأَنْهَارُ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا؛ بلکہ لوگ دن (زمانہ) میں دیکھتے ہیں؛ یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔ (علم المعانی)

① آیت اولی: ”نکالے گی زمین اپنے بوجھوں کو“؛ یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ زمین (مکان) سے اس کے بوجھوں کو نکالے گا، اس دن کی ہولناکی بتلانے کے لیے اخراج کی نسبت زمین کی طرف کر لی ہے؛ اور ﴿أَخْرَجَتِ﴾ کی نسبت ﴿الْأَرْضُ﴾ مکان کی طرف کرنا مجاز ہے۔

آیت ثانیہ: یہاں ﴿تَجْرِي﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت ﴿الْأَنْهَارُ﴾ کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ انہار (وہ جگہیں جس میں پانی بہتا ہو) جاری نہیں ہوتیں؛ بلکہ اس میں موجود پانی جاری ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولی: ”اُی: ینفع اللہ بسبب الذکر المؤمنین“، یہاں ﴿تَنْفَعُ﴾ فعل کی نسبت ﴿الذِّكْرَى﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ نفع دینے والے اللہ عز و جل ہے جو نصیحت کے سبب نفع دیتے ہیں۔

آیت ثانیہ: یہاں ﴿يُدَّبُّ﴾ اور ﴿يَسْتَحْيٰ﴾ فعل کی نسبت ضمیر فرعون کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ تذبح اور استہیاء کا فعل فرعون نہ کرتا تھا؛ بلکہ فرعون کے حکم (سبب) سے فرعون کی پولس کرتی تھی۔

③ قوم صالح۔ یعنی: اس قوم کے ایک بد بخت ”قدار“۔ نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگا۔ یہاں ”عَقَرَ“ فعل۔ اونٹنی کے قتل۔ کی نسبت بجائے ایک فرد کے جمع کی ضمیر (پوری جنس) کی طرف کرنا مجاز ہے۔

نسبت - بجائے فاعل حقیقی کے - اس کے مقربین کی طرف کرنا، جیسے: ﴿قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ... إِلَّا أَمْرًا تَهُ قَدَرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَيْرِينَ ۝﴾^① [الحجر: ۶۰]۔

ملفوظ: نسبت اضافیہ میں بھی کبھی مجاز ہوتا ہے، جیسے: ﴿بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾^②

[سبا: ۳۳]۔

فائدہ: مجاز عقلی اور مجاز لغوی میں فرق یہ ہے کہ: مسند و مسند الیہ کے درمیان ہونے والی نسبت میں مجاز کو ”مجاز عقلی“ کہتے ہیں اور یہ اجزائے کلام کے درمیان ربط و تعلق سے وابستہ ہے؛ جب کہ مجاز لغوی کلمات (مفردات) سے متعلق ہوتا ہے؛ لہذا اُنْبِتَ الرَّبِيعُ میں نہ لفظ اُنْبِتَ میں مجاز ہے اور نہ ہی الربیع میں ہے؛ بلکہ اُنْبِتَ کی الربیع کی طرف ہونے والی نسبت میں مجاز ہے۔ جب کہ رَأَيْتُ أَسَدًا يَتَكَلَّمُ میں لفظ اَسَدٌ میں مجاز ہے اس طور پر کہ اس کو حیوان مفترس سے منقول کر کے رجل شجاع کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ (علم المعانی)

① یہاں تقدیر کی نسبت ملائکہ نے اپنی طرف کی ہے؛ حالاں کہ مقدّر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (علم المعانی)

② یہاں تقدیری عبارت یہ ہے: ”بَلْ مَكْرُ النَّاسِ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“؛ یعنی مکر کے مناسب تو یہ تھا کہ اس کی اضافت الناس کی طرف کریں؛ لیکن لیل و نہار چوں کہ مکر کرنے کا زمانہ ہے؛ لہذا اس کی طرف اضافت کر لی ہے۔

باب ثالث

بیان کسایہ

سوالات کنایہ

- ① اگر کلام میں کنایہ ہے تو کنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟
- ② اس کنایہ کا فائدہ کیا ہے؟
- ③ کنایہ کی وسائط کے اعتبار سے چار قسموں میں سے کیا ہے؟

فصل اول: کنایہ

معنی مرادی کی تعبیر کے تین طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے آخری طریقہ کنایہ ہے^①۔

کنایہ: وہ لفظ ہے جس کو بول کر اس کے معنی موضوع لہ کے لازم کو مراد لیا گیا ہو، معنی موضوع لہ کو مراد لینے کے جواز کے ساتھ، جیسے: ﴿وَيَوْمَ "يَعُضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ" يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ [الفرقان: ۲۷]؛ ﴿وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ "يَقْلُبُ كَفَّيْهِ" عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا﴾^② [الكهف: ۴۴]۔

① صریح وہ ظاہری معنی ہے جو لفظ بولنے وقت سمجھ میں آئے؛ یہ صریحی معنی حقیقت میں بھی ہوتا ہے اور مجاز میں بھی؛ اس کے مقابل کو کنایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

② کل قیامت کے روز ظاہر و باطناً صورت و معنی من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی، اور صرف اسی کا حکم چلے گا اس وقت مستحقین رحمت بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لیے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا، ”تب وہ مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے“ اور افسوس کریں گے کہ: ہم نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا! دیکھئے یہاں ﴿يَوْمَ يَعُضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ﴾ یعنی: ظالم محشر کے دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، بول کر اس جملے کا لازم معنی: ”ظالم کا نادم و شرمسار ہونا“ مراد لیا گیا ہے؛ کیوں کہ عادۃً پشیمان آدمی مارے ندامت کے اپنے ہاتھوں (انگلیوں) کو منہ میں ڈال لیتا ہے۔ یہاں کافر کے نادم اور شرمندہ ہونے کو ”العض علی الیدین“ ہاتھ کاٹ کھانا، سے تعبیر فرمایا۔

دوسری مثال: اسی طرح ایک غریب ساتھی جو پکا موحد تھا اس نے اپنے مشرکانہ اطوار اختیار کرنے والے ساتھی سے جو شرک میں مبتلا تھا کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا تھا اور دوسروں کو حقیر جانتا تھا کہا کہ: ”اس بات سے ڈر کہ ہمیں ایک گرم بگولا اٹھے یا کوئی آفتِ سماوی نازل ہو جو تیرے تکبر کی سزا میں باغ کو تھس تھس کر کے صاف چٹیل میدان بنادے یا نہر کا پانی خشک ہو کر رہ جائے!“ اس مشرک نے موحد کی بات نہ سنی تو ایسا ہی ہوا جیسا مردِ نیک کی زبان سے نکلا تھا کہ: رات کو آفتِ سماوی آگ کی صورت میں آئی سب جل کر ڈھیر ہو گیا اور اصل پونجی بھی کھو بیٹھا، تب وہ مشرک کفِ افسوس ملتا رہ گیا؛ یہاں بھی مشرک کے نادم و پشیمان ہونے کو ”تَقْلِيلُ الْكَفِّينَ“ سے تعبیر فرمایا۔ دونوں جگہ علاقہ یہ ہے کہ: طبعی طور پر انسان کا چہرہ اثرِ مندی پر سرخ ہو جایا کرتا ہے اسی طرح سخت ندامت اور حسرت کے وقت لازمی طور پر یا ہاتھ کاٹ کھاتا ہے یا ہتھیلیاں پلٹاتا پھرتا ہے۔ (علم البیان)

مجاز اور کنایہ میں فرق

مجاز مرسل اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ: مجاز مرسل میں ایک ایسا قرینہ ہوتا ہے جو لفظ کے معنی اصلی مراد لینے سے مانع بنتا ہے، جیسے: ﴿وَاسْتَلِ الْقَرْيَةَ﴾ میں ہے، جب کہ کنایہ میں اگرچہ لازم معنی کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں ظاہری معنی کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے، جیسے: ﴿يَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفِّهِ﴾ میں ملاحظہ فرمایا ①۔

ہاں! کبھی کنایہ میں کسی عارض خارجی، معنی اصلی مراد لینے سے مانع ہوا کرتا ہے جو اس عارض خارجی کا اثر ہوتا ہے، کسی قرینے کی وجہ سے نہیں، جیسے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ ② [الشوری: ۱۱]۔

① دیکھئے! ﴿وَاسْتَلِ الْقَرْيَةَ﴾ میں ﴿قَرْيَةَ﴾ کی طرف ﴿وَاسْتَلِ﴾ کی نسبت یہ قرینہ ہے جو قریہ کا اصلی معنی (بستی سے پوچھ) مراد لینے سے مانع ہے، اور یہی حال استعارہ میں بھی ہے، جیسے: ﴿وَاحْفِظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلَّةِ﴾ میں ذل کی طرف جناح کی نسبت ذل کے حقیقی معنی (یعنی ذلت کا پر) مراد لینے سے مانع ہے کہ ذلت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا پر ہو، اسی طرح بستی کوئی ایسی چیز نہیں جس سے سوال کیا جاسکے؛ جب کہ کنایہ میں اگرچہ اصل معنی کے لازم کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں اصلی معنی مراد لیا جاسکتا ہے، جیسے: ﴿يَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفِّهِ﴾ میں لازم معنی یعنی ندامت و حسرت کے علاوہ اصلی معنی یعنی دونوں ہتھیلیوں کو مٹنا بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

② اس آیت میں ایک قول کے مطابق کاف کو اصلی مانیں تو آیت میں اللہ عز وجل سے مثلیت کی نفی کنایہ ہوگی؛ یعنی اللہ کے مثل سے مشابہت رکھنے والا کوئی مثل موجود نہیں ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بلا واسطہ اللہ سے مشابہت رکھنے والا مثل۔ العیاذ باللہ۔ کیسے ہو سکتا ہے! ہرگز نہیں! یہاں ”کاف“ اصلی معنی میں لینے کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے مثل کی نفی بطریق کنایہ ہوگی؛ دیکھیے یہاں اصلی معنی میں چونکہ مثلیت کا اثبات ہو رہا ہے جو بالکل عنایت ہے؛ لہذا اس خارج عارضی کی وجہ اصلی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر مشہور قول کے مطابق ”کاف“ کو زائد مانیں تو مثلیت کی نفی صراحتاً ہوگی۔

خلاصہ کلام: باری تعالیٰ کے مثل کے مثل کی نفی کرنا مثل کی نفی کو مستلزم ہے، اس وقت آیت میں معنی اصلی یعنی: ”باری تعالیٰ کے ہم سر کا مثل نہیں“ مراد لینا عارض خارجی کی وجہ سے ممتنع ہے؛ کیوں کہ اس وقت باری تعالیٰ کے مثل کا۔ العیاذ باللہ۔ اثبات ہوگا، حالاں کہ اس کا نہ ذات میں کوئی مماثل ہے نہ صفات میں۔ (علم البیان)

فصل ثانی: اقسام کنایہ

مکنی عنہ اور اس کے مطلوب کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں: ① کنایہ عن صفت، ② کنایہ عن موصوف، ③ کنایہ عن نسبت ①۔

① **کنایہ عن صفت:** مکنی عنہ صفتِ قریبہ یا بعیدہ ہو؛ یعنی: کلام میں کسی موصوف کی ایسی ایک یا چند صفات ذکر کرنا جن ایک یا چند صفات سے ذہن دوسری مکنی عنہ صفت (جو صفت مقصودہ ہے) کی طرف چلا جائے جن کے درمیان ایسا تلازم اور ارتباط ہو کہ ذہن اس صفتِ مذکورہ سے مکنی عنہ صفت غیر مذکورہ مقصودہ کی طرف چلا جائے، جیسے: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْسِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ [لقمان: ۱۸]؛ نیز اظہارِ ندامت و پشیمانی کے لیے ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفِّهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ﴾ کہنا بھی کنایہ عن صفت کے قبیل سے ہے ②۔ (علم البیان)

② **کنایہ عن موصوف:** مکنی عنہ موصوف ہو، یعنی: کلام میں ایک یا چند ایسی صفات ذکر کرنا جو کسی خاص موصوف کے ساتھ مخصوص ہوں اور اس ایک یا چند صفات کے ذکر کرنے سے وہ مخصوص موصوف مقصود ہو، جیسے: ﴿أَوْ مَنْ يُنشِئُوا فِي الْحَلِيِّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ [الزخرف: ۱۸]؛ وقال رسول الله ﷺ: لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ "سُودِ الرُّؤُوسِ" مَنْ قَبْلِكَمْ... ③ [الترمذی، أبواب التفسیر، سورة الأنفال]۔

① کنایہ کے ذریعہ کسی موصوف کی کسی صفت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن صفت ہے، اور اگر خود موصوف کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن موصوف ہے، اور اگر کسی صفت کی کسی موصوف کی جانب ہونے والی نسبت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن نسبت ہے۔

② یعنی تو لوگوں کی طرف اپنے گال مت پھلانا اور زمین پر اترا تا مت چل! یہاں گال پھلانا اور زمین پر اترا تا چلنا، یہ دو صفتیں ذکر کیں اور ان دو صفتوں سے لازمی طور پر سمجھ میں آنے والی دو صفتوں (تکبر اور فخر) سے کنایہ کیا گیا ہے۔

(علم البیان)

③ مثال اول: یعنی: کیا خدا نے اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشونما

کنایہ عن موصوف اور کنایہ عن صفت دونوں کی مثال، جیسے فرمانِ الہی: ﴿وَإِذْ يَعِذُّكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ، وَتَوَدُّونَ أَنَّ "غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ" تَكُونُ لَكُمْ، وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَ"يَقْطَعَ دَائِرَ الْكُفْرَيْنِ"﴾^① [الأنفال: ۷]

③ **کنایہ عن نسبت:** مکنی عنہ نسبت ہو؛ یعنی: متکلم کسی ذات کی طرف کسی صفت کی ثبوتی یا سلبی نسبت کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اس (ذات و موصوف) کی طرف صراحتاً اس صفت کی نسبت کرنے کے بجائے ایسی چیز کی طرف نسبت کرتا ہے جو موصوف سے شدید الاتصال اور وثیق الارتباط ہے؛ نتیجہً اس صفت کی نسبت معین موصوف کے لیے بھی ثابت ہو جاتی ہے، جیسے:

۵ پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے؛ اور قوتِ فکریہ کے ضعف کی وجہ سے مباحثہ کے وقت قوتِ بیانیہ بھی نہ رکھے۔ دیکھئے! یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے لفظِ ”بنات“ کی تصریح کو چھوڑ کر ”زیورات میں نشوونما پانے والی اور بحث و مباحثہ کے وقت قوتِ بیانیہ نہ رکھنا“ بول کر اس کے لازم معنی ”بنات“ کا کنایہ کیا ہے؛ اور یہ ایسی دو صفات ہیں جو ظاہر عورت کے ساتھ خاص ہیں۔ (علم البیان)

مثال ثانی: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سے پہلے کالے بال والوں کے لیے مالِ غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا تھا؛ آسمان سے آگ آتی اور مالِ غنیمت کو کھا جاتی تھی؛ یہاں ”سُودُ الرُّؤُوس“ سے بنو آدم کا کنایہ کیا ہے؛ کیوں کہ ان کے بال کالے ہوتے ہیں، یہ کنایہ عن موصوف کی مثال ہے۔

① اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ: دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کاٹنا نہیں تھا وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ: اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔

اس آیت میں دو کنایے ہیں: ① کنایہ عن موصوف اور وہ ﴿ذَاتِ الشُّوْكَةِ﴾ ہے، مسلمان چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہوں جس میں کاٹنا نہ چھبے، یعنی: لڑائی نہ ہو؛ یہاں لفظِ ”حرب“ کی تصریح کیے بغیر کسائی لفظِ ﴿ذَاتِ الشُّوْكَةِ﴾ استعمال فرما کر اس کا لازم معنی: حرب، کا کنایہ کیا ہے؛ ② اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَيَقْطَعَ دَائِرَ الْكُفْرَيْنِ﴾ ”کافرین کی جڑوں کو کاٹ دیں گے“ کے ذریعے اس کا لازم معنی ”استئصال“ (بیخ کنی، جڑ سے اکھیڑنا) کا کنایہ کیا ہے۔ (علم البیان)

اسی طرح جیسے: جَمْعُ الضُّغْنِ، ”کینہ کے جمع ہونے کی جگہ“، اس سے دل مراد لیا، اور حِجِّي مُسْتَوِي الْقَامَةِ عَرِيضُ الْأُظْفَارِ؛ زندہ ہے، سیدھے قد والا ہے، چوڑے ناخن والا ہے، اس سے انسان کو مراد لینا بھی کنایہ عن موصوف کے قبیل سے ہے۔

المَجْدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ، وَالْكَرَمُ بَيْنَ بُرْدَيْهِ ①۔

اُسلوبِ کنایہ کے فوائد

① معانی کو محسوس صورتوں کی شکل میں پیش کرنا، تاکہ وہ معانی دلوں میں راسخ ہو جائیں، جیسے: ﴿لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾ ② [بنی اسرائیل: ۲۹]۔

② معانی غیر مستحسنہ کو کنایہ بہت مناسب الفاظ سے تعبیر کرنا، جیسے: جماع کی تعبیر: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ سے یا ﴿أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ سے کرنا، اور فرج کو ﴿فَأْتُوا حُرَّتْكُمْ﴾ اُنّی شِئْتُمْ سے تعبیر کرنا وغیرہ ③۔ (علم البیان)

③ متکلم کسی چیز کو مخفی رکھنا چاہے تو اُسلوبِ کنایہ اختیار کرتا ہے، جیسے: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ ④ [یوسف: ۲۳]۔

① مقامِ مدح میں عرب کہتے ہیں: ”بزرگی اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے“ (یعنی: وہ بزرگ ہے)، اور سخاوت اس کی دو چادروں کے درمیان ہے؛ یہاں بزرگی اور سخاوت کی نسبت صراحتاً موصوف کی طرف کرنے کے بجائے اس سے شدید الاتصال چیز (کپڑا اور چادر) کی طرف نسبت کرنا، یہ خود موصوف کی طرف بزرگی اور سخاوت کی نسبت کرنے کا کنایہ ہے۔

② یعنی: نہ تو (ایسے کنجوس بنوکہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ رکھو، اور نہ ہی (ایسے فضول خرچ بنوکہ: ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو! یہاں بخل اور کنجوسی کے معنی کو ”گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہاتھ“ کی صورت میں تعبیر کیا، جو ایک قبیح صورت ہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں؛ بخل کو مذکورہ صورت میں پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں نفرت ڈالی ہے۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: یعنی: اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ آیا ہو ”یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو“ (یعنی: جماع کیا ہو) پھر تم کو پاک مٹی نہ ملے تو مٹی سے تیمم کر لو۔ آیتِ ثانیہ: تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے کہ تم روزوں کی حالت میں اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت (جماع) کرو۔ آیتِ ثالثہ: تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں، (یعنی: نسلِ انسانی کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں)؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ، یعنی: جس انداز سے خصوصی ملاپ کرنا چاہو، کرو!

④ یہاں امرأۃ العزیز کا نام ذکر کرنے سے اعراض کرنے اور یوسف کی عفت کو عمدہ طریقہ سے بیان کرنے کے لیے ﴿الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا﴾ کی تعبیر اختیار کی۔ (علم البیان)

④ سامعین کے دلوں میں کسی مضمون کی عظمت بیان کرنے یا ہولنا کی بٹھانے کے لیے، جیسے: ﴿الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَذْرَكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝﴾، [القارعة: ۱-۴] ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝﴾ ① [الزلزال: ۱-۲]

اقسام کنایہ باعتبار وسائط

باعتبار وسائط، لوازم اور سیاق کے کنایہ کی چار قسمیں ہیں: ① تلویح، ② رمز، ③ ایما، ④ اشارہ، ⑤ تعریض۔

① **تَلْوِيح**: لفظ کے معنی حقیقی اور اس کے لازم معنی کے درمیان وسائط زیادہ ہوں، جیسے حدیث ام زرع میں نوں عورت نے کہا: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ، "عَظِيمُ الرَّمَادِ"، طَوِيلُ النَّجَادِ، قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ ②۔

① آیت اولی: یاد کرو وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا! کیا ہے وہ دل دہلا دینے والا واقعہ؟ اور تمہیں کیا معلوم وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟ جس دن دسارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے!... آیت ثانیہ: جب زمین "اپنی بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی"، اور زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال دے گی، اور انسان کہے گا: اس کو کیا ہو گیا ہے؟ دیکھیے: یہاں قیامت کے احوال کو ایسے کنائی الفاظ سے بیان فرمایا ہے جس سے قیامت کی ہولنا کی ہوتی ہے۔ (علم البیان)

② میرا شوہر اونچے مکان والا (رفیع الشان)، بڑی راکھ والا (بڑا مہمان نواز)، اور دراز پڑتلہ والا (دراز قد) ہے، اس کا مکان دارالمشورت سے قریب ہے؛ اس مثال میں تین جگہ کنایہ ہے: رفیع العمداء، یہ ایما و اشارہ کی مثال ہے؛ کثیر الرماد، یہ تلویح کی مثال ہے؛ طویل النجاد، یہ ایما و اشارہ کی مثال ہے۔ دیکھئے! "رفیع العمداء" سے عورت نے اپنے شوہر کی شرافت اور سرداری کا کنایہ کیا ہے، اور وہ اس طرح کہ: اونچے ستونوں والا مکان شریف لوگ بنایا کرتے تھے۔

"عظیم الرماد"، زیادہ راکھ والا ہونا اور سختی ہونا؛ اور ان دونوں کے درمیان مذکورہ وسائط ہیں: چولہے کی راکھ کی کثرت لکڑیوں کے بہ کثرت جلنے کو مستلزم ہے، اور لکڑیوں کا بہ کثرت جلنا روٹیوں اور کھانا پکنے کی کثرت کو مستلزم ہے؛ اور ان دونوں کی کثرت کھانا کھانے والوں کی کثرت کو مستلزم ہے، اور کھانا کھانے والوں کی کثرت، مہمانوں کی کثرت کو اور مہمانوں کی کثرت سخاوت کو مستلزم ہے؛ یہ "تلویح" ہے۔

"طویل النجاد" اس سے دراز قد کا کنایہ اس طرح ہے کہ: طویل نجاد طویل قامت کو مستلزم ہے؛ گویا رفیع العمداء سے سرداری کا، عظیم الرماد سے سخاوت کا طویل النجاد سے دراز قد کا کنایہ کیا گیا ہے۔ (شامل ترمذی و حواصل)

② **رَمَز:** یہ ہے کہ کنایہ میں وسائط کم اور مخفی ہوں یا وسائط بالکل ہی نہ ہوں؛ لیکن لازمی معنی مخفی اور غیر واضح ہو، جیسے: **هُوَ سَمِينٌ رِخْوٌ؛ عَمْرُو أَقْمَرُ لَيْلُهُ** ①۔

③ **إِيْمَاءُ وَإِشَارَةٌ:** کنایہ میں وسائط کم ہوں یا بالکل ہی نہ ہوں، اور لازمی معنی واضح ہو، جیسے شعر:

أَوْ مَا رَأَيْتَ الْمَجْدَ أَلْقَى رَحْلَهُ ﴿٦٥﴾ فِي آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلْ ②

ملفوظ: کنایہ سے ملتی جلتی ایک قسم تعریض بھی ہے:

④ **تَعْرِیض:** یہ ہے کہ: متکلم اپنے کلام کو غیر مذکور موصوف کے لیے ثابت کرے؛ مثلاً:

خطاب کسی ایک سے ہو اور مراد اس کا غیر ہو، جس مراد کو سمجھنا سیاق کلام پر موقوف ہوتا ہے، جیسے:

﴿وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي﴾ [یس: ۲۳]، أي: ”مَا لَكُمْ لَا تَعْبُدُونَهُ“؛ ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ۶۵]؛ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ③۔

ملفوظ: کنایہ اور تعریض کے درمیان دو چیزوں میں فرق ہے؛ تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ

① مثال اول: کسی کو کند ذہن اور کاہل بتلانے کے لیے کہا جاتا ہے: وہ آدمی موٹا ہے اور مالدار ہے، کیوں کہ زیادہ مال دار ہونا مرغن غذاؤں کے کھانے کو مستلزم ہے، اور مرغن غذاؤں کا کھانا موٹاپے کو مستلزم ہے، اور موٹا پاستی و کند ذہنی کو مستلزم ہے۔ (دروس البلاغۃ)؛ مثال ثانی: عمرو کی رات چاندنی ہو گئی، یہ کہہ کر عمرو کے بالوں کے سفید ہو جانے کا کنایہ کیا ہے اور واسطہ بالکل نہیں؛ لیکن ذہن اس کی طرف منتقل نہ ہونے کی وجہ سے لازمی معنی مخفی ہے۔

② کیا تم نے نہیں دیکھا بزرگی کو! کہ وہ خیمہ زن ہو گئی طلحہ کے خاندان میں، پھر وہاں سے منتقل نہ ہوئی۔ اس شعر میں آل طلحہ کی جانب مجد و شرافت کے کجاوہ ڈالنے کی نسبت کر کے آل طلحہ کی جانب کرنے سے کنایہ کیا ہے؛ کیوں کہ مجد و شرافت کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے کجاوہ جیسا مائل ہو۔ (دروس البلاغۃ)

③ پہلی مثال میں ایک مرد صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا کہ: تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اُس کی بندگی نہ کرو! اور اس کا قرینہ ﴿وَالْيَهُ تَرْجَعُونَ﴾ ہے؛ کیوں کہ اگر اپنی ہی بات ہوتی تو ”وَالْيَهُ أَرْجَعُ“ فرماتے؛ دوسری مثال میں رسول سے خطاب فرما کر لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ: شرک اتنی بُری چیز ہے کہ اس سے تمام کیا کرایا مہبوت ہو جایا کرتا ہے؛ اسی طرح حدیث پاک کا ایک معنی ضرور ہے؛ لیکن تکلیف دینے والے کے سامنے یہ حدیث پڑھ کر یہ تعریض مقصود ہوتی ہے کہ: تجھ میں اسلام کی خوبی نہیں ہے۔ (علم البیان، الزیادہ)

فرمالیں ①۔

- ① تعریض و کنایہ میں سے ہر ایک کی دلالت ایسے لازمی معنی پر ضرور ہوتی ہے جس پر الفاظ کلام حقیقتاً دلالت نہیں کرتے؛ لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ:
- ۱۔ تعریض میں الفاظ کے معنی تعریضی و معنی کنائی کے درمیان تلازم اُن خاص مواقع کی طرف راجع و دائر ہوتا ہے جو خاص مواقع سیاق کلام اور قرائن احوال سے مفہوم ہوتے ہیں؛ جب کہ کنایہ میں معنی کنئی بہ اور کنئی عنہ کے درمیان کا تلازم عرف و عادت اور خصوصیات اشیاء سے معلوم ہوتا ہے؛
- ۲۔ لفظ مفرد کا تعریضی معنی پر دلالت کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظ مفرد تعریضی معنی کو ادا نہیں کر سکتا؛ لہذا تعریض ہمیشہ مرکب میں پائی جائے گی، جب کہ کنایہ یہ مرکب و مفرد دونوں میں پایا جاتا ہے۔ (علم البیان)

بدیع القرآن

سوالات بديع

بابِ اوّل: متعلق بہ محسنات معنویہ

- ① مذکورہ آیت میں ضدین کو جمع کیا ہے تو طباق کی (تین) قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟
- ② اگر دو متناسبین الفاظ کو جمع کیا ہے تو اس کی (چھ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ③ اگر دو معنیں لفظ مستعمل ہے تو اس کی (چار) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ④ اگر اشیائے متعددہ کو جمع کیا ہے تو اس کی (پندرہ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑤ طرّ فین کے تعلق سے (تین) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑥ اگر صفت بیان کی ہے تو اس کے متعلق (بارہ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑦ مضمون کی تحسین سے متعلق (دس) صنعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟
- ⑧ حسنِ کلام سے متعلق (آٹھ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑨ ذکر کردہ مضمون کی پختگی کے لیے (نو) صنعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟

ہے؟

بابِ ثانی: متعلق بہ محسنات لفظیہ

- ① دو کلموں کے درمیان جناس تام (تشابہ لفظین) ہے تو اس کی (تین) قسموں میں سے کیا ہے؟
- ② دو کلموں کے درمیان جناس ناقص (اختلاف لفظین) ہے تو اس کی اجمالی (چار) اور تفصیلی (آٹھ) قسموں میں کیا ہے؟
- ③ کلمے کو حسین بنانے کے لیے (تین) صنعتوں میں سے کوئی ہے؟
- ④ اختتام فقرہ سے متعلق (پانچ) صنعتوں میں سے کون کون سی صنعتیں ہیں؟
- ⑤ ابتدا و انتہائے کلام کے اعتبار سے (گیارہ) صنعتوں میں سے کیا ہے؟

محسنات بدیعیہ

علم بدیع: وہ علم ہے جس کے ذریعہ فصیح و بلیغ کلام میں حسن پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

کلام میں حسن پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں، جن کو محسنات جوہریہ، ومحسنات عرضیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں یا محسنات اصلئہ، محسنات ضمنیہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

محسنات جوہریہ، اس کے طریقے: تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ، ایجاز، اقسام اطناب اور مساوات ہیں، جن کا ذکر بلغاء حضرات علم بیان و معانی کے ضمن میں کرتے ہیں۔ اور محسنات عرضیہ کی دو صورتیں ہیں: محسنات لفظیہ، محسنات معنویہ؛ جن کا بیان علم البدیع میں کیا جاتا ہے۔

محسنات معنویہ: وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ معانی کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ طرق متعدد ہیں۔

محسنات لفظیہ: وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ الفاظ کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ متعدد ہیں۔

باب اول: در محسنات معنویہ

متعلق بہ اجزائے کلام: جمع ضدین، در جمع متناہیین، لفظ ذو معنیین، اشیائے متعدده، طرفین جملہ، اثبات صفت، حسن کلام۔

متعلق بہ مضمون کلام: تحسین مضمون، اثبات مضمون۔

باب دوم: در محسنات لفظیہ

متعلق بہ: تشابہ لفظین، اختلاف لفظین، متعلق بہ تحسین کلمہ، متعلق بہ اختتام فقرہ۔

حنا تم: متعلق بہ تحسین کلام۔

ضمیمہ: در سرقات شعریہ، و ضروری اصطلاحات شعریہ۔

بابِ اوّل

محنتِ معنویہ

متعلق بہ اجزائے کلام

فصل اول: در جمع ضدین

طباق کی اولاتین قسمیں ہیں: ① طباق جلی ② طباق خفی ③ طباق مقابلہ۔

① **طَبَاقِ جَلِی:** کلامِ نثر یا کلامِ شعر میں دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر دینا، جیسے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهٰدِی﴾ [البقرة: ۱۶]؛ ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيْلًا، وَلْيَبْكُوا كَثِيْرًا﴾ [التوبة: ۸۲]؛ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة: ۲۷۱]؛ ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُنْخِي الْمَوْتٰی﴾ ① [البقرة: ۲۶]۔

طباق کی مختلف صورتیں:

کلمہ کے اعتبار سے طباق کل چار صورتوں میں مستعمل ہے:

① دو اسموں کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اٰیٰقًاظًا وَهُمْ رُقُوْدٌ﴾ [الكهف: ۱۸] وقوله عز وجل: ﴿وَمَا يَسْتَوِي "الْاَعْمٰی" وَ"الْبَصِيْر" وَلَا "الظُّلُمٰتُ"

① آیت اولی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ آیت ثانیہ: اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں۔ آیت ثالثہ: اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ آیت رابعہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ دیکھیے: آیت اولیٰ میں ہدایت و ضلالت متضاد اسموں کو جمع کیا ہے؛ آیت ثانیہ میں ﴿لَيَضْحَكُوْا﴾ اور ﴿لَيَبْكُوْا﴾ متضاد فعلوں کو، اور ﴿قَلِيْلًا﴾ اور ﴿كَثِيْرًا﴾ دو اسموں کو جمع کیا ہے؛ اور آیت ثالثہ میں لام (برائے منفعت) اور علی (برائے مضرت) متضاد حرفوں کو جمع کیا ہے، اور آیت رابعہ میں دو متضاد اسم و فعل کو جمع کیا ہے۔

ملحوظہ: صنعتِ طباق میں مذکور لفظِ تضاد۔ بلغاء کی اصطلاح کے مطابق۔ ضدوں اور تقيضوں دونوں کو مشتمل ہے؛ ورنہ مناطقہ کے نزدیک ضدین: وہ ہیں جو آپس میں جمع نہ ہوں، ہاں! دونوں ایک ساتھ مرتفع ہو سکتی ہیں، جیسے: سواد و بیاض، کہ: یہ دونوں ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتیں؛ لیکن دونوں مرتفع ضرور ہو سکتی ہیں۔ اور متناقضین: وہ دو چیزیں کہلاتی ہیں جو نہ ہی آپس میں جمع ہوں اور نہ ہی ایک ساتھ مرتفع ہو سکتی ہوں، جیسے: موت و حیات اور لیل و نہار۔ (علم البديع)

وَلَا "التَّوَرُّ" ﴿١﴾ [فاطر: ۲۰-۱۹].

﴿٢﴾ دو فعلوں کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا﴾ [النجم: ۴۴]،
وقوله عز وجل: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
تَشَاءُ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ ﴿٣﴾ [ال عمران: ۲۶].

﴿٣﴾ دو حرفوں کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ﴿٤﴾ [البقرة: ۲۸۶].

﴿٤﴾ ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ﴾
[الأنعام: ۱۴۴]؛ ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾ ﴿٥﴾ [البقرة: ۲۶۰].

﴿١﴾ آیت اولیٰ: تم انہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالاں کہ وہ سوئے ہوئے تھے؛ یہاں ایقظاظ
وَرَقْد کے معانی کے درمیان تقابل ہے۔ آیت ثانیہ: نابینا اور بینا برابر نہیں، نیز اندھیرا اور اجالا برابر نہیں!

﴿٢﴾ اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی؛ یعنی: اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اُسی نے پیدا
کیے ہیں؛ خیر و شر کا خالق وہی ہے، خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا، ہنسنا، رُلانا، مارنا، جلانا، اور کسی کو تر کسی کو مادہ بسانا اُسی کا کام
ہے۔ یہاں ﴿أَمَاتٌ﴾ اور ﴿أَحْيَا﴾ دو فعلوں میں تضاد ہے۔

آپ کہہ دیجئے: "اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے
اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُسوا کر دیتا ہے؛ تیرے ہاتھ میں سب خوبی
ہے۔ یہاں "سلطنت دینا" اور "سلطنت چھین لینا" کے درمیان اسی طرح "عزت دینا" اور "ذلیل کرنا" دو فعلوں کے
درمیان تضاد ہے۔

﴿٣﴾ اللہ پاک مکلف نہیں بناتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہو، یعنی مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی؛ اس
کو نیک عمل کا فائدہ بھی اسی کام کا ملتا ہے جو اپنے ارادے سے کرے؛ اور بُرے کام کا نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے
سے ارادے سے کرے۔ یہاں لام اور علی کے درمیان تضاد ہے۔

﴿٤﴾ آیت اولیٰ: بھلا وہ شخص جو کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو روشنی دی جس کو لیے پھرتا ہے،
(کیا) لوگوں میں وہ آدمی اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ کہ: اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا!۔ یہاں
﴿مَيِّتًا﴾ اسم اور ﴿أَحْيَيْنَا﴾ فعل کے درمیان تضاد ہے۔ آیت ثانیہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے
فرمایا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ یہاں ﴿تُحْيِي﴾ فعل اور ﴿الْمَوْتَى﴾ اسم
کے درمیان تضاد ہے۔ (علم البدیع)

نسبت کے اعتبار سے طباق کی دو صورتیں ہیں: ① طباق ایجابی، ② طباق سلبی۔

① **طَبَاقُ إِيْجَابِيٍّ**: وہ طباق ہے جس میں دو معنوں کے درمیان تضاد ہو، اور دونوں مثبت یا دونوں ہی منفی ہوں؛ یعنی: ایجاب و سلب کا اختلاف نہ ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۝﴾ [النجم: ۴۳-۴۴]؛ ﴿ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾ ① [الأعلى: ۱۳]۔

② **طَبَاقُ سَلْبِيٍّ**: وہ طباق ہے جس میں ایجاب و سلب کا اختلاف ہو (یعنی ایک معنی مثبت ہو اور دوسرا منفی) چاہے ایک مصدر کے دو فعلوں کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ [النساء: ۱۰۸]؛ یا امر و نہی کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿فَ لَا تَقُلْ لَّهُمَا أَفْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝﴾ [الإسراء: ۲۳]؛ ﴿فَ لَا تَخْشَوْا النَّاسَ وَ اخْشَوْا﴾ ② [المائدة: ۴۴]۔

طَبَاقُ تَذْبِيجٍ: مدح یا غیر مدح میں کنایہ یا توریہ کی غرض سے دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٍ﴾ ③ [فاطر: ۲۷]۔

① آیت اولیٰ: اور یہ کہ وہی ہے جو ہنسا تا اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی؛ دیکھیے: یہاں ﴿أَضْحَكَ - وَأَبْكَى، أَمَاتٌ - أَحْيَا﴾ دونوں ہی فعل مثبت ہیں۔ آیت ثانیہ: پھر وہ (جہنمی) اس آگ میں نہ مرے گا، اور نہ جئے گا؛ اس آیت میں ﴿لَا يَمُوتُ - لَا يَحْيَىٰ﴾ دونوں ہی فعل منفی ہیں۔

② آیت اولیٰ: یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے۔ آیت ثانیہ: اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو؛ بلکہ اُن سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ آیت ثالثہ: (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ دیکھیے: یہاں پر ﴿يَسْتَخْفُونَ﴾ اور ﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ﴾ کے درمیان، ﴿لَا تَقُلْ﴾ منفی اور ﴿قُلْ﴾ مثبت کے درمیان اور ﴿لَا تَخْشَوْا﴾ نہی اور ﴿اخْشَوْا﴾ امر کے درمیان اثبات و نفی کا اختلاف ہے۔ (جواہر علم البدیع)

③ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے رنگ برنگ کے پھل اُگائے؛ اور پہاڑوں میں بھی ایسے ٹکڑے ہیں جو رنگ برنگ کے سفید اور سرخ ہیں اور کالے سیاہ بھی۔ اس آیت میں بقول بعض: واضح راستہ کو جادہ بیضاء سے، مشتبہ راستہ کو جادہ سوداء سے، اور درمیانی راستے کو جادہ حمراء سے کنایہ کیا گیا ہے۔ بہ ہر حال آیت میں بَيَضٌ، حُمْرٌ، اور سُودٌ کے ذریعے مختلف راستوں کا کنایہ کیا گیا ہے۔ نیز اس آیت میں ایک اور ۷

طباق کی باقی دو قسمیں: ① طباق خفی، ② طباق مقابلہ۔

② **طباق خفی**: وہ طباق ہے جس میں ایک معنی کو اس کے مقابل کے ساتھ تو اکٹھا نہ کیا جائے؛ بلکہ ایک معنی کو اس کے مقابل کے متعلق کے ساتھ جمع کیا جائے، جیسے: ﴿قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ﴾ ① [یس: ۱۵-۱۶]۔

② **مقابلہ**: یہ ہے کہ دو یا زیادہ باہم متفق معنوں کو ذکر کیا جائے، پھر ترتیب وار اُن کے مقابل کو بھی لایا جائے، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا، وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا؛ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [التوبة: ۸۲]؛ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۖ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۖ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾ ② [اللیل: ۵-۱۰]۔

① صنعت ”تقسیم“ بھی ہے؛ کیوں کہ پہاڑ ان تین رنگوں سے خارج نہیں۔ تقسیم کا بیان آگے آ رہا ہے۔ (علم البدیع الزیادۃ) ملحوظ: یہ طباق بھی تقریباً طباق جلی ہی ہے؛ لیکن اس کے رنگوں کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے بلغاء اس کو مستقل بیان کرتے ہیں۔

① انہوں نے کہا: ”تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی آدمی ہو۔ اور خدائے رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم ہر اس جھوٹ بول رہے ہو“۔ اُن رسولوں نے کہا: ”ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہمیں واقعی تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؛ دیکھیے: یہاں ﴿رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ﴾ ”آی: رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا لَصَادِقُونَ“، کذب کا مقابل صدق کا ذکر نہیں فرمایا؛ البتہ صدق کا متعلق یعنی: ”رسول ہونا“ ﴿إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ﴾ کے ذریعے بیان کیا، اور کذب کے بالمقابل رسالت کو لا کر لطیف اشارہ فرمایا کہ: رسول ہمیشہ سچے ہی ہوتے ہیں۔ (علم البدیع)

② آیت اولیٰ: اب یہ لوگ (دنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیوں کہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے ہیں اُس کا یہی بدلہ ہے۔ آیت ثانیہ: خبردار! قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے، اور صبح کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے۔ آیت ثالثہ: اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر دیں گے، رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی اور سب سے اچھی بات جھٹلایا تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر دیں گے۔

ملحوظہ: طباق اور مقابلہ میں فرق یہ ہے کہ: ① طباق باہم متضاد معانی میں ہی ہوتا ہے؛ جب کہ مقابلہ دو یا زیادہ متوافق معانی کو ان کے مقابل معانی کے ساتھ مرتب ذکر کرنے سے ہوتا ہے؛ چاہے وہ متقابل معانی متضاد ہوں یا غیر متضاد۔ ② طباق کا تصور صرف ضدین (ایک ایک) میں ہوگا، جب کہ مقابلہ کا وجود ایک ایک سے بڑھ کر دو دو، تین تین یا زیادہ باہم متوافق معانی اور ان کے مقابلات میں ہوتا ہے۔ (الزیادة)



دیکھیے: ان آیات میں سخر و قلت کو ذکر کیا گیا ہے پھر ان کے مقابل بقاء و کثرت کو؛ نیز اعطاء و اتقاء، تصدیق حسنی و تیسیر یسری کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ان کے مقابلات یعنی: بخل، استغناء عن الدین، تکذیب حسنی اور تیسیر عسری کو ذکر کیا گیا ہے۔ (علم البدیع)

مقابلہ کبھی دو دو چیزوں میں ہوتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ میں، دو دو کی مثال، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا﴾ [التوبة: ۸۲]؛ تین تین کی مثال، جیسے: ﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَهُوَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ، وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ [الأعراف: ۱۵۷] یہاں امر کا نہی سے، معروف کا منکر سے اور تحلیل طیبات کا تحریم خبائث سے مقابلہ ہے؛ چار چار کی مثال ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾ ہے؛ یہاں سخاوت، ڈرنا، تصدیق حسنی اور تیسیر یسری کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ہر ایک کے مقابل کو ذکر کیا ہے، یعنی: بخل، بے پرواہی، تکذیب حسنی اور تیسیر عسری۔ پانچ پانچ کی مثال، جیسے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيٰ﴾ [البقرة: ۲۶] یہاں ﴿بَعُوضَةً - فَمَا فَوْقَهَا﴾، ﴿الَّذِينَ آمَنُوا - الَّذِينَ كَفَرُوا﴾، ﴿يُضِلُّ - يَهْدِي﴾، ﴿يَنْقُضُونَ - مِيثَاقَ﴾، ﴿يَقْطَعُونَ - أَنْ يُوصَلَ﴾ میں مقابلہ ہے۔ (الزیادة والاحسان)

فصل ثانی: در جمع متنا سبین

① **مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ:** (طباق کا برعکس) یہ ہے کہ کلام میں دو یا زیادہ باہم مشابہ (متناسب) چیزوں کو جمع کرنا جن میں تضاد نہ ہو، جیسے: ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝﴾ [الرحمن: ۵]؛ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۝﴾ ① [التوبة: ۳۴]

② **إِيْهَامُ التَّنَاسُبِ:** یہ مراعات النظیر ہی سے ملحق ہے، اور وہ یہ ہے کہ: کسی لفظ کے دو معانی ہوں: ایک معنی مرادی اور دوسرا معنی غیر مرادی؛ اور عبارت میں مذکور چیزیں اس معنی غیر مرادی سے مشابہ ہوں، جیسے: ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدْنَ ۝﴾ ② [الرحمن: ۵-۶]۔

مراعاة النظیر کے قبیل سے تشابہ اطراف ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: معنوی، لفظی۔

③ **تَشَابُهُ أَطْرَافٍ مَعْنَى:** یہ ہے کہ: ابتدائے کلام کے ساتھ معنوی طور پر مناسبت و مشابہت رکھنے والے الفاظ پر کلام ختم کرنا، جیسے: ﴿لَا تُذْرِكُهُ الْأَبْصَارُ، وَهُوَ يُذْرِكُ الْأَبْصَارَ؛ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾ ③ [الأنعام: ۱۰۳]۔

① آیت اولی: سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں؛ یعنی: سورج و چاند کا طلوع و غروب اور گھٹنا، بڑھنا ایک خاص حساب اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ آیت ثانیہ: اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ دیکھیے: مثال اول میں سورج و چاند؛ اور مثال ثانی میں سونا اور چاندی نقدیت میں شریک ہیں۔

② سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دیکھئے! ﴿النَّجْمُ﴾ کے دو معانی ہیں: ① ستارہ، ② بے ساق نبات؛ ان میں پہلا معنی عبارت میں مذکور اشیاء (شمس و قمر) کے مشابہ ضرور ہے؛ لیکن وہ معنی یہاں مراد نہیں؛ بلکہ یہاں مراد بے ساق نبات ہے؛ لہذا یہاں نجم اور شمس و قمر میں ایہام تناسُب ہے؛ ہاں! نجم و شجر میں مراعاة النظیر ہے۔ (علم البدیع)

③ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔ یہاں ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ پر کلام کا اختتام کیا ہے جس میں ﴿اللَّطِيفُ﴾ یہ جزو اول ﴿لَا تُذْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کے متناسب ہے، اور ﴿الْخَبِيرُ﴾ یہ جزو ثانی ﴿وَهُوَ يُذْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ کے متناسب ہے۔ (علم البدیع) ۷

۴) تشابہ اطراف لفظاً: کی دو صورتیں ہیں:

صورت اولیٰ: یہ ہے کہ: ناثر یا ناظم جملہ اولیٰ یا مصراعِ اول کے اخیر لفظ کو جملہ ثانیہ یا مصراعِ ثانی کی ابتدا میں دوبارہ ذکر کرے، جیسے: ﴿فِيهَا مَصْبَاحٌ، الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ، الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾^① [النور: ۳۰]۔

تشابہ اطراف لفظی کی دوسری صورت یہ ہے کہ: ناظم ہر بیت کے قافیہ کے لفظ کو بعد والے بیت کے شروع میں دوبارہ ذکر کرے، جیسے:

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضاً مَرِيضَةً ❖ تَتَّبَعُ أَقْصَى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِي بِهَا ❖ هُمَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاءَ سَقَاهَا^②

۵) اِِرصاد: (تسہیم) بیت یا فقرے کے عجز سے پہلے ایسی عبارت لانا جو آنے

والے عجز پر دلالت کرے جب کہ روی معلوم ہو، جیسے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ﴾

❖ یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں؛ آخرت میں جب وہ ازراہ لطف کرم اپنے آپ کو دکھانا چاہے گا تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دے گا، اور وہ ذات البصائر و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس لیے کہ وہ باخبر ہے۔

اہم واقعہ: ایک اعرابی نے قاری قرآن کو ﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [البقرة: ۲۰۹] اس آیت کو بجائے ﴿أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ کے ”أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ پڑھتے سنا، تو دیہاتی بول اٹھا کہ: یہ حکیم۔ یعنی اللہ۔ کا کلام نہیں؛ کیوں کہ عصیان اور نافرمانی کے موقع پر مغفرت کا ذکر کرنا عصیان پر ابھارنا ہے؛ چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ: آیت کا حتام ﴿أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ہے؛ یعنی شریعت محمدی کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو؛ بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ: اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے، کوئی اس کو عذاب سے روک نہیں سکتا؛ بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے؛ خواہ عذاب دے یا ڈھیل دے۔ (علم البدیع)

① اللہ کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق میں ایک چراغ رکھا ہو، اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو، وہ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک چمک دار ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہو۔ اور دوسری مثال شعر: هَوَىٰ كَانَ خِلْسًا إِنْ مِنْ أَبْرِدِ الْهَوَىٰ - هَوَىٰ جُلْتُ فِي أَفْيَانِهِ وَهُوَ خَامِلٌ. (جواہر البلاغۃ)

② ترجمہ: جب حجاج کسی بیمار زمین میں اترتا ہے تو اُس کی بیماری کی جڑ کو تلاش کر کے اُس کا علاج کر دیتا ہے؛ اُس کا علاج کر دیتا ہے اُس کا علاج بیماری سے جو وہاں ہوتی ہے۔ وہ ایسا سردار ہے کہ جب وہ نیزے کو حرکت دیتا ہے تو اُسے سیراب کر دیتا ہے۔ (جواہر البلاغۃ)

وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٩﴾ [العنکبوت: ۱۹]؛ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَنَّا اخْتَلَفْنَا﴾، وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٠﴾ [یونس: ۱۹]۔

⑥ مُشَاكَلَتْ: کسی معنی کو اس کے موضوع لفظ کے علاوہ ایسے لفظ سے تعبیر کرنا جس سے وہ لگا ہوا ہو، جیسے: ﴿وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِّثْلُهَا﴾ [الشوریٰ: ۴۰]؛ ﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ﴾ [البقرة: ۱۹۴]؛ ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۱۳۸]



① آیت اولیٰ: اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا؛ لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ آیت ثانیہ: اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائم تھے، پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے الگ الگ ہوئے، اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس معاملہ میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دنیا ہی میں) کر دیا جاتا۔ دیکھئے! ان دونوں آیتوں میں ارصاد ﴿لِيُظْلِمَهُمْ﴾ اور ﴿فَاخْتَلَفُوا﴾ ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں دلالت کرتے ہیں کہ آنے والا عجز مادہ ظلم و اختلاف سے ہوگا؛ اب اُن سے اگلی آیات کے فواصل پر وقف کرنے کی صورت میں فواصل میں مذکور حرفِ روی (نون) سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا عجز ﴿يُظْلِمُونَ﴾ اور ﴿يَخْتَلِفُونَ﴾ ہوگا۔ (علم البدیع، الزیادۃ والاحسان)

② آیت اولیٰ: اور کسی برائی کا بدلہ اُسی جیسی ’برائی‘ ہے؛ دیکھئے! بدلہ کے طور پر جو برائی کی جاتی ہے وہ حقیقتہً برائی نہیں ہوتی محض صورۃً برائی معلوم ہوتی ہے، جس کو جزاء و عقاب کہا جاتا ہے؛ یہاں اس بدلہ پر ﴿سَيِّئَةً﴾ کا اطلاق مشکلاۃً ہے۔ الحاصل: ظاہر میں دونوں لفظ سَیِّئَہ یکساں ہیں مگر معنی میں مختلف ہیں۔ آیت ثانیہ: چنانچہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ اس میں ظلم کا بدلہ لینے پر اعتداء کا اطلاق کرنا مشکلاۃً ہے۔ (جواہر، الزیادۃ) آیت ثالثہ: (اے مسلمانو! کہہ دو کہ:) ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ دیکھئے یہاں عیسائیوں کی بے سرو پا رسم ”اضطباع“ (رنگ چڑھانا، بپتسمہ)۔ جس کو وہ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت یا بچے کے پیدا ہونے کے وقت انجام دیتے تھے، باری تعالیٰ نے مشکلاۃً فرمایا کہ: رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا چڑھاؤ! جو تو حید خالص کا رنگ ہے۔

فصل ثالث: در لفظ ذو معنیں

① **تَوْرِيَّةٌ**: یہ ہے کہ: متکلم ایک ایسا لفظ استعمال کرے جس کے دو معنی ہوں ایک قریبی معنی (یعنی: مشہور معنی جو لفظ سے بہت جلد سمجھ میں آنے والا ہو) اور دوسرا بعیدی (قلیل الاستعمال)، اور متکلم کسی مخفی قرینے کی وجہ سے اسی معنی کو مراد لے رہا ہو، جیسے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ، وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ﴾ ① [الأنعام: ۶۰]۔

ملحوظہ: توریہ اور مجاز و کنایہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

- ① توریہ میں قرینہ عموماً مخفی ہوتا ہے جب کہ مجاز و کنایہ میں عموماً قرینہ ظاہر ہوتا ہے۔
- ② توریہ میں دونوں معانی لفظ ہی سے سمجھ میں آ جاتے ہیں ان میں کسی واسطے اور علاقے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ جب کہ مجاز و کنایہ میں معنی اصلی اور معنی مجازی و کنائی کے درمیان علاقے کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (علم البدیع)
- توریہ کا مقصد: توریہ کرنے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ: وہ معنی بعیدی دل و دماغ میں اتر جائے؛ یا کبھی تصریح کرنے پر ضرر پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے؛ اس وجہ سے توریہ کیا جاتا ہے، جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی نے بوقت ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت دریافت کیا کہ: یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: ”هَادٍ يَهْدِينِي“ ⑤ (علم البدیع)
- توریہ کی دو قسمیں ہیں: ① مُجَرَّدَةٌ، ② مُرَشَّحَةٌ۔

① اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے اسے خوب جانتا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں ﴿جَرَحْتُمْ﴾ کے دو معنی ہیں، ایک معنی قریبی ظاہری غیر مرادی یعنی ”زخم لگانا“ اور یہی معنی مشہور بھی ہے، مگر یہاں مراد نہیں؛ اور دوسرا معنی بعیدی خفی مرادی یعنی اعضاء و جوارح سے کچھ کرنا (گناہ کرنا) اور یہاں یہی معنی مراد ہے، اور ظاہر ہے کہ معنی قریب کے مناسبات یہاں مذکور نہیں ہے۔ اور قرینہ مقام مدح ہے؛ کیوں کہ: انسانوں کے ظاہری زخم لگانے کو تو عام لوگ بھی جانتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کے ظاہری و باطنی گناہوں کو صرف علیہم بذات الصدور ذات ہی جانتی ہے۔ (علم البدیع) بزیادہ

② هَادٍ کے دو معنی ہیں: ① معنی قریب غیر مرادی، راستہ بتانے والا؛ ② معنی بعید مرادی، صراطِ مستقیم کی راہ دکھانے والا؛ یہاں صدیق اکبر نے آپ پر ضرر کے خدشے سے ایسا لفظ استعمال فرمایا کہ: نہ ضرر لاحق ہو اور نہ ہی جھوٹ کا ارتکاب ہو۔

① توریہ مجرّدة: یہ ہے کہ اس میں معنی قریبی کے مناسبات مذکور نہ ہوں، جیسے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ﴾ ① [الأنعام: ۶۰]۔

② توریہ مرشّحة: یہ ہے کہ اس میں معنی قریبی کے مناسبات مذکور ہوں، جیسے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ ② [طہ: ۵]۔

② **اِسْتِخْدَام**: بُلْغَاء کے نزدیک صنعتِ استخدا م کی دو صورتیں ہیں:

① کسی لفظ کے دو یا زیادہ معانی ہوں، ایک معنی، لفظ سے مراد لیں اور اس لفظ کی طرف ضمیر راجع کرتے ہوئے اس کے دوسرے معنی مراد لیں، جیسے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ﴾ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ [المؤمنون: ۱۲-۱۳]؛ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ③ [البقرة: ۱۸۵]۔

① اور وہی ذات تو ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کیا کرتے ہو، اس کی خبر رکھتا ہے۔ (علم البدیع) تفصیل ”توریہ“ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

② وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔ دیکھیے: استوی کے دو معنی ہیں: ① قریبی غیر مرادی: استقرار فی المكان، اور ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾ اس معنی غیر مرادی کے مناسبات میں سے ہے؛ ② بعید مرادی: استعلاء و ملک۔

③ آیت اولیٰ: ہم نے انسان (آدم علیہ السلام) کو منتخب مٹی سے بنایا؛ پھر ہم نے اُسے (تمام بنی آدم) پانی کی ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں رکھا۔ یہاں ﴿الْإِنْسَانَ﴾ سے حضرت آدمؑ مراد ہیں اور اس کی طرف راجع ﴿جَعَلْنَاهُ﴾ کی ﴿ہ﴾ ضمیر سے ولد آدم مراد ہے۔ آیت ثانیہ: پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کا چاند پائے، اُسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔ یہاں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ میں ﴿شَہْرَ﴾ سے مراد ہلال ہے، اور اس کی طرف لوٹنے والی ﴿فَلْيَصُمْهُ﴾ کی ضمیر ﴿ہ﴾ مفعول سے متعین زمانہ (ماہ رمضان) مراد ہے۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ مذکورہ آیت میں استخدا م اس وقت ہوگا جب کہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ﴾ میں شَہِدَ بمعنی رَأَى وَأَبْصَرَ ہو؛ اگر شَہِدَ بمعنی حَضَرَ ہو تو اس وقت استخدا م نہ ہوگا۔ (علم البدیع) اور شاعر کا شعر:

وَالْعَيْنُ قَرَّتْ بِهِمْ لَمَّا بِهَا سَمَحُوا ۝ وَاسْتَخْدَمُوَهَا مَعَ الْأَعْدَاءِ فَلَمْ تَنَمْ

ترجمہ: آنکھ (عین) اُن (مدوحین) کی وجہ سے ٹھنڈی ہو گئی جب کہ اُنھوں نے اُس (عین: سونے) کی فیاضی کی؛ اور جب دشمنوں کے مقابلے میں اُس (عین: جاسوس) سے خدمت لی تو وہ (عین: آنکھ) نہ سوئی۔ اس شعر میں لفظ ”عین“ مذکور ہوا ہے، جو کوئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے، (آنکھ، سونا، جاسوس، چشمہ، گھنٹہ)، اور شاعر نے لفظ ”العین“ سے آنکھ مراد لی ہے، پھر اُس کی طرف دو ضمیریں راجع کی ہیں: اول بہ معنی: سونا ہے، اور ثانی بہ معنی: جاسوس ہے۔

② دو معنوں میں مشترک لفظ کو ذکر کیا جائے، پھر دو ایسے لفظوں (قرینوں) کو ذکر کیا جائے جن میں سے ایک لفظ سے ایک معنی اور دوسرے سے دوسرا معنی مفہوم ہو، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ، حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ، وَلَا جُنْبًا إِلَّا غَيْرِي سَبِيلٍ﴾^① [النساء: ۴۳]۔

ملحوظہ: استخدام اور توریہ میں فرق یہ ہے کہ: استخدام میں لفظ کے دونوں ہی معانی مراد ہوتے ہیں؛ بایں طور کہ: لفظ سے ایک معنی مراد لیں اور مرجع بناتے ہوئے دوسرا معنی مراد لیں؛ جب کہ توریہ میں بعیدی معنی ہی مراد ہوتا ہے، اور قریبی معنی بے معنی رہتا ہے۔ (علم البدیع)

③ **تردید:** متکلم اپنے کلام میں کسی کلمہ کو ذکر کرے پھر اسی کلمہ کو کسی دوسرے کلمے سے متعلق کر کے دہرائے، جیسے: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾، ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ [القدر: ۲-۳]؛ ﴿مِثْلَ مَا أُوتِيَ رَسُولُ اللَّهِ﴾، ﴿اللَّهُ أََعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾^② [الأنعام: ۱۲۴]۔

④ **توجیہ:** یہ ہے کہ ایسے الفاظ جو عرف میں بطور ”اعلام“ (انسانوں یا غیر انسانوں کے نام) استعمال ہوتے ہیں، ان کو کسی کلام میں لا کر ان کے اصل معانی جن کے لیے یہ وضع کئے گئے ہیں ان کو مراد لیا جائے، جیسے: شاعر کا شعر:

① ترجمہ: اے ایمان والو! جس وقت تم نشہ میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو، اور نہ جنابت کی حالت میں بھی (مسجد میں جاؤ)؛ مگر راہ چلتے ہوئے، اور جب تک غسل نہ کر لو (نماز جائز نہیں)۔ یہاں ﴿الصَّلَاةَ﴾ کے دو معنی ہیں: فعلِ صلوٰۃ اور موضعِ صلوٰۃ؛ ان میں سے فعلِ صلوٰۃ ﴿حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ سے سمجھ میں آتے ہیں اور موضعِ صلوٰۃ کے معنی ﴿إِلَّا غَيْرِي سَبِيلٍ﴾ سے مفہوم ہوتے ہیں، اُنّی: لا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ جُنْبًا إِلَّا غَيْرِي سَبِيلٍ۔ (الزیادۃ والاحسان)

② آیت اولیٰ: اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ دیکھئے! اس مثال میں ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اول بار ترکیب میں خبر ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے، پھر اُسے دہراتے ہوئے مبتدا بنادیا ہے؛ آیت ثانیہ: ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی، حالانکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ اس مثال میں ﴿اللَّهُ﴾ اول بار مضاف الیہ اور دوبارہ مبتدا ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ ﴿١﴾ زُخْرُفٍ ﴿٢﴾ تَرَاهُ إِذَا زُلْزِلَتْ ﴿٣﴾ لَمْ يَكُنْ ﴿٤﴾ ①



① اس مکان کی کیا خوبصورتی؟ جس پر ملمع کاری کی گئی ہو، اگر اسے ہلادیا جائے تو اسے مخاطب تو یوں سمجھے گا کہ یہاں کوئی مکان تھا ہی نہیں۔ یہاں زُخْرُفٌ، إِذَا زُلْزِلَتْ، لَمْ يَكُنْ یہ تینوں الفاظ، غیر انسان یعنی سُورِ قُرْآن کے نام ہیں مگر شعر میں ان سے ان کے معانی موضوعہ مراد ہیں، جو شعر کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُو وَالرَّيْنُوعُ وَكَمْ عَدَا ﴿١﴾ بِهِ الرُّوضُ يَخْفَى وَهُوَ لَا شَكَّ جَعْفَرُ

اسی سے نوازش اور بہار ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے باغات اس کی وجہ سے زندگی پاتے ہیں اور بلاشبہ وہ چیز (جس کی تعریف کی جا رہی ہے) ندی ہے۔ یہاں فضل، رینع، یحییٰ، جعفر یہ سب انسانوں کے نام ہیں، مگر شعر میں ان چاروں الفاظ سے ان کے معانی موضوعہ (فضیلت، موسم رینع، زندہ ہونا، ندی) مراد لیے گئے ہیں۔

فصل رابع: در اشیائے متعددہ

① **جَمَعُ**: یہ ہے کہ دو یا زیادہ مختلف چیزوں کو حکم واحد میں جمع کرنا، جیسے: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [المائدہ: ۹۰]؛ ﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ① [الکہف: ۴۶]۔

② **تَفْرِيقُ**: یہ ہے کہ: متکلم تعریف وغیرہ مواقع میں ایک ہی نوع میں شریک دو چیزوں کے درمیان جدائی و تفریق بیان کرے کسی ایسے لفظ کو ذکر کر کے جو زائد معنی کا فائدہ دے، جیسے: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ، هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ [فاطر: ۱۲]؛ اور آپ ﷺ کی سخاوت بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے:

فَجُودٌ كَفَّيْهِ لَمْ تَقْلَعْ سَحَائِبُهُ ❁ عَنِ الْعِبَادِ جُودُ السُّحُبِ لَمْ يَدُمُ ②

③ **تَقْسِيمُ**: اس کی مختلف صورتیں ہیں؛ ان میں سے اہم یہ ہیں:

صورت اولی: متکلم چیز سے متعلق جملہ اقسام محتملہ کا احاطہ کر لے کہ: کوئی محتمل قسم باقی نہ رہے، جیسے: ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ، يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ: يَهْبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَآثًا،

① آیت اولی: اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں؛ یہاں خمر و میسر انصاف و ازلام مختلف چیزوں کو حکم واحد ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ میں جمع کیا گیا ہے۔ (علم البدیع)۔ آیت ثانیہ: مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں؛ یہاں مختلف چیزوں (مال و اولاد) کو دنیوی زندگی کی زینت ہونے میں جمع فرمایا ہے۔ ملحوظہ: ﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ﴾ میں مراعات النظر بھی ہے۔

② مثال اول: اور دودر یا برابر نہیں ہوتے؛ ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے جو پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کڑوا و نمکین؛ دیکھئے! یہ دونوں چیزیں دریا ہونے میں شریک ہیں؛ لیکن دونوں میں ﴿عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ﴾ اور ﴿مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ کے ذریعے تفریق و جدائی کر دی۔

مثال ثانی: آپ ﷺ کے ہاتھوں کی فیاضی کے بادل بندوں سے چھٹے نہیں جب کہ بادلوں کی سخاوت کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت نہیں ہوا کرتی۔ یعنی مطلق سخاوت میں تو آقا کی ہتھیلی اور بادل دونوں ضرور شریک ہیں؛ لیکن بادل کی سخاوت کو آپ ﷺ کی سخاوت سے کیا جوڑ! آنحضرت ﷺ کی سخاوت بندوں پر دائمی تا قیامت؛ بلکہ بعد قیامت ہمیشہ رہنے والی ہے جس کے بادل کبھی چھٹنے والے نہیں؛ جب کہ بادل کی سخاوت غیر دائمی اور ختم ہونے والی ہے۔ (جواہر علم البدیع)

وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ، أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا، وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ﴿[الشورى: ۱۹]﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ: فَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ، وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ، وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ؛ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ... ﴿[النور: ۴۵]﴾

صورت ثانیہ: کئی ایک چیزوں کو ذکر کیا جائے، پھر ہر ایک کی طرف متعین طور پر اس سے متعلق حکم کو منسوب کرنا، اسے ”تفسیر“ بھی کہا جاتا ہے، جیسے: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۚ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۚ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۚ﴾ ﴿[الحاقة: ۶-۷]﴾

ملحوظہ: لف و نشر اور تقسیم کی صورت ثانیہ میں فرق یہ ہے کہ: لف و نشر میں بعد میں ذکر کردہ احکام ماقبل میں مذکور چیزوں کی طرف غیر متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں؛ جب کہ تقسیم کی اس صورت میں ماقبل کی ہر چیز کی طرف احکام متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں۔ (علم البدیع)

صورت ثالثہ: ایک شئی کے کئی احوال ذکر کرنا ہر حالت سے مناسب وصف و قید کو منسوب

① آیت اولی: سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے؛ یہاں اولاد کے اعتبار سے زوجین کے چار احوال محتملہ ذکر کئے ہیں کہ: وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں بخشتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، جسے چاہے جوڑے (بیٹے اور بیٹیاں دونوں) بخشتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے؛ اس مضمون سے متعلق یہی چار اقسام ہیں، جن کو اس جگہ جمع فرمایا ہے۔ (علم البدیع)

آیت ثانیہ: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے؛ دیکھئے! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تمام اقسام محتملہ کا احاطہ کر لیا ہے، کہ مخلوق اپنی خلقت و پیدائش کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں: ① پیٹ کے بل چلنے والی، ② دو پیروں پر چلنے والی، ③ چار پیروں پر چلنے والی۔

④ ثمود اور عاد کی قوموں نے اُسی جھنجھوڑ ڈالنے والی حقیقت کو جھٹلایا تھا، نتیجہ یہ کہ جو ثمود کے لوگ تھے وہ (چسنگھاڑ کی) ایسی آفت سے ہلاک کیے گئے جو حد سے زیادہ (خوفناک) تھی؛ رہے عاد، تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیا ناس کر دیا گیا۔ دیکھیے: آیت کریمہ میں پہلے چند چیزوں یعنی: قوم ثمود اور قوم عاد کی تکذیب کو ذکر کیا پھر علی التبعین دونوں پر آنے والے عذاب کو ذکر کیا۔ (علم البدیع)

کرتے ہوئے، جیسے: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾^① [المائدہ: ۵۴]۔

④ **جمع مع التّفْرِيق:** دو چیزوں کو حکم واحد میں داخل کر کے ادخال کی دو جہتوں میں جدائی اور فرق بیان کرنا، جیسے: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا، وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا، فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ، وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾^② [الزمر: ۴۲]

⑤ **جمع مع التّقسيم:** چند چیزوں کو حکم واحد کے تحت داخل کرنا، پھر ان کو مختلف قسموں پر تقسیم کرنا، جیسے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾^③ [فاطر: ۳۲]۔

① اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو حق تعالیٰ شانہ (مرتدین کے مستابلہ پر) ”ایسے لوگ“ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو: مؤمنوں کے لیے نرم، اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے؛ یہاں مؤمنین کے دو احوال مع القیود ذکر فرمائے ہیں۔ (جواہر) اور شاعر کا شعر:

أَنْتَ بَذْرٌ حُسْنًا وَشَمْسٌ غُلُوًّا ❁ وَحُسَامٌ عَزًّا وَبَحْرٌ نُّوَالًا

ترجمہ: آپ چودہویں کا چاند ہیں حسن کے اعتبار سے؛ سورج ہیں بلندی کے اعتبار سے؛ تیز تلواریں ہیں غلبہ کے اعتبار سے؛ اور سمندر ہیں بخشش کے اعتبار سے۔ شاعر نے اس شعر میں مخاطب کے چار احوال: بَذْرٌ، شَمْسٌ، حُسَامٌ، بَحْرٌ ذکر کیے ہیں، پھر ہر حال کے مناسب ایک ایک وصف کو بھی ذکر کیا، بَذْر کے لیے حُسْن، شَمْس کے لیے غُلُو، حُسَام کے لیے عَزَّا، بَحْر کے لیے نُّوَالًا۔

② اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی اُن کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے)، پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر لیا، اُنہیں اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے؛ دیکھئے! اس آیت میں تمام نفوس کو حکم واحد (متوفی: روح قبض کیا ہوا) میں داخل کیا ہے؛ پھر ارسال و امساک کے حکم سے متوفی کی دو جہتوں کے درمیان فرق کیا گیا۔ (الزیادۃ والاحسان)

③ ترجمہ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا، پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اُنہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانی درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا فضل ہے۔

دیکھئے! وارث بنانے کے حکم میں سب داخل ہیں؛ ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو

⑥ الجمع مع التفریق والتقسیم: (ایضاح) دو یا زیادہ چیزوں کو حکم واحد

میں جمع کرنا، پھر کسی زائد معنی کے ذریعے اُن میں جدائی بیان کرنا؛ پھر جدا کی ہوئی چیزوں میں سے ہر ایک کی طرف ان کے مناسب حکم کو متعین طور پر منسوب کرنا، جیسے: ﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾؛ ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾؛ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَبِئْسَ الْوَقْدُ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾ ﴿خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾، ﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَبِئْسَ الْوَقْدُ لَهُمْ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾، عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ ﴿١﴾ [ہود: ۱۰۵-۱۰۸]۔

④ جمع المؤنث والمختلف: دو مہدحوں میں پائی جانے والی صفات ذکر

کر کے دونوں میں برابری ثابت کرنا، پھر دوسرے میں نقص بیان کیے بغیر محض پہلے مہدوح کی فضیلت و برتری ظاہر کرنے کے لیے اس کے مخصوص وصف کو بیان کرنا، جیسے: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخُكِّمَنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ﴾ ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكَلَّاتَيْنَا حَكَمًا وَعِلْمًا﴾ ﴿٢﴾ [الأنبياء: ۷۸-۷۹]۔

۱۔ باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، (یہ ”ظالم لنفسہ“ ہوئے)؛ اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں، نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ و ولی۔ (ان کو ”مقتصد“ فرمایا)؛ اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں؛ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے، اور گناہ کے خوف سے مکروہ متزیہی؛ بلکہ بعض مبہدات تک سے پرہیز کرتے ہیں (یہ تفریق ہوئی)۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو اُن کو ہے، ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا؛ کیوں کہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ (الزیادة والاحسان)

① اس جگہ باری تعالیٰ نے ﴿لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ﴾ میں۔ نکرہ تحت اللفی لا کر۔ تمام نفوس کو جمع کر دیا، پھر ان نفوس میں سے بعض کو شقی (بد حال) اور بعض کو سعید (خوش حال) قرار دے کر تفریق و جدائی بیان کی؛ پھر اشیاء کی طرف ان کے مناسب حکم یعنی جہنم کے عذاب اور چرخ کو منسوب کیا، اور سعداء کی طرف ان کے مناسب حکم، یعنی جنت نہ ہونے والی جنت کی نعمتوں کو منسوب کیا۔ (علم البدیع)

② ترجمہ: اور داؤد و سلیمان کو (بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے؛ کیوں کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں، اور ان لوگوں کے بارے میں ۷

ملحوظہ: تفریق اور جمع المؤتلف والمختلف میں فرق یہ ہے کہ: تفریق میں وصف مشترک کو کسی ایک کے لیے زیادہ اور دوسرے کے لیے کم ثابت کیا جاتا ہے؛ جب کہ جمع المؤتلف والمختلف میں اوصاف مشترکہ کے علاوہ کسی وصف زائد کے ذریعے کسی ایک میں جزوی فضیلت ثابت کی جاتی ہے۔

تقسیم سے قریب قریب اور بہت سی قسمیں ہیں، جن میں زیادہ فرق نہیں: لف ونشر، جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم۔

⑧ **لَفَّ وَنَشَرُ:** (طی ونشر) چند چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) یا تفصیلاً (ممتاز) ذکر کرنا، پھر بلا تعین ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک حکم کو ذکر کرنا، محض اس اعتماد پر کہ مخاطب ان احکام کو اس کے مناسب کی طرف لوٹائے گا۔

لف ونشر تفصلاً کی دو قسمیں ہیں: ① لف ونشر مرتب، یعنی: لف ونشر غیر مشوش؛ ② لف ونشر غیر مرتب، یعنی: لف ونشر مشوش۔

⑨ **لَفَّ وَنَشَرٌ مُرْتَّبٌ:** یہ ہے کہ: متعدد چیزوں کو تفصیلاً (علاحدہ علاحدہ) ذکر کرنا، پھر بلا تعین فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم مرتب طور بیان کرنا، جیسے: ﴿رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ "لِتَسْكُنُوا فِيهِ، وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ" ﴿[القصص: ۷۳]﴾ "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ" وَ"لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ" فَتَقْعُدَ مَلُومًا" ﴿مَحْسُورًا﴾ ⑩ [اسراءیل: ۲۹]۔

• جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے؛ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ دیکھئے! یہاں علم و حکمت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں برابری ثابت کی ہے اور حضرت داؤد میں نقص بیان کیے بغیر حضرت سلیمان کی فضیلت کو ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾ سے ظاہر فرمایا۔

(الزيادة والاحسان)

① آیت اولیٰ: یہ تو اُس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور اُس میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔ یہاں ﴿اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ کو بذریعہ عطف تفصیلاً (علاحدہ اور ممتاز) •

خلاصہ کلام: تفصیلاً جس ترتیب سے چند چیزوں کو ذکر کیا گیا ہو، اُسی ترتیب سے ہر ایک کے احکام بھی ذکر کرنا۔

⑩ **لف ونشر غیر مرتب:** یہ ہے کہ متعدد چیزوں کو تفصیلاً (علاحدہ علاحدہ) ذکر کرنا، پھر بلا تعین فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کے حکم (مناسب) کو غیر مرتب طور پر بیان کرنا، جیسے: ﴿وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا: "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا"، وَتَبَّتْ أَقْدَامُنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" ۝ "فَاتَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا"، وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ"﴾ [ال عمران: ۱۶۷]؛ ﴿فَمَحَوْنَا "آيَةَ اللَّيْلِ" وَجَعَلْنَا "آيَةَ النَّهَارِ" مُبْصِرَةً، "لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ" وَ"لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ"﴾ ① [بنی اسرائیل: ۱۲]۔

بیان کیا۔ اس کو ”لف“ اور ”طی“ کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں کے مناسب احکام کو غیر متعین طور پر (احکام کو معین چیز کی طرف منسوب کیے بغیر) بالترتیب ﴿لِتَسْكُنُوا فِيهِ، وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ کے ذریعے ذکر کیے، فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے کہ: وہ اپنی سمجھ سے ان احکام کو ان کے مناسب چیزوں کے ساتھ ملحق کر دے گا؛ اس کو ”نشر“ کہتے ہیں۔ آیت ثانیہ: اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابل ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ یہاں ﴿مَلُومًا﴾ بخل کی طرف اور ﴿مُخْشَرًا﴾ اسراف کی طرف راجع ہے۔

① آیت اولیٰ: ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ”ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرما دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرما دے“، چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی، اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ یہاں امور دنیویہ و اخرویہ کے متعلق دعاؤں کو تفصیلاً (علاحدہ) ذکر کرتے ہوئے اولاً امور اخرویہ سے متعلق دعا ﴿اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا﴾ کو ذکر کیا، ثانیاً امور دنیویہ سے متعلق دعا ﴿وَتَبَّتْ أَقْدَامُنَا وَانْصُرْنَا﴾ کو بعد میں ذکر کیا۔ یہ ”لف و طی“ ہے اور ”نشر“ کے وقت اس کے مناسبات کو غیر مرتب طور پر ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ ﴿ثَوَابُ الدُّنْيَا﴾ کو پہلے ذکر کیا، جس کا متعلق بوقت لِف میں مؤخر تھا، اور ﴿حُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ کو مؤخر ذکر کیا، جس کا متعلق لِف میں مقدم تھا۔

آیت ثانیہ: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے، پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم (دن سے) اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو، اور (رات سے) سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کر سکو؛ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ مذکورہ دو صورتیں یعنی: لف و نشر مرتب اور لف و نشر غیر مرتب، اسی وقت ہوں گی جب کہ بوقت ”لف“ دو چیزوں کو تفصیلاً یعنی علاحدہ علاحدہ اور ممتاز بیان کیا گیا ہو؛ ہاں اگر بوقت ”لف“ ابتداء ہی دو یا زیادہ چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) بیان کیا ہو تو وہاں مرتب و غیر مرتب کی تقسیم نہ ہوگی، جیسے: ﴿وَقَالُوا، لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا، أَوْ نَصْرِي؛ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾^① [البقرة: ۱۷۷]۔

⑪ **ترتیب:** ایک موصوف کی چند صفات کو یا چند افعال کو فطری (تدرتی) یا قوعی ترتیب کے مطابق بیان کرنا، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ، ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ، ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا﴾ [غافر: ۶۷]؛ ﴿فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا﴾ [الشمس: ۱۶]؛ ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾^② [الحديد: ۳]۔ (الزيادة)

⑫ **تَدَلَّى مِنَ الْأَعْلَى إِلَى الْأَدْنَى:** بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترتے ہوئے، جیسے: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾^③ [النساء: ۶۹]۔

① اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: ”جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا، یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں، آپ ان سے کہیے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ۔ یہاں ﴿قَالُوا﴾ کی ضمیر یہود و نصاریٰ دونوں کی طرف اجمالاً لوطی ہے اور معنی یہ ہے: ”قالت اليهود: لن يدخل الجنة إلا من كان هودًا“، وقالت النصارى: لن يدخل الجنة إلا من كان نصری“؛ گویا یہود و نصاریٰ دونوں ﴿قَالُوا﴾ میں داخل ہیں؛ پھر ﴿إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِي﴾ کے ذریعے نشر کیا؛ ایسا لف و نشر، ترتیب و عدم ترتیب کا متقاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ لف مجمل ہے جس کی وجہ سے اس میں ترتیب معلوم ہی نہیں۔ (علم البدیع)

② آیت اولیٰ: وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ، اور پھر بوڑھے ہو جاؤ۔ آیت ثانیہ: پھر بھی انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ آیت ثالثہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

③ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، ۷

﴿۱۳﴾ تَرْقَى مِنَ الْأَدْنَىٰ إِلَى الْأَعْلَىٰ: بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف چڑھتے ہوئے، جیسے: ﴿أَلْهَمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا، أَمْ لَّهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا، أَمْ لَّهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا، أَمْ لَّهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا؛ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظَرُونَ﴾^① [الأعراف: ۱۹۰]۔

﴿۱۴﴾ تَعْدِيدٌ: چند الفاظ مفردہ کو ایک ساتھ تسلسل سے (بلا عطف) بیان کرنا جن میں باہم صنعتِ طباق یا جناس ہو^②؛ یہ صنعت اکثر و بیشتر صفات کے ذکر میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿الْتَّائِبُونَ الْعِبَدُونَ الْحَمِدُونَ﴾ [التوبة: ۱۱۴]؛ ﴿مُسْلِمَتٌ مُّؤْمِنَةٌ﴾^③ [تحریم: ۵]۔
ملحوظہ: ہاں! اگر چند صفات متضادہ کو جمع کیا جائے تو اس وقت صفات کو بذریعہ عطف ذکر کیا جائے گا، جیسے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾^④ [الحديد: ۳]۔ (علم المعانی)

﴿۱۵﴾ اِطْرَادٌ: متکلم اپنے ممدوح کے آباؤ و اجداد کے اسماء کو معروف ترتیب (باپ، دادا، پردادا) کے خلاف ولادت کی ترتیب (پردادا، دادا، باپ) میں ذکر کرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان: ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾^⑤ [یوسف: ۳۸]۔

❖ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

① بھلا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سُنیں؟ (اُن سے کہہ دو کہ: ”تم اُن سب دیوتاؤں کو بلا لاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی سازش کرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ دیکھئے! یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترقی کرتے ہوئے پہلے پاؤں پھر ہاتھ پھر آنکھ پھر کان کو ذکر فرمایا ہے اور بعد والا پہلے کے مقابلہ میں اشرف ہے۔ (الزیادة)

② ملحوظہ: یہاں طباق سے مطلقاً محسنات معنویہ اور جناس سے مطلقاً محسنات لفظیہ مراد ہیں۔

③ آیت اولیٰ: (جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اُس کی حمد کرنے والے! آیت ثانیہ: اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرمادے جو تم سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمان والی، طاعت شعار، توبہ کرنے والی....

④ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

⑤ ترجمہ: اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔

فصل خامس: در تقدیم و تاخیر

① **عَكْسٌ وَتَبْدِيلٌ:** کلام کے دو جزوؤں کو اس طور پر مکرر ذکر کرنا کہ: مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جائے، یعنی: بالکل پلٹ دینا۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

① ایک جملے کے دو طرفوں (کے بعینہ الفاظ) میں تقدیم و تاخیر ہو، جیسے: **كَلَامُ الْمُلُوكِ، مُلُوكُ الْكَلَامِ؛ عَادَاتُ السَّادَاتِ، سَادَاتُ الْعَادَاتِ؛ لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ، وَلَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ.**
 ② دو جملوں کے دو متعلقوں (کے بعینہ الفاظ) میں تقدیم و تاخیر ہو، جیسے: ﴿تَوَلَّجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ، وَتَوَلَّجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ؛ وَتَخْرُجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ، وَتَخْرُجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ① [آل عمران: ۲۷]

③ دو جملوں کے طرفین (سے مناسبت رکھنے والے) الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو، جیسے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ، وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [البقرة: ۱۸۷]؛ ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ، وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ ② [المتحنة: ۱۰].

④ **مَا لَا يَسْتَحِيلُ بِالْإِنْعَاسِ:** (قلب) کلمے یا کلام کو اول سے آخر تک پڑھنا اور آخر سے اول کی طرف پڑھنا یکساں ہو کہ: لفظ و معنی میں کوئی فرق نہ آئے، یعنی: اگر اُسے الٹا پڑھا جائے تو بھی بعینہ ویسا ہی کلام رہے، جیسے: ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ﴾ [یس: ۴۰]، ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ ③ [المدثر: ۳].

① ترجمہ: تو ہی رات کو دِن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے؛ اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے، اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہاں دو فعل کے مفعول و متعلق میں تقدیم و تاخیر ہے۔

② آیت اولیٰ: وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ یہاں جملہ اولیٰ میں پہلے غائب کی ضمیر ہے اس کے بعد خطاب کی ہے، اور جملہ ثانیہ میں پہلے خطاب اس کے بعد غائب کی ضمیر ہے۔ آیت ثانیہ: وہ ان کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں، اور وہ کافر اُن کے لیے حلال نہیں ہیں۔ یہاں جمع مؤنث غائب اور جمع مذکر غائب کی ضمیر میں تقدیم و تاخیر ہے۔ (علم البدیع)

③ آیت اولیٰ: اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ آیت ثانیہ: اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔

③ **تَصْدِيرُ:** (نثری)، کلام نثر میں دو مکرر یا متجانس یا ملحق بالمجتانسین ① میں سے ایک لفظ کو فترے کے شروع میں اور دوسرے کو فترے کے اخیر میں لانا، جیسے: ﴿وَتَخَشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾ [الأحزاب: ۳۷]؛ ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ② [آل عمران: ۸]۔

تصدیر کی دوسری دو صورتیں ہیں اور وہ ملحق بالمجتانسین کہلاتی ہیں:

① وہ الفاظ مراد ہیں جن دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو، اُن میں سے لفظ اول کلام کی ابتداء میں ہو اور لفظ ثانی کلام کے آخر میں ہو، جیسے: ﴿فَقُلْتُ: "اسْتَغْفِرُوا" رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ "غَفَّارًا"﴾ ③ [نوح: ۱۰]۔

● ملحوظہ: قلب کی اس صناعیت میں معکوس حالت میں مقصور کا ممدود ہو جانا، اور ممدود کا مقصور ہو جانا نقصان دہ نہیں؛ اسی طرح مشدک کا مخفف ہو جانا، اور مخفف کا مشدک ہو جانا؛ ہمزہ کا الف ہو جانا یا الف کا ہمزہ ہو جانا؛ اسی طرح بعضے حرکات و سکنات میں تبدیلی کا ہو جانا نقصان دہ نہیں ہوتا۔ (علم البديع) اس کی کلام شعر کی مثال:

مَوَدَّتْهُ تَدْوُمٌ لِكُلِّ هَوْلٍ ۖ وَهَلْ كُلُّ مَوَدَّتِهِ تَدْوُمٌ

① دو مکرر الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنی دونوں میں متفق ہوں، جیسے: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾ [الأحزاب: ۳۷]۔ (علم البديع)

متجانس الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو صرف لفظوں میں مشابہ ہوں معنی میں مشابہ نہ ہوں، جیسے: "سَائِلُ" اللّٰثِمِ يَزْجَعُ وَدَمْعُهُ "سَائِلُ" کہینہ شخص سے کسی چیز کا سوال کرنے والا اس حال میں لوٹے گا کہ اس کے آنسو بہہ رہے ہوں گے۔ ملحق بالمجتانسین سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنی میں مختلف ہوں؛ لیکن دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو، جیسے:

﴿فَ "أَقِمْ" وَجْهَكَ لِلدِّينِ "الْقَيِّمِ"﴾ [الروم: ۱۴]۔ (علم البديع)

② آیت اولیٰ: اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالاں کہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ یہاں آیت کریمہ کی ابتداء ﴿تَخْشَى﴾ سے ہے اور ختم بھی ﴿تَخْشَى﴾ پر ہی ہے۔ اسی طرح: "الْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ"، قصاصاً قتل کرنا قتل و قتال کو روکتا ہے۔ آیت ثانیہ: اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے۔

③ ترجمہ: چنانچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقیناً جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو، بلاشبہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے؛ یہاں ﴿اسْتَغْفِرُوا﴾ اور ﴿غَفَّارًا﴾ دونوں نہ مکرر ہیں اور نہ ہی متجانسین ہیں؛ بلکہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمجتانسین ہیں۔

② وہ دو الفاظ جن کا مآخذ اشتقاق ایک جیسا معلوم ہوتا ہو؛ لیکن حقیقت میں الگ الگ ہوں، جیسے: ﴿قَالَ إِنِّي لَعَمَلِكُمْ مِّنَ الْفَالِینِ﴾^① [الشعراء: ۱۶۸]۔



① ترجمہ: حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: ”یقین جانو! میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں؛ یہاں ﴿قَالَ﴾ قول سے فعل ماضی ہے اور ﴿فَالِینِ﴾ قلی سے اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ ہے جو حالت جری میں ہے۔ اور ان دونوں کا استعمال دو آیت کے طرفوں میں ہوا ہے۔ (علم البدیع)

فصل سادس: در اثبات صفت

① **مُبَالَغَه:** کسی صفت کی شدت یا ضعف کے متعلق اس درجہ پہنچنے کا دعویٰ کرنا جو دُور از قیاس (بعید از عقل) یا ناممکن (محال) ہو ①، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ، وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝﴾ [الحج: ۱-۲]؛ ﴿وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلْبِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۝﴾ [الأعراف: ۴۰]۔

① علمائے بلاغت کے نزدیک مبالغہ کے لیے اور بھی نام ہیں: افراط فی الصفت، تبلیغ، اغراق اور غلو۔ مبالغہ کے مقبول و مردود ہونے کے بارے میں علمائے بلاغت کی رائیں مختلف ہیں: قول اول: مطلقاً مبالغہ مقبول ہے، قول ثانی: مبالغہ مطلقاً مردود ہے، قول ثالث: بعض انواع مبالغہ مقبول اور بعض مردود ہیں؛ یعنی: تبلیغ اور اغراق مقبول ہیں اور غلو کی بعض قسمیں مردود ہیں۔ (علم البدرج) ملحوظہ: مبالغہ کے صیغے دو قسموں پر ہیں، بعض میں فعل کی زیادتی کی وجہ سے مبالغہ پایا جاتا ہے اور بعض میں مفعولات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے مبالغہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿تَوَابٌ﴾، من یتوب علیہ (مفعولات) میں کثرت کی بناء پر کہا جاتا ہے۔ (الزیادة)

② آیت اولیٰ: اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو، یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے، جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا اُس دن پر دودھ پلانے والی اُس بچے (تک) کو بھول بیٹھے گی جس کو اس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشہ میں بدحواس ہیں، حالاں کہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے؛ بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔

قیامت کے عظیم الشان زلزلے دو ہیں: ① قیامت سے کچھ پیشتر زلزلے ہوں گے جو علامات قیامت میں سے ہیں۔ ② نطفہ ثانیہ کے بعد والا زلزلہ؛ اگر آیت مذکورہ میں پہلے والے زلزلے مراد ہیں تو آیت اپنے ظاہری معنی پر ہے، یعنی: دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں اسی حال میں محسوس ہوں گی۔ اور اگر دوسرا زلزلہ مراد ہے تو قیامت کے احوال و شدائد مراد ہوں گے اور ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا الْخِ﴾ کو احوال قیامت بیان کرنے میں مبالغہ (بطور تمثیل) بیان کیا گیا ہے کہ: اس دن اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہوں گے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں؛ اس مبالغہ کے ذریعے ہر عقل مند کو اپنا انتخاب سوچنے اور قیامت کی ہولناکیوں اور شدائد سے نجات کی تیاری کرنے پر آگاہ کیا ہے۔ (علم المعانی، فوائد)

وصف میں مبالغہ بیان کرنا تین طرح سے ہوتا ہے: تبلیغ، اغراق اور غلو۔

② **تَبْلِیْغٌ**: وہ وصف جس سے مبالغہ بیان کیا جا رہا ہے اس کا وقوع عقلاً و عادتاً ممکن

ہو، جیسے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ ①۔ (شمائل)

③ **اِغْرَاقٌ**: وہ وصف جس سے مبالغہ بیان کیا جا رہا ہے اس کا وقوع عقلاً تو بعید نہ ہو؛

لیکن عادتاً ناممکن ہو، جیسے: حدیث ام زرع میں ام زرع کا اپنے دوسرے شوہر کی طرف سے ملنے والی عطا و بخشش اور اسباب عیش و عشرت اور ناز و نعمت پر فوقیت دیتے ہوئے ابو زرع کے بابت یوں فرمانا: لَوْ جُمِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ أُعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آيَةٍ أَبِي زَرْعٍ ②۔

○ آیت ثانیہ: اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ دیکھیے: یہ تعلیق بالحال کے طور پر فرمایا ہے، ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو کسی دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں، یعنی: جس طرح یہ ناممکن ہے کہ: اونٹ اسی جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے؛ اسی طرح ان مکذبین و مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ ان کے غلو و فی النار کی خبر دے چکا ہے۔

① آنحضرت ﷺ کو وصف سخاوت کے سانچے میں ڈھالا گیا تھا، آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ بادشاہ لوگ بھی نہیں کر سکتے؛ عام حالات میں اس قدر سختی تھی کہ: إِذَا وَجَدَ جَادًا، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ وَعَدًا، وَلَا يَخْلُفُ الْمِينَةَ؛ لیکن جب حضرت جبرئیلؑ حضرت کو ماہ رمضان میں کلام اللہ شریف سناتے اس وقت آپ لوگوں کو بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے، یہاں حضرت کی صفت سخاوت کو ربیعِ مرسلہ کی سخاوت سے زیادہ بتائی ہے، اور کیوں نہ ہو؟ بارش کو حضرت کی سخاوت سے کیا نسبت! بسا اوقات ہوائیں بے بارش بھی ہوتی ہیں، اور جب بارش برساتی ہیں تو صرف زمین کو زندہ کرتی ہیں؛ جب کہ حضرت کی سخاوت دلوں کو بھی زندہ فرماتی تھی، اور قیامت تک آنے والی انسانیت کی ظاہری و باطنی ضروریات دنیویہ و دینیہ کو پورا کرنے والی تھی۔ اللھُمَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ - صلی اللہ علیہ وسلم - رضیت باللہ ربّاً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیّاً۔ اسی طرح گھوڑے کی تعریف میں شاعر کا یہ شعر:

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيحُ فَرَّتْ ❁ وَالْقَتُّ فِي يَدِ الرِّيحِ الثُّرَابَا

ترجمہ: جب اس گھوڑی کا ہوا سے مسابقہ ہوتا ہے تو وہ آگے نکل جاتی ہے، اور ہوا کے ہاتھ میں دھول پھینک دیتی ہے۔ دیکھئے ہوا کے مقابلہ میں کبھی گھوڑے کا آگے نکل کر گرد و غبار کو اپنے پیچھے چھوڑ جانا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح ممکن ضرور ہے؛ لیکن شاعر کا مقصد یہاں پر گھوڑی کی تیز رفتاری بیان کرنا ہے اور اس کے لیے اس وصف کو بیان کر رہا ہے جو عقلاً و عادتاً ممکن ہے؛ لہذا یہ تبلیغ کے قبیل سے ہوگا۔ (علم البدیع) بزیادہ

② شاعر کا شعر:

④ **غُلُوٌّ**: وہ وصف ہے جس سے مبالغہ بیان کیا جا رہا ہے اس کا وقوع عقلاً اور عادتاً دونوں اعتبار سے محال ہو۔

غلو مقبول: وہ ہے جس میں لفظ کا دَ، یُحَيِّل یا لَوْ، لَوْلَا کو استعمال کیا گیا ہو، جیسے:
﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ [النور: ۲۰]؛ ﴿ظَلُمْتُ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ، إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْذِبْهَا﴾ ① [النور: ۴۰]۔

⑤ **تَفْوِيفٌ**: متکلم مدح و ثنا وغیرہ مضمون میں مدوح کی مختلف صفات حمیدہ کو الگ الگ

د

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا ۞ وَنُثْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَا لَا

ترجمہ: ہم پڑوسی پر احسان کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہمارے پڑوس میں رہے، اور اس کے پیچھے احسان کو بھیجتے ہیں جہاں کہیں وہ جائے۔ دیکھئے کسی سابقہ پڑوسی کے پیچھے پیچھے جہاں کہیں جائے احسانات اور نوازشوں کا بھیجتے رہنا عقلاً تو ممکن ہے، مگر عادتاً غیر ممکن ہے؛ کیوں کہ آدمی جب دور ہو جاتا ہے تو عام طور پر احسان و نوازش کا معاملہ ختم ہو جایا کرتا ہے۔
① آیت اولیٰ: قریب ہے کہ زیتون کا تیل خود ہی روشنی دے گا، چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔ دیکھئے بدون آگ دکھلائے زیتون کے تیل کا روشن ہونا عقلاً و عادتاً متمنع ہے؛ لیکن لفظ ﴿يَكَادُ﴾ نے فائدہ دیا کہ یہ روشن کرنا پایا نہیں گیا؛ لیکن روشن ہونے کے قریب کر دیا ہے۔

آیت ثانیہ: غرض اُوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔ کافر دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو اپنے زعم و عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے؛ حالاں کہ کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردوں کی مثال ایسی ہے کہ: دوپہر کے وقت سخت پیاس کی حالت میں دور سے پانی دکھائی دے، پیاس شدت تشنگی سے بے تاب ہو کر وہاں پہنچا، دیکھا پانی وانی کچھ بھی نہیں، وہ صرف چمکتی ریت تھی؛ ہاں! ہلاکت کی گھڑی سامنے تھی، اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لیے وہاں موجود تھے۔

دوسرے وہ کفار ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیروں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں، ان کی مثال یہاں بیان فرمائی کہ: ان (کافروں کے اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ: سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، اور اُس کے اوپر بادل؛ غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے، اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ نہ پائے۔ یعنی: اُن کے پاس روشنی کی اتنی چمک بھی نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیروں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں، کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ من ذلك (نوائد) بزیادہ

جملوں میں بیان کرے جو جملے وزن میں باہم مساوی ہوں، جیسے: ﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿﴾^① [الشعراء: ۷۸-۸۱] (الزيادة)

⑥ **تَجْرِيد:** متکلم کسی موصوف کی صفت سے اسی جیسی ایک دوسری صفت نکال کر مبالغۃً یہ باور کرائے کہ: اس موصوف حقیقی میں ایک دوسرا موصوف (صفت اول) اور بھی ہے جو دوسری صفت سے متصف ہے، جیسے: ﴿ذَلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ الثَّارُ، لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾^② [حُم السجدة: ۲۸]۔

ملحوظہ: بیان تجرید کے لیے متزع منہ پر تین حروف داخل کیے جاتے ہیں: ① حرف: فی، جیسے آیت بالا میں ہے؛ نیز: لَكَ فِي دَارِكَ دَارُ كَرَامَةٍ؛ ② حرف: بَاء، جیسے: لَئِنْ سَأَلْتَ فَلَانًا لَتَسْأَلَنَّ بِهِ الْبَحْرُ؛ ③ حرف: مِنْ، جیسے: لِي مِنْ فَلَانٍ صَدِيقٌ حَمِيمٌ۔ (علم البدیع)

④ **إِيهَام وَتَوْجِيه:** دو متضاد مفہوم (مثلاً: مدح و ہجاء، ذم و ثناء) کا احتمال رکھنے والا کلام کرنا، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا: "رَاعِنَا"؛ وَقُولُوا: انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾^③۔ [البقرة: ۱۷۴]

① ترجمہ: میرے لیے تو یہ سب دشمن ہیں؛ سوائے ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔

② یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی جو آگ کی صورت میں ہوگی، اُسی میں اُن کا ”دائمی ٹھکانا“ ہوگا، جو اس بات کا بدلہ ہوگا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ دیکھئے! آیت کا مطلب یہ نہیں کہ: جہنم میں ایک دار الخلد ہے اور دوسرا غیر دار الخلد؛ بلکہ جہنم ہی خود دار الخلد ہے، اس کی ایک صفت عذاب ہے، اور عذاب کی ایک صفت دار الخلد ہے۔ یہاں جہنم (موصوف) ہی دار الخلد ہے؛ لیکن عذاب جہنم (صفت) کی شدت اور اس کی ہولناکی میں مبالغہ و کمال بیان کرنے کے لیے عذاب جہنم (صفت) سے متصف ایک دوسرا دار نکالا گیا، اس کو دار الخلد کا نام دیا، اور بتایا کہ: جہنم کا عذاب اس قدر خوف ناک ہے کہ اس عذاب سے ایک دوسری جہنم (دار الخلد) بھی نکالی جاسکتی ہے۔

③ ترجمہ: ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر) ”رَاعِنَا“ نہ کہا کرو، اور ”انْظُرْنَا“ کہہ دیا کرو، اور سنا کرو۔ یہود حضرت کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے، اور بعضے جو اچھی طرح بات سن سکتے وہ کہتے تھے: ۛ

⑧ **اِسْتِثْبَاءٌ:** کسی شئی کی تعریف اس انداز سے کرنا کہ اس سے دوسری چیز کی تعریف بھی

ہو جائے، جیسے: ﴿فِيهِ رَجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝﴾ [التوبة: ۱۰۸]

⑨ **اِذْمَاجٌ:** متکلم ایک مقصد کو بیان کرتے ہوئے دوسرے مقصد کو بھی ساتھ سمیٹ لے

اس طور پر کہ کلام سے ان دو مقصدوں میں سے صرف ایک ہی مقصد ظاہر ہوتا ہو، جیسے: ﴿لَهُ

الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ﴾ [القصص: ۷۰]؛ ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَلَئِنَّهُ

هَيْنًا مَرِيئًا﴾ [نساء: ۴]

⑩ ﴿رَاعَيْنَا﴾ یعنی ہماری رعایت کرو! یہ کلمہ سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ لہذا مؤمنین کو یہ کلمہ بولنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ: حضرت کی بات کو دھیان اور توجہ سے سنیں اور اگر کہنا ہے تو ”انظرنا“ کہیں؛ کیوں کہ یہود اس لفظ کو بدعتی سے زبان دبا کر ”رَاعَيْنَا“ یعنی: ہمارا چرواہا کہتے تھے؛ نیز یہود کی زبان میں ﴿رَاعَيْنَا﴾ احمق کو بھی کہتے ہیں۔ (علم البدیع)

⑪ قُبَا میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی: آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قُبَا)؛ اُس کے نمازی گناہوں، شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں؛ اسی لیے خدائے پاک اُن کو محبوب رکھتا ہے۔ دیکھئے! آیت میں مطہرین کی تعریف کے ضمن میں طہارت کی تعریف بھی ہو گئی۔

⑫ آیت اولیٰ: تعریف اُسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دیکھئے! یہ مضمون بیان کرنا مقصود ہے کہ: قابل ستائش صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ مقصد ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ سے حاصل ہو گیا؛ لیکن اس معنی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ﴿فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ﴾ کا لفظ بڑھا کر امورِ آخرت (حشر و نشر اور جزا و سزا) کی طرف بھی اشارہ فرمالیا۔ (الزیادة والا حسان)۔ آیت ثانیہ: اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں (یعنی: مُعَاف کر دے) تو اُسے مزید ار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ! دیکھیے: یہاں ”عَفَوْنَ“ کے بجائے ﴿طِبْنَ﴾ کا لفظ استعمال فرما کر یہ بھی اشارہ کر لیا کہ: اگر عورت کسی دباؤ میں آکر مہر کو مُعَاف کرے تو یہ معافی صحیح نہیں۔

اور اذماج کی مثال: جیسے شاعر کا قول:

أَقْلَبُ فِيهِ أَجْفَانِي كَأَنِّي أَعُدُّ بِهِ عَلَى الدَّهْرِ الدُّنُوبَا

میں اس رات میں اپنی پلکوں کو اس قدر کثرت سے پلٹاتا تھا کہ گویا اس کے ذریعہ زمانے کے گناہوں کو شمار کر رہا ہوں۔ اس میں شاعر اصالۃً تو تکالیف سے بھری رات کی درازی کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ: کب یہ رات گزرے اور میں مصیبت سے رہا ہوں؛ مگر اس مقصد کو بیان کرنے کے ضمن میں اس نے یہ بات بھی شامل کر دی، کہ: اہل زمانہ کے گناہ اور مظالم کی تعداد اس قدر بے حساب ہے کہ میں انہیں پلک کو چپکا کر شمار کر رہا تھا تو بھی وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ملفوظ: ادا ماج اور استنباع کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ: استنباع خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ خاص ہے جب کہ ادا ماج تعریف اور غیر تعریف سب میں عام ہے۔ (علم البدیع)

⑩ **تَاكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يَشْبَهُ الذَّمَّ:** یہ ہے کہ مدح کو ایسے الفاظ مدحیہ سے مؤکد کرنا جو ذم کے مشابہ ہوں؛ یعنی ذم کی صورت میں مدح کرنا؛ اس کی دو صورتیں ہیں: صورت اولیٰ: کسی صفتِ مدح کو نفی کی ہوئی صفتِ ذم سے مستثنیٰ کرنا اس تقدیر پر کہ: استثناء کی ہوئی صفتِ مدح اس منفی صفتِ ذم میں پہلے سے داخل تھی پھر اس سے نکالی گئی، جیسے: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۖ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾^① [الواقعة: ۴۵-۴۶]۔

صورت ثانیہ: کسی چیز کے لیے ایک صفتِ مدح کو ثابت کرنا، پھر اس صفت کے بعد ادات استثناء یا ادات استدراک کے بعد متصلاً دوسری صفتِ مدح لانا، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: ”أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ، بَيِّنَةٌ أَنِّي مِنْ قُرَيْشٍ“^②۔

⑪ **تَاكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يَشْبَهُ الْمَدْحَ:** یہ ہے کہ صفتِ ذم کو ایسے الفاظِ مذمت سے مؤکد اور پختہ کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں؛ یعنی: مدح کی صورت میں بُرائی کرنا؛ اس کی بھی دو

① ترجمہ: وہ (جنتی لوگ) اُس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات، ہاں! جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی (جو کہ لغو و تائیم کی ضد ہے) آوازیں آئیں گی۔ یہاں اِلَّا سے قبل صفتِ ذم (سَمَاعُ لَغْوٍ وَ تَأْثِيمٍ) کی نفی ہے، پھر اِلَّا کے بعد (مقامِ ذم میں) سلام (صفتِ مدح) کا اثبات فرمایا؛ حالاں کہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ دونوں ہی صفتِ مدح ہیں؛ دیکھئے! عموماً صفتِ ذم کی نفی کے بعد صفتِ ذم کا استثناء کیا جاتا ہے؛ چنانچہ یہ ذم کی صورت میں مدح کرنا ہے؛ جو کہ لغو و تائیم کے جنت میں نہ ہونے کو مؤکد بیان کرتا ہے۔

② آپ ﷺ نے اولاً اپنے لیے ایک صفتِ مدح (فصح ترین ہونا) کو ثابت فرمایا، پھر اس کے بعد بَيِّنَةٌ ادات استثناء کو ذکر فرمایا جس سے یہ اشارہ ہو رہا تھا کہ: اب برائی بیان ہوگی؛ لیکن آپ ﷺ نے بعد میں فرمایا کہ: ہاں! میں قریش سے بھی تعلق رکھتا ہوں، یعنی: میں خود اَفْصَحُ ہوں اور اَفْصَحُ الْعَرَبِ (قریش) سے میرا تعلق بھی ہے؛ گویا آپ ﷺ نے اپنے فصیح و بلیغ ہونے کو ایسے الفاظِ مدحیہ سے پختہ کیا جو واقعی ایک فصیح و بلیغ کی شان ہوتی ہے؛ کیوں ایک صفتِ مدح کے بعد استثناء کرنا، آنے والی صفت کے صفتِ ذم ہونے کی طرف مشیر ہوتا ہے۔ (علم البدیع) بزیرادۃ

صورتیں ہیں:

صورتِ اولی: کسی صفتِ مدح منفی سے صفتِ ذم کو مستثنیٰ کرنا، اس تقدیر پر کہ: استثناء کی ہوئی صفتِ ذم، اُس منفی صفتِ مدح میں پہلے سے داخل تھی، جیسے: ﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسْلِينَ﴾^① [الحاقة: ۳۵-۳۶]۔

صورتِ ثانیہ: یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے ایک صفتِ ذم کو ثابت کرنا، پھر اس صفت کے بعد اداتِ استثناء یا اداتِ استدراک لایا جائے جس سے متصل ایک اور صفتِ ذم لانا، جیسے: يَا رَسُولًا أَعْدَاؤُهُ أَرَادُوا أَنْ يَرَاكَ فِي الْجَحِيمِ^②۔

⑫ **الْمَرْءُ يُرَادُ بِهِ الْجَدُّ:** کسی چیز کو ہنسی مذاق، دل لگی یا چٹکی لیتے ہوئے ذکر کرنا

اور مقصد حقیقت و واقعیت بتلانا ہو، جیسے شاعر کا شعر:

إِذَا مَا تَمِيمِي أَتَاكَ مُفَاخِرًا ﴿١٠﴾ فَقُلْ عُدْ عَنْ ذَا! كَيْفَ أَكُلُّكَ لِلضَّبِّ^③

① ترجمہ: لہذا آج یہاں نہ اُس کا کوئی یار و مددگار ہے، اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے سوائے غسلیں کے۔ جہنمیوں کا آخرت میں نہ کوئی حمایتی دوست ہوگا اور نہ ہی کچھ کھانا ملے گا سوائے زخمیوں کے دھوون کے۔ یہاں اِلا سے قبل صفتِ ذم (صدیق و حمیم کا نہ ہونا) کو ذکر کیا اور اِلا کے بعد بھی صفتِ ذم (خبیث کھانے کے پائے جانے) کا اثبات کیا؛ حالاں کہ صفتِ ذم کے استثناء کے بعد صفتِ مدح کو ذکر کیا جاتا ہے؛ جب کہ یہاں یہ دونوں صفتِ ذم ہیں۔ (علم البدیع)

② دیکھئے! یہاں شاعر نے دشمنانِ رسول کی بُرائی اراذلِ الناس کہہ کر بیان کی ہے، پھر اداتِ استدراک لا کر۔ جو مقامِ مدح ہوا کرتا ہے۔ مزید بُرائی بیان کی کہ: وہ جہنمی ہیں۔

③ کوئی تمیمی اگر اپنی خوبیوں پر ناز کرے تو اس کو کہہ دے کہ: تو فخر کرنا چھوڑ! پہلے مجھے یہ بتا کہ: تم لوگ گوہ کیسے کھا جاتے ہو! دیکھیے اشرافِ عرب گوہ کھانے کو ناپسند کرتے تھے، اس جگہ مذاق کرتے ہوئے تمیمیوں حقیقت بھی کھولی ہے۔

فصل سابع: متعلق بہ حسنِ کلام

① **فَرَائِد:** کلام میں ایسا لفظ ذکر کرنا جو بیش قیمت ہار کے موتیوں میں سے بے نظیر موتی کی طرح ہو؛ یعنی: اگر کلام سے اس لفظ کو ہٹا دیا جائے تو اس کی خانہ پُری فصحاء و بلغاء کے لیے مشکل ہو جائے، جیسے: ﴿قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ: اَلْتَنَّ حَصْحَصَ الْحَقِّ﴾ [یوسف: ۵۱]؛ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلَى نِسَائِكُمْ﴾ [البقرة: ۱۸۷]؛ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ① [آل عمران: ۱۶۱]۔

② **نَزَاهَت:** ہجو اور عیب گیری کے موقع پر ایسے پُر وقار الفاظ ذکر کرنا جو باوقار لوگوں کی سمع خراشی اور لطیف طبیعت کو متنفر کرنے سے پاک ہوں؛ قرآن مجید میں جہاں عیب گیری کا موقع آیا ہے وہاں نزاحت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے: ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰى،

① آیت اولیٰ: عزیز کی بیوی نے کہا کہ: ”اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ دیکھئے! حصص کے معنی ہے حق و باطل کا پوشیدگی کے بعد حصہ حصہ (ممتاز) ہو کر اس طرح عیاں ہو جانا کہ حق واضح ہو کر سامنے آجائے کہ اس کا انکار نہ کیا جاسکے اور جھوٹ و باطل بے حقیقت ہو کر رہ جائے، دیکھئے! یہاں سے اگر ﴿حَصْحَصَ﴾ ہٹا دیا جائے تو اس کی خانہ پوری مشکل ہو جائے؛ آیت ثانیہ: ترجمہ: تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ دیکھیے: اس مثال میں ﴿الرفث﴾ ہے، زجاج کہتے ہیں کہ: رفث ایسا جامع کلمہ ہے جو ہر ایسے قول و فعل پر مشتمل ہے جو میاں اپنی بیوی سے چاہتا ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

آیت ثالثہ: اگر تمہیں (جنگ اُحد میں) ایک زخم لگے ہے تو اُن لوگوں کو بھی (جنگ بدر میں) اسی جیسا زخم لگ چکا ہے، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں؛ اور مقصد یہ تھا کہ: ...، اور مقصد یہ بھی تھا کہ: ”اللہ پاک ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے، اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے“۔ دیکھیے: (مَحْصَص) کے معنی: کسی (قیمتی) چیز کو اس میں موجود عیوب سے ایسا پاک صاف کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کھوٹ باقی نہ رہے، کہا جاتا ہے: مَحْصَصَ الدَّهَبَ بِالثَّارِ، سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا؛ گویا ایمان والوں کو میل کچیل سے پاک صاف کرنے کو تشبیہ دی ہے سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا۔ اسی طرح (مَحَقِّ) کے معنی: بے برکت کرنا، بے اثر و بے نتیجہ بنانا، تباہ و برباد کرنا، اسی سے اُلْحَاق ہے، یعنی: چاند کی روشنی میں کمی، چاند پورا ہو جانے کی راتوں کے بعد اس میں آنے والی کمی، بے نوری اور نقص؛ یعنی: اللہ پاک کافروں کو مختلف مواقع دے کر آہستہ آہستہ انہیں مکمل پھسلنے پھولنے کا موقع دیں گے پھر انہیں ایسا تباہ و برباد کریں گے کہ: نام و نشان مٹ جائے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكِّي، أَوْ يَدْكَرُ فَنَنْفَعَهُ الذِّكْرَى ﴿[عبس]﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿[النور: ۴۸]﴾ اس کے بعد آگے فرمایا: ﴿أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ، أَمْ ارْتَابُوا، أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَخِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ، بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿[النور: ۵۰]﴾

ملفوظ: ابو عمر بن العلاء سے پوچھا گیا: بہترین عیب گیری کون سی ہے؟ جواب دیا کہ: تو کسی پردہ نشین شرمیلی لڑکی پر ایسی عبارت سے گرفت کرے جو اسے ناگوار نہ ہو۔ (الزیادة)

③ **اِقْتِدَار:** قادر الکلام متکلم ایک ہی مضمون کو مختلف جگہوں میں الگ الگ اسالیب (استعارہ، مجاز، کنایہ، ایجاز، اطناب وغیرہ) میں بیان کرے؛ یہ اسلوب قرآن مجید کے ذکر کردہ تمام واقعات میں ہے کہ ایک ہی معنی بیان کرنے والی چند آیتیں مختلف صورتوں اور الگ الگ سانچوں میں ایسی ڈھالی گئی ہیں کہ ہر دو آیتیں صورتاً مختلف ہیں، جیسے: ﴿وَفَعَلْتَ فَعَلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [الشعراء: ۱۹]؛ ﴿وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى، إِذْ

① آیت اولی: (پیغمبر ﷺ نے) منہ بنایا، اور رُخ پھیر لیا، اس لیے کہ ان کے پاس وہ نابینا آگیا ہتھ؛ اور (اے پیغمبر!) تمہیں کیا خبر؟ وہ سدھر جاتا!، یعنی: پیغمبر ﷺ کو اندھے کی معذوری، شکستہ حالی اور طلبِ صادق کا لحاظ کرنا چاہیے تھا۔ محققین کہتے ہیں کہ: یہ متکلم کا غایتِ تکرّم و استحياء ہے، اور مخاطب کی غایتِ کرامت ہے کہ عتاب کے وقت بھی رُودر و اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی، اور آگے خطاب کا صیغہ بطور التفات کے اس لیے اختیار فرمایا تاکہ اعراض کا شبہ نہ ہو، نیز وہ مضمون پہلے سے ہلکا ہے۔ (نوائد عثمانی)

اللہ اکبر! موضعِ عتاب میں بھی کیا اسلوب ہے! حضرت ﷺ انتہائی درجہ شرمیلے تھے؛ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ: آپ ﷺ پردہ نشین باکرہ لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے؛ اب اگر عتاب کے وقت بھی حضرت کی طرف نسبت فرماتے تو شاید حضرت بھی غایتِ استحياء من اللہ کی وجہ سے اس عتاب کی تاب نہ لاتے!۔ محمد الیاس

آیت ثانیہ: اور جب اُن منافقین کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ پھیر لیتے ہیں، اور جب خود انہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرما بردار بن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آتے ہیں؛ کیا ان کے دلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ دیکھیے: یہاں منافقین کی گرفت فرماتے ہوئے کیسا اسلوب اختیار فرمایا ہے! (الزیادة والاحسان)

أَوْحَيْنَا...، إِذْ تَمْشِي أَخْتُكَ...، ”وَقَتَلْتَ نَفْسًا“ فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ﴿١﴾ [طہ: ۷۰]

ملفوظ: اس کی مثال کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون پر مشتمل آیات کو ”ایجاز، اطناب اور مساوات“ کے ضمن میں ص: ۲۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

④ **إِتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ الْمَعْنَى:** الفاظ کا معنی مرادی کے موافق (جیسے معانی ایسے الفاظ) ہونا؛ پس فخر و شجاعت کے لیے مستحکم الفاظ اور پُر شوکت عبارت منتخب کرنا؛ مدح و اظہارِ محبت کے لیے شیریں کلمات لچکدار عبارت لانا؛ اسی طرح انوکھے معنی کے لیے نامانوس الفاظ اور مانوس معنی کے لیے مانوس الفاظ ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ﴿۱﴾﴾ [القمر: ۷۲]؛ ﴿وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا﴾ [فاطر: ۳۷]؛ ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا: لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ! أَعَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ﴾ ﴿۲﴾ [حم السجدة: ۷۷]۔

① آیت اولیٰ: فرعون نے کہا: جو کرتوت (قبلی کا قتل) تو کر کے تو بھاگا تھا اُسے ہم نہیں بھولے!۔ آیت ثانیہ: اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احسان جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم تو پہلے ایک مرتبہ بھاری احسان (بنوت دے کر) کر چکے ہیں، اور اب دعوت و تبلیغ کے کام میں دوسرے معین و مددگار کے سوال کے متعلق جو مانگا وہ بھی دے دیا...، اور تم پر یہ بھی احسان کیا تھا کہ: جب تم نے اپنے ہاتھ سے ایک قبلی کو مار ڈالا تھا، آپ اس ڈر سے کہ: دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی مانوڑ ہوں گا؛ ہم نے دونوں پریشانیوں سے نجات دے دی، اُخروی پریشانی سے تو اس طرح کہ تو بہ قبول کردی، اور دنیوی سے اس طرح کہ: آپ کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔

دیکھیے: یہاں احسان جتاتے ہوئے تو حضرت موسیٰ کی طرف قتل کی نسبت فرمائی ہے؛ لیکن موسیٰ و فرعون کے درمیان کے مراجعہ (آپسی گفتگو) کے موقع پر باری تعالیٰ نے قتل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ (الزیادة والاحسان) بزیاۃ المثال

② آیت اولیٰ: انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلادیا تھا، اس لیے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ دیکھیے: اس مثال میں: قادر بمعنی صاحب قدرت سے زیادہ بلیغ لفظ مقتدر یعنی ”قابو پانے والا“ ہے؛ کیوں کہ مقتدر کے معنی: وہ ایسا قابو پانے والا ہے جس کے سامنے ساری کائنات بے بس ہے۔

آیت ثانیہ: اور وہ اُس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تا کہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے انہیں چھوڑ کر نیک عمل کریں“۔ دیکھیے: جہنمی لوگ جہنم میں زور زور سے چلائیں گے؛ صَرَخَ (ن) سے صُراخًا، فریاد کرنا اور اصطرخ (افتعال) سے غیر متعاد (زور زور سے) چیخنا چلانا۔ دیکھئے! ان کا چلانا غیر متعاد ہوگا اس تعبیر کے لیے ﴿يَصْطَرِحُونَ﴾ کا استعمال بلیغ ہے۔ (الزیادة)

⑤ **اِنْجَام:** یہ ہے کہ متکلم کا کلام خوش گوار الفاظ اور ہموار ترکیب (عدم تعقید) کی بناء پر ڈھلان کی طرف بہنے والے پانی کی طرح آسانی کے ساتھ زبان پر رواں ہو جائے؛ پورا قرآن مجید ایسا ہی ہے ①۔ (الزیادة والاحسان)

⑥ **تَهْذِيب:** وہ زبان سے آسانی ادا ہونے والا مرتب نغمہ دار کلام ہے جو قاری کے حلق میں مزیدار معلوم ہو اور سامع کو ایسا لطیف اور خوشگوار معلوم ہو کہ غافل بھی کان لگا کر سننے لگے اور فہم سامع سے ایسا قریب ہو کہ: تدبر و تفکر کرنے والا اس کے معنی کو عقل میں مستحضر کر لے؛ پورا قرآن مجید تہذیب میں اپنی نظیر آپ ہے اس کی مثال ”ابداع“ میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (الزیادة)

④ **اِزْدَاف:** متکلم ایک معنی کو ادا کرنے کے لیے اس کے موضوع لفظ کے ردیف اور تابع لفظ کو ذکر کرے، جیسے: ﴿وَلَا هُمْ مِنَّا لَا يُصْحَبُونَ﴾ ② [الأنبياء: ۴۳]، اُنّی: لَا يُنْصَرُونَ۔

• آیتِ ثالثہ: اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے: ”اس کی آیتیں کیوں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ: قرآن عجی (عیر فصیح وغیر واضح کتاب) ہے، اور پیغمبر عربی؟“؛ دیکھیے: باری تعالیٰ نے ان کے اس وہابی و باطل اعتراض کہ: العیاذ باللہ ”قرآن عجی زبان میں ہونا چاہیے تھا“ کو ﴿أَعْجَمِيًّا - أَعْجَمِي﴾ کے ایسے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اس کا پڑھنا اہل عرب کے یہاں کسی حد تک دشوار ثابت ہوا؛ اسی وجہ سے تو تسہیل کی ضرورت پیش آئی۔ منہ

① جس کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے، اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے؛ پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی (سُر اور راگ کا فطرتِ انسانی سے قریب ہونا) کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے۔ جس کا نفس منتظر تھا۔ تو اس وقت لذت دوگنا ہو جاتی ہے، اور جب فواصل میں دونوں فقرے مشترک ہو جاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوق سے موزون و مقفیٰ کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ (الفوز الکبیر)

② ترجمہ: بھلا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو اُن کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اُن کا ساتھ دے سکتا ہے!۔ دیکھیے: اجتماع و صحبت یعنی: ساتھ دیے بغیر نصرت کا تصور ممکن ہی نہیں! لہذا (لَا يُنْصَرُونَ) کے بدلے اسی معنی کو مبالغہ ادا کرنے والے ردیف لفظ ﴿لَا يُصْحَبُونَ﴾ کو ذکر فرما کر نصرت کے ساتھ صحبت کی بھی نفی فرمائی۔

⑧ **إِنْدَاع:** متکلم کا کلام، بدلیج کی چند مختلف ضربوں پر مشتمل ہو؛ قرآن کریم میں یہ صنعت کمال درجہ ہے، جیسے: ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَابْتَلِعِي، وَغِيضَ الْمَاءِ، وَقُضِيَ الْأَمْرُ، وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ: بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ① [ہود: ۷۴]؛

① ترجمہ: اور پروردگار عالم کا حکم آیا کہ: ”اے زمین اپنا پانی نگل جا! اور اے آسمان! تھم جا؛ اور پانی اتر گیا (سکھایا گیا)، سارا قصہ چکا دیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر آٹھری، اور کہہ دیا گیا کہ: ”بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو!“۔ یعنی: ایک مدت تک پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ پڑے، درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں، اصحابِ سفینہ کے سوا تمام لوگ غرق ہو گئے۔ اس وقت خداوندِ قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ: اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا: تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں امثالِ حکم میں ایک لمحہ کی تاخیر کرتے؛ چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی جودی پہاڑ پر جا لگی اور جو خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا۔ ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا: خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لیے مصیبت و ہلاکت کی غار میں پڑے رہو! (نوائد)

آیت مذکورہ مندرجہ ذیل فنونِ بدیعیہ کو مشتمل ہے:

① ﴿أَبْلَعِي، أَقْلَعِي﴾ کے درمیان مناسبتِ تامہ؛ کیوں کہ دونوں جملوں کے توسط بین الکمالین کی وجہ سے صنعتِ وصل ہے۔ تفصیل علم المعانی، ”وصل و فصل“ میں ملاحظہ ہو۔

② ان دونوں میں استعارہ ہے، یعنی: آسمان و زمین کو جاندار سے تشبیہ دی ہے، اور قرینہ آسمان و زمین کو ﴿أَبْلَعِي، أَقْلَعِي﴾ کا حکم دینا ہے۔

③ ﴿أَرْضُ، سَمَاءُ﴾ کے درمیان طباق ہے۔

④ ﴿يُسَمِّئُ﴾ میں مجاز ہے؛ کیوں کہ حقیقت ”یا مطر السماء“ ہے، یعنی: آسمان خود نہیں برساتا تھا؛ بلکہ اس سے بارش برستی تھی، یہاں آسمان سے نازل ہونے والی بارش کو حکم ہے۔

⑤ ﴿غِيضَ الْمَاءِ﴾ میں اشارہ ہے، یعنی: لفظِ قلیل معانی کثیرہ کی طرف مشیر ہو؛ یہاں پانی کے سوکھنے سے سرسری طور پر ذہن دو چیزوں کی طرف جاتا ہے، یعنی: زمین کا پانی نگلنا اور آسمان کا تھم جانا۔

⑥ ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ میں اِرداف ہے؛ یہاں پانی کے سکھ جانے کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ: ”کشتی رُک گئی“؛ دیکھیے: کشتی یہ پانی نہ ہونے پر ہی رُکتی؛ ورنہ چلتی رہتی ہے؛ گویا ﴿غَاظَ الْمَاءُ﴾ ”پانی سکھ گیا“ کے لیے اس کا ردیف لفظ ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ ”کشتی رُک گئی“ سے تعبیر فرمائی۔

⑦ ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ میں تمثیل ہے، تمثیل کہتے ہیں: متکلم ایک معنی ادا کرنے کے لیے نہ اس کا موضوع لفظ لائے نہ اس کا ردیف و تابع لفظ لائے؛ بلکہ ردیف سے بھی دور ایک ایسا لفظ لائے جو معنی مذکور کے لیے موضوع لفظ کی مثال بن سکے؛ گویا آسمان کے تھمنے اور پانی کے سکھنے کو تمثیلی پیرایے میں تعبیر فرما کر بتایا کہ: قومِ نوح کا سارا قصہ چکا دیا گیا۔

⑧ تعلیل ہے؛ کیوں کہ پانی کا سکھنا استواء کی علت ہے۔

اس آیات میں سترہ الفاظ ہیں اور بدلیج کی بیس ضربوں پر مشتمل ہے۔



۹) تقسیم ہے؛ یعنی پانی کم ہونے کی تینوں قسموں کو گھیر لیا ہے: آسمان کا تھنسا، زمین کا پانی نلگنا اور باقی پانی کا دھوپ سے سُکھ جانا۔

۱۰) ﴿بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ میں ﴿الظَّالِمِينَ﴾ میں احترا س ہے؛ تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ غرق کرنا ظالمین وغیرہ ظالمین سب کے لیے تھا؛ حالاں کہ ایسی بات نہ تھی۔

۱۱) انجام ہے یعنی: آیت کریمہ سلاست سے ادا ہو رہی ہے، جیسے جاری پانی بہتا ہو۔
۱۲) حسنِ نسق ہے، یعنی: متکلم کسی قصہ یا مضمون کو بیان کرنے کے لیے چند ایسے جملے بذریعہ حرفِ عطف (واو) ذکر کرے جو جملے آپس میں متناسب اور جوڑ رکھے ہوئے ہوں اور ترتیبِ واقعی کے مطابق ہوں۔

۱۳) ایجاز ہے؛ کیوں کہ اس میں امر ہے تو نہی (اے آسمان پانی مت برسا) بھی ہے؛ خبر ہے تو ندا (انشاء) بھی ہے؛ اہلاک ہے تو ابقاء بھی ہے؛ سعادت مند بنانا ہے تو شقی و بد بخت بنانا بھی ہے۔

۱۴) اختلاف اللفظ مع المعنی (جیسا معنی ویسا لفظ) ہے۔
۱۵) تسہیم ہے، یعنی اولِ آیت آخرِ آیت پر دلالت کرتی ہے۔

۱۶) تہذیب ہے، یعنی: اس کے مفردات خوبصورت ہیں؛ کیوں کہ مفردات کا ہر ہر لفظ سہل الخارج کے قبیل سے ہے؛ نیز یہ کہ فصاحت بھی ہے کہ: آیت میں نہ تنافر ہے نہ ہی تعقید۔

۱۷) حسنِ بیان ہے؛ کیوں کہ سامع کو آیت کے معانی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔
۱۸) ﴿وَعِیْضُ الْمَاءِ﴾ میں اعتراض (جملہ معترضہ) ہے؛ گویا آسمان کے تھمنے اور زمین کے پانی نلگنے کے بعد کچھ بھی نہ رہا؛ بلکہ وہ بھی سُکھ گیا۔

۱۹) کنایہ ہے؛ کیوں کہ آیت میں ذکر کردہ فاعلیں کی تصریح نہیں ہے کہ: مَنْ أَغَاصَ الْمَاءَ؟ مَنْ قَضَى الْأَمْرَ، مَنْ قَالَ: (قَبِلَ يَارِضُ)۔

۲۰) تعریض ہے کہ: رسولوں کی تکذیب کرنا ظلم ہے؛ کیوں کہ طوفان اور یہ ہولناک منظر اسی کا نتیجہ تھا۔
۲۱) ابداع ہے، یعنی: مختلف فنونِ بدیعیہ کو سمیٹ لیں۔ (جواہر، الزیادۃ) ہذا کلام ربی، ہذا کلام ربی، ہذا کلام ربی؛ رضینا باللہ ربنا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن کتابا۔

فصل ثامن: در تحسین مضمون

① **حُسْنِ نَسْقٍ**: متکلم یکے بعد دیگرے ایسے جملوں کو ذکر کرے جو مرتب ہوں، معنوی طور پر ایسے متحد ہوں کہ ہر جملہ بذاتِ خود مضمون کو ادا کر دیتا ہو اور عہدگی کے ساتھ حرفِ عطف کے ذریعے جڑے ہوئے ہوں، جیسے: ﴿وَقِيلَ: يَا رِضْ اَبْلَعِي مَاءَكَ، وَلِسْمَاءَ اَقْلَعِي، وَغِيْضَ الْمَاءِ، وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾^① [ہود: ۷۷]۔

② **عطفِ مفردات**: مفردات میں آپس کا تناسب ہو تو وصل یعنی عطف کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الأنعام: ۱۶۴]؛ ﴿كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾^② [البقرة: ۲۸۵]۔

ملحوظہ: مفردات کے درمیان عطف کے موقع پر معطوف، معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقدیم ماحقہ، تقدیم، تاخیر ماحقہ، تاخیر) کی رعایت ضروری ہے؛ اسی بنا پر عطفِ مفردات کے موقع پر تقدیم و تاخیر سے بہت سے دقائق و لطائف کا علم ہوتا ہے، مثلاً:

① مؤخر کی شرافت کی طرف اشارہ کرنا، جیسے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا "إِيَّاهُ"، وَبِ"الْوَالِدَيْنِ" إِحْسَانًا﴾^③ [الإسراء: ۲۳]۔

① ترجمہ: اور حکم ہوا کہ: ”اے زمین! اپنا پانی نکل لے، اور اے آسمان! تھم جا“ چنانچہ پانی اتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا۔ دیکھئے! زمین سے پانی کو کم کرنا اہلِ سفینہ کا مقصد تھا، اس مقصد کے پورا ہونے کو بیان کرنے کے لیے چار جملوں کو مرتب بہ ترتیب وقوعی حرفِ عطف کے ذریعے ایسا ذکر فرمایا ہے کہ ہر جملہ اصحابِ سفینہ کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ (الزیادة والاحسان)

② آیت اولیٰ: کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا؛ سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آیت ثانیہ: یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

③ ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ آیت میں والدین کا عطف ذاتِ باری سبحانہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر پر کرنے سے والدین کی خدمت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

② مقدم کی تعظیم و تشریف کی طرف اشارہ کرنا، جیسے: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾^① [النساء: ۶۹]۔

③ تقدّم زمّنی کی طرف اشارہ کرنا، نہ کہ تقدّم رُتبی کی طرف، جیسے: ﴿وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ﴾^② [التوبة: ۱۱۱]۔

اسی طرح کبھی مفردات کی ترتیب میں تَدَلّیّی من الأعلیٰ الی الأدنى یا تَرَقّیّی من الأدنى الی الأعلیٰ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾^③ [الحجرات: ۷] میں تَدَلّیّی من الأعلیٰ الی الأدنى ہے۔ ایسے مواقع پر اور بہت سارے دقائق و اسرار کا استخراج ہو سکتا ہے۔ (علم المعانی) بزیادہ

③ **إِزْسَالُ الْمَثَلِ:** (کلام جامع) یہ ہے کہ: ایسا کلام لایا جائے، جو بہت سی جگہوں میں مثل اور کہاوت بن سکے، جیسے: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ﴾؛ فَ وَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^④ [الأعراف: ۱۱۷-۱۱۸]۔

① ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

② ترجمہ: یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے اور قرآن میں بھی۔ دیکھیے: قرآن مجید کا درجہ تورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے؛ لیکن تقدّم زمّنی کی رعایت میں تورات، انجیل اور قرآن کا مرتبہ ترتیب زمّنی تذکرہ فرمایا ہے۔

③ ترجمہ: اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے۔

④ دو جملوں کے درمیان عطف کے لیے علم بیان میں صنعت وصل و فصل ملاحظہ فرمائے۔

⑤ ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگلیں شروع کر دیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں۔ اس طرح ”حق کھل کر سامنے آ گیا! اور باطل ملبس میٹ ہو گیا۔“ یہ محض تخیل اور نظر بندی تھی، عصائے موسیٰ اُن کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنا یا کھیل ختم کر دیا، جس سے ساحروں کو تنبیہ ہوا کہ: یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے!۔

یہ کلام ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کے معنی بتلانے کے مواقع پر بطورِ کہاوت اور ضربِ المثل کے استعمال کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا، شعر:

ملحوظہ: کلام جامع: پورے بیت میں مثل لانے کو کہتے ہیں، ارسال مثل: ایک مصرعے میں مثل لانا۔ (درس البلاغۃ)

④ **اِسْتِطْرَاد:** متکلم کا ایک غرض سے۔ جس کو وہ بیان کر رہا تھا۔ دوسری غرض کی طرف نکل جانا، دونوں غرضوں کے مابین مناسبت کی وجہ سے، پھر پہلی غرض کی طرف عود کرنا، جیسے: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ - إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا - وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾^① [بنی اسرائیل: ۷۸]۔

⑤ **اِفْتِنَان:** متکلم کا اپنے کلام میں دو متنوع فنون کو جمع کرنا خواہ متضاد ہوں یا مختلف ہوں یا متفق، مثلاً: مدح و ہجو، غزل و حماس، تعزیت و تہنیت، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي

د

إِذَا جَاءَ مُوسَىٰ وَأَلْقَىٰ الْعَصَا ۖ فَقَدْ بَطَّلَ السَّحْرَ وَالسَّاحِرُ

جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام آئے اور اپنا عصا ڈالا، فوراً جادو اور جادو گردوں کا بطلان ظاہر ہو گیا۔ اسی طرح کوئی کہے: لَيْسَ التَّكْثُلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحْلِ، سرے کے ذریعہ آنکھوں کو سیاہ کرنا وہ فطری سیاہ آنکھ والے کی طرح نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے! یہ مثال حقیقی اشیاء اور مصنوعی اشیاء کے درمیان فرق بتانے کے مواقع میں کہاوت اور ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، مثلاً: ایک آدمی فطری باادب ہو، اور دوسرا بہ تکلف باادب بنا ہوا ہو، اس سے کہا جائے کہ سرمہ لگا کر آنکھیں سرگیں کرنا، اس سرگیں آنکھ کی طرح نہیں ہو سکتا، جو پیدائشی سرگیں ہو۔

ملحوظہ: ارسال مثل اور کلام جامع دونوں میں فرق یہ ہیں کہ ارسال مثل کسی شعر کا ایک جزء ہوتا ہے، جیسا کہ مثال اول میں متنبی کے شعر کا ایک جزء یعنی مصرعہ ثانیہ ہے، جو اس نے سیف الدولہ سے اس کی فطری وطبعی وصف (حلم و بردباری) کے بارے میں کہا تھا، اور قسم ثانی مکمل ایک شعر ہوتا ہے، جیسا کہ مثال ثانی سے ظاہر ہے۔

① ترجمہ: (اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو؛ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں جمع حاضر ہوتا ہے، اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔ یہاں چار نمازیں: ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ﴿لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾ میں آگئیں اور ﴿قُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ میں فجر کی نماز آگئی؛ اس کے بعد ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ﴾ سے تہجد کی نماز کا حکم ہوا؛ اور پانچ نمازوں اور نماز تہجد کے درمیان ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ سے نماز فجر کا۔ فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے مزید برکت و سکینہ کا۔ موجب ہونا بیان کیا، جس کو ﴿قُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ سے مناسبت ہے۔ (علم البدیع)

نَعِيمٌ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ ﴿١﴾ [انفطار: ۱۳].

⑥ **مُغَايَرَتُ:** یہ ہے کہ ایک شئی کی تعریف کرنے کے بعد، اس کی برائی بیان کرنا یا اس کے برعکس کرنا، جیسے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخُمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [بقرہ: ۲۱۹].

④ **مُرَاجَعَهُ:** (سوال و جواب) متکلم زمانہ ماضی میں دو کے درمیان ہوئی گفتگو یا سوال و جواب کو نہایت مختصر عبارت سے شیریں الفاظ میں ملبوس، مناسب سانچہ میں ڈھال کر تعبیر کرے، جیسے: ﴿قَالَ: "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا"، "قَالَ: وَمِنْ ذُرِّيَّتِي"، "قَالَ: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ" ۝﴾ [البقرہ: ۱۲۴]؛ ﴿وَفَعَلْتَ فَعَلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [الشعراء: ۱۹].

① ترجمہ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے، اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ یہاں دو مختلف فنون: مومنین کی مدح اور مشرکین کی ہجو، کو ایک ساتھ جمع فرمایا ہے۔

تعزیت کے مناسب مردے کے اوصاف حمیدہ ذکر کر کے رونے، رُلانے یا صبر و تسلی دینے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں، جب کہ اس کے بالمقابل تہنیت میں نعمتوں پر مسرت اور دل لگی وغیرہ جذبات ادا کرنے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ غزل بمعنی عشقیہ مضمون، اس کے لیے نرم و نازک اور محبت بڑھانے والے الفاظ ہونے چاہیے۔ حساسہ (شجاعت) پر مشتمل مضمون، اس کے لیے پر شوکت اور تیز و تند اور سخت الفاظ ہونے چاہیے، اسی پر مدح و ذم کو قیاس کر لیجئے۔

② ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں پہلے شراب پینے کے نقصانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ: اس سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور شنیعیہ (لڑائی، قتل وغیرہ) سے بچاتی ہے، اور اس سے مختلف قسم کے امراض روحانی و جسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہیں، پھر اس کی معمولی تعریف کی کہ: ہاں اس میں سرسری نفع بھی ہے، مثلاً شراب پی کر لذت و سرور ہو گیا، اور جو اکھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔ (دروس البلاغۃ القرآنیۃ)

③ ترجمہ: اللہ نے (اُن سے) کہا: ”میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں“۔ ابراہیم نے پوچھا: ”اور میری اولاد میں سے؟“ اللہ نے فرمایا: ”میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے“۔ جب ابراہیم علیہ السلام پروردگار عالم کی چند باتوں (حج کے افعال، ختنہ، حجامت اور مسواک وغیرہ) کو ارشاد الہی کے موافق بجالائے، ان سب کو پوری طرح سے ادا کیا؛ تو اللہ تعالیٰ نے بشارت سنائی ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ.....﴾ اس آیت میں تین مراجع ہیں: ① آپ کو تمام لوگوں ②

⑧ **تَنْجِیَّت:** (نکتہ آفرینی کرنا) متکلم کسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے کسی مخصوص لفظ کو ذکر کرے اور اپنی بات میں نکتہ بیان کرے؛ حالاں کہ وہاں دوسرے لفظ سے بھی تعبیر ممکن ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِیٰ ۝﴾ [النجم: ۶۹]؛ ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَلَکُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾ [نساء: ۷]؛ ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقَنَیْنِ﴾ ① [مریم: ۱۲]۔

⑨ **الْتِفَات:** کلام کو متکلم، خطاب اور غیبیوت میں سے کسی ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا، تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہو جائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے؛ اس کی چھ صورتیں ہیں:

① **الْتِفَات من التکلم الی الخطاب:** سامع کو متکلم کا کلام سننے پر ابھارنے کے لیے تکلم سے خطاب کی طرف انتقال والْتِفَات کرنا، جیسے: ﴿وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝﴾ ② [یس: ۲۰]۔

❖ کا پیشوا بنائیں گے یعنی تمام انبیاء آپ کی متابعت پر چلیں گے؛ ② حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میری اولاد میں بھی پیشوا ہوں گے؛ ③ اللہ پاک نے جواب دیا، ہاں؛ لیکن میرا قرآن ظالموں کو نہ پہنچے گا! اس جگہ ان تین مراجع کے ساتھ اس مختصر عبارت نے چند فنون کو بھی جمع کیا ہے: ① خبر واستخبار (سوال وجواب)، ② اثبات ونفی، ③ بشارت و نذارت اور ④ وعدہ و وعید، جو منطوق کلام یا مفہوم کلام سے معلوم ہوتے ہیں۔ (الزیادة)

آیت ثانیہ: اس کی وضاحت ”اقتدار“ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

① آیت اولیٰ: اور یہ کہ یہ وہی جو شعریٰ ستارے کا پروردگار ہے۔ یہاں قدرت الہی کے ضمن میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے“؛ دیکھئے! اللہ سبحانہ و تعالیٰ ”رَبُّ کُلِّ شَيْءٍ“ ہے، پھر بھی ﴿رَبُّ الشَّعْرِیٰ﴾ سے تعبیر فرمائی؛ کیوں کہ شِعْرِیٰ ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب (خزاعہ) پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ: عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں یہ بتلادیا کہ: شعریٰ کا رب بھی اللہ ہی ہے، اور دنیا کے تمام اُلٹ پھیر اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں؛ شعریٰ غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے، اس نکتے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ﴿رَبُّ الشَّعْرِیٰ﴾ فرمایا۔ (الزیادة)

آیت ثانیہ: اس سی وضاحت ”ادماج“ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔ آیت ثالثہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا عابدہ و مطیعہ تو تھیں ہی؛ لیکن عبادت و اطاعت میں کامل مردوں سے کم بھی نہیں تھیں، یہ نکتہ بیان کرنے کے لیے بحبائے ”الْقَانِنَاتِ“ ﴿الْقَانِنَاتِ﴾ فرمایا ہے۔

② ترجمہ: اور بھلا میں اس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو ❖

② التفات من التکلم إلی الغیوبت: متکلم رہے یا نہ رہے سامع سے یہ حکم مطلوب ہے یہ بتانے کے لیے تکلم سے غیوبت کی طرف انتقال و التفات کرنا، جیسے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا... فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [الأعراف: ۱۵۸]؛ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ﴾ ① [الکوثر: ۱-۲]۔

③ التفات من الخطاب إلی التکلم: خطاب سے تکلم کی طرف انتقال و التفات کرنا، جیسے: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ ② [ہود: ۹۰]۔

④ التفات من الخطاب إلی الغیبة: حکایت حال یا تعجب کے اظہار کے لیے خطاب سے غیوبت کی طرف انتقال و التفات کرنا، جیسے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرْنِ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا﴾ ③ [یونس: ۲۴]، آی: وجریں بکم۔

❧ واپس بھیجا جائے گا، یہاں تکلم ”والیہ أرجع“ کے بجائے خطاب کی طرف التفات ہے، اور یہ بتایا کہ جس ذات علی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور اسی کی طرف تمہیں بھی لوٹ کر جانا ہے، پھر ہم اس کی عبادت کیوں نہ کریں!۔ (علم المعانی)

① آیت اولی: (اے پیغمبر!) یقین جانو! ہم نے تم کو کوشر عطا کر دی ہے، لہذا تم اپنے پروردگار کی (خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو! اور قربانی کرو!۔ یہاں مخاطب میں نشاط پیدا کرنے کے لیے ایک نیا اسلوب بحبائے ”فصل لنا“ کے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ تکلم سے غیوبت کی طرف التفات فرما کر ﴿رَبِّ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا کہ رب کی ذات تیری ہی عبادت اور نماز کے لیے زیادہ حقدار ہے۔ آیت ثانیہ: (اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے۔ اس مثال میں ”فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَبِي“ کے بجائے ﴿بِرَسُولِهِ﴾ لا کر اشارہ فرمایا کہ میں رہوں یا نہ رہوں رسول کی اتباع کو لازم پکڑنا۔

② ترجمہ: (حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:) تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ: میرا رب بڑا مہربان بہت محبت کرنے والا ہے۔ یہاں مقتضائے حال کے مطابق خطاب یعنی ”إِن رَّبَّكُمْ رَحِيمٌ وَدُودٌ“ کے بجائے ﴿إِنَّ رَبِّي﴾ فرمایا ہے، اور یہ التفات رب ذوالجلال ہی کے لیے عظمت، رحمت اور اجابت کو خاص کرنا ہے جو فائدہ ”إِن رَّبَّكُمْ“ میں حاصل نہ ہو پاتا۔

③ ترجمہ: وہی اللہ ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں پھراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور یہ کشتیاں ”لوگوں“ کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات پر مگن ہوتے ہیں تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں..... یہاں التفات میں یہ نکتہ ہے کہ جب ❸

⑤ التفات من الغيبة إلى التكلم: غیبوت سے تکلم کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے:

﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثُثِرُوا سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَاهُ بِالْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾^① [فاطر: ۹].

⑥ التفات من الغيبة إلى الخطاب: غیبوت سے خطاب کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾^② [الفاتحة: ۱-۴].

⑩ تَجَاهُلُ الْعَارِفِ: تعجب، مبالغہ یا تونیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئی کی جگہ لانا، مثلاً:

① مشرکین پر ہر طرف سے موت نظر آتی ہے تو اصل فطرت انسانی کے تقاضہ کے مطابق تمام فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگتے ہیں اور یہ مقام حضور و مشاہدہ کا ہوتا ہے اس کو خطاب سے تعبیر فرمایا، پھر جب ذرا امن نصیب ہوا شرارتیں اور ملک میں ادم چانا شروع کر دیا، اور خدا سے دور ہو جاتے ہیں اسی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے غیبوت سے تعبیر فرمایا۔

① ترجمہ: اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم انہیں ہکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو (قحط سے) مردہ ہو چکا ہوتا ہے، پھر ہم اُس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہوگی۔ اس آیت میں غیبوت ﴿اللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ﴾ سے تکلم ﴿فَسُقْنَاهُ﴾، ﴿فَأَحْيَيْنَاهُ﴾ کی طرف التفات ہے، اس التفات سے ہواؤں کو چلانے اور بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے کی اہمیت اور خاص قدرت الہی کا مظاہرہ مقصود ہے۔ (علم المعانی)

② ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے، جو روز جزا کا مالک ہے۔ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اس جگہ غیبوت ﴿مَلِكٌ﴾ سے خطاب ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی طرف التفات ہے، اور اس التفات میں بلاغت یہ ہے کہ: بندے کے دل میں خشوع و خضوع اور تقرب کو پیدا کرنا ہے؛ چنانچہ باری تعالیٰ کی حمد سے ابتدا کی، پھر اللہ کی ربوبیت کی عمومیت بتائی تمام عالمین کے لیے، پھر اس کی بہت زیادہ رحمت سے متصف ہونا، اس کے بعد اس ذات کا روز جزا کا مالک ہونا بتلایا، جس سے بندہ کے دل میں باری تعالیٰ سے غایت قرب حاصل ہوا؛ چنانچہ بندہ خطاب کر رہا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ: حمد اور تعریف تو ایک انسان دوسرے محسن کی کر سکتا ہے؛ لیکن عبادت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں کی جاسکتی۔ (علم المعانی)

- ① تعجب یعنی کسی چیز کی عظمت بتانے کے لیے، جیسے: ﴿قَالَ مُوسَى: أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا؟ وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُونَ﴾^① [یونس: ۷۷].
- ② تعریف میں مبالغہ کرنے کے لیے، جیسے تیرا قول: وَجْهَكَ بِذُرِّ أُمِّ شَمْسٍ.
- ③ تویخ کے لیے، جیسے: ﴿أَفَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ﴾^② [الطور: ۱۵].

① موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالاں کہ جادو گر فلاح نہیں پایا کرتے۔

② ترجمہ: یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، ”بھلا کیا یہ جادو ہے؟“ یا تمہیں اب بھی کچھ نظر نہیں آ رہا؟ اس کی وضاحت ”تنزیل العالم بفائدۃ الخبر منزلیۃ الجاہل“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح لیلیٰ بنت طریف کا شعر جو اس نے اپنے مقتول بھائی ولید بن طریف کے مرثیہ میں کہا ہے:

أَيَا شَجَرَ الْخَابُورِ مَالِكَ مُورَقًا ❁ كَأَنَّكَ لَمْ تَخْرُجْ عَلَى ابْنِ طَرِيفٍ

اے خابوز نامی درخت آخر تو کیوں پتہ دار اور تروتازہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ تجھے میرے بھائی ابن طریف پر کوئی غم نہیں ہے۔

متعلق بہ مضمون کلام

فصل تاسع: در اثبات مضمون

① **تکریر:** ایک لفظ یا جملے کو دو یا زیادہ مرتبہ اعادہ کرنا؛ تکرار کی غرضیں مختلف ہیں:

① تکریر: سامعین کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے اعادہ کرنا، جیسے: ﴿كَلَّا سَوْفَ

تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝﴾ ① [النکائر: ۳-۴]۔

② تذکیر و تاکید: کلام میں ایک لفظ یا جملے کو دو سے زیادہ مرتبہ ذکر کرنا جس کا مقصد کبھی تو

اللہ کی لامحدود اور غیر متناہی نعمتوں کو یاد دلانا، جیسے: ﴿فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝﴾

[الرحمن: ۱۳]؛ اور کبھی مقصد تاکید پیدا کرنا ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝﴾ ②

[المرسلات: ۱۵]۔

③ تعظیم و تہویل: کسی چیز کی عظمت و ہولنا کی بیان کرنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو مکرر ذکر

① ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں چاہیے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، پھر (سن لو کہ:) ہرگز ایسا نہیں چاہیے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔ یہاں تاکید انذار کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے کہ: دیکھو تمہارا خیال صحیح نہیں کہ: مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے، عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہے ہرگز فخر و مباهات کے لائق نہ تھی؛ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے؛ لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائے گی۔ فقد أكد الإنذار بتكراره ليكون أبلغ تحذيرا وأشد تخويفا، ونزل بعد المرتبة منزلة البعد الزماني فعطف بـ”ثم“۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: (اے انسانوں اور جنات!) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔ اس سورت میں باری تعالیٰ نے ہر نعمت کے بعد اس استفہام کو ذکر فرمایا ہے جو باری تعالیٰ کو بے بہا نعمتوں اور اس کی شکر گزاری پر متنبہ کرتا ہے۔ (علم المعانی) آیت ثانیہ: بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے سورہٴ مرسلات میں مختلف مواقع پر مکذبین و منکرین ڈرانے اور دھمکانے کے لیے الگ الگ مضمون کے بعد اس آیت کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ کلام مؤکد ہو جائے۔

کرنا، جیسے: ﴿الْقَارِعَةُ، مَا الْقَارِعَةُ﴾؛ ﴿أَصْحَبُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ﴾^① [الواقعة: ۲۷]۔
 ④ حث علی التذبر و أخذ العبرة: انجام کو سوچنے اور ماضی سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے پر ابھارنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو بار بار ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾^② [القمر: ۱۷]۔

⑤ اظہارِ ضعف: اپنی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کو زیادہ لانا، جیسے: حضرت زکریا علیہ السلام کا فرمان: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾^③ [مریم: ۴]۔
 ⑥ **أَسْلُوبٌ حَكِيمٌ**: کلام متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا؛ اس کی اولاد دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولی: سائل کو ایسا جواب دینا جو اس نے نہیں پوچھا، اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ: اس جواب کے مناسب سوال کرنا زیادہ مناسب تھا؛ یہ جواب، سوال کے بالکل مباین ہوتا ہے یا اعم، یا اخص ہوتا ہے۔

① جوابِ مباین: جواب، سوال کے بالکل خلاف ہو، جیسے فرعون کے سوال: ﴿وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [الشعراء: ۲۳]؛ کا جواب موسیٰ نے یوں دیا: ﴿رَبُّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾^④ [الشعراء: ۲۴]۔

① آیتِ اولی: (یاد کرو) وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا! کیا ہے وہ وہ دل دہلانے والا واقعہ؟۔ آیتِ ثانیہ: اور وہ دائیں ہاتھ والے ہوں گے کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا!

② ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟۔ باری تعالیٰ نے سورہ قمر میں مختلف امم سابقہ کی تکذیب و اعراض کے واقعات ذکر فرماتے ہوئے سامعین کو عبرت اور تذکر پر ابھارنے کے لیے اس آیت کریمہ کو بار بار دہرایا ہے۔ (علم المعانی)

③ ترجمہ: انہوں نے کہا تھا کہ: ”میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دعا دعا مانگ کر بھی نامراد نہیں ہوا۔ یہاں اگر ربِ انبی قد کبرت فرماتے تو کبر سنی کی خبر دینا تو ہو جاتا؛ لیکن اپنے ضعف کا اظہار نہ ہو پاتا۔ (علم المعانی)

④ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال ﴿وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟“ کے مقتضی ۷

② جوابِ اعم: جواب سوال کے مقابلے میں عام ہو، جیسے: ﴿قُلْ: مَنْ يُنَجِّكُمْ مَنْ ظَلَمَتِ الْبَرَّ وَالْبَحْرَ﴾ [أنعام: ۶۳] کا جواب: ﴿قُلْ: اللَّهُ يُنَجِّكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ ① [أنعام: ۶۴] سے دلویا گیا۔

③ جوابِ اخص: جواب سوال کے مقابلے میں خاص ہو، جیسے: ﴿إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلْهُ﴾ کا جواب یوں دلویا گیا: ﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي﴾ ② [یونس: ۱۰]۔

• کے خلاف جواب دیا کہ: ”وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو“۔ اور یہ بتایا کہ: سوال مَنْ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ یعنی: رب العالمین کون ہے؟ سے ہونا چاہیے تھا؛ کیوں کہ ﴿مَا﴾ کے ذریعے حقیقت و ماہیت اور جنس کا سوال ہوتا ہے؛ باری تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کرنا بڑی غلطی ہے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں جس کو ”ما“ کے جواب میں بیان کی جائے، اور نہ ہی اس کی حقیقت کا ادراک ہو سکتا ہے کہ جواب میں حقیقت بیان کی جائے؛ چنانچہ حضرت موسیٰ نے غلط سوال کا جواب نہیں دیا؛ بلکہ صحیح جواب دے کر صحیح سوال کی طرف اشارہ کیا کہ: یہاں سوال ”مَنْ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟“ ہونا چاہیے تھا۔

(الاتقان فی علوم القرآن)

① کہو: خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے؟ کہو: اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بچاتا ہے اور ہر دوسری تکلیف سے بھی۔ اس سوال میں ظلماتِ برو بحر میں پھنسنے والوں کو نجات دلانے والی ذات کے بابت سوال تھا، کہ: تم کو جنگل اور دریا کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عمومیت پیدا کرتے ہوئے ہر قسم کی شدائد و مصائب میں پھنسنے والے کو داخل فرما کر جواب دیا کہ: اللہ عز و جل تمہیں ظلماتِ برو بحر سے اور ہر قسم کی شدائد و مصائب سے نجات دلانے والے ہیں۔ (الاتقان)

② ترجمہ: وہ یہ کہتے ہیں کہ: ”یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو؟“ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: ”مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کروں“۔ قرآن کی عام پسند و نصیحت کو بہت سے بندے پسند کرتے ہیں؛ لیکن جب بت پرستی یا ان مشرکین کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا ہے تو مشرکین وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے کہ: اپنے خدا سے کہہ کر یا دوسرا قرآن لے آئے؟ جس میں یہ مضامین نہ ہوں؛ اور اگر یہی قرآن رہے تو اتنے حصے میں ترمیم کر دیجیے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے؟۔ اس کے جواب میں صرف تبدیل کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ: میں اس قرآن میں تبدیلی نہیں کر سکتا!۔ اختراع کا نہیں؛ حالانکہ سوال میں دونوں کا ذکر تھا، اس اختصار کی وجہ یہ ہے کہ: تبدیل کرنا اختراع سے آسان ہوتا ہے، جب تبدیلی کی نفی کر دی تو اختراع کی نفی تو بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔ علامہ زنجشیری فرماتے ہیں کہ: تبدیل کرنا بشر کے لیے کسی حد تک ممکن ہے؛ لیکن اختراع ممکن ہی نہیں!۔ (الاتقان)

صورتِ ثانیہ: مخاطب کو ایسا جواب دینا ہے جس کا وہ منتظر نہ ہو، جیسے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ، قُلِ: الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾^① [اسراء: ۸۵]۔

③ **المَذْهَبُ الْكَلَامِي:** متکلم اپنے مدعی کے اثبات اور خصم کے دعویٰ کے ابطال کے لیے۔ حضرات متکلمین کے انداز میں۔ مخاطب کے نزدیک مسلم حجت قطعہ سے حجت پیش کرے، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الأنبياء: ۲۳]؛ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى: نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ، قُلِ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾^② [المائدة: ۱۸]۔

④ **إثبات:** متکلم اپنے مدعی کے اثبات اور خصم کے دعویٰ کے ابطال پر بلا تکلف دلیل عقلی قطعی پیش کرے، جیسے: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ

① ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ: روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ روح کے متعلق سوال کا جواب دیا گیا کہ: وہ میرے رب کا امر ہے۔ یہودیوں نے روح کے متعلق یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ لفظ روح ایک مشترک لفظ ہے جس میں انسان، قرآن، عیسیٰ، جبرئیل اور ملائکہ کی ایک جماعت داخل ہیں؛ محمد ﷺ ان میں سے جو بھی جواب دیں گے، ہم دوسرے معنی کو دیکھتے ہوئے اس کی تردید کریں گے۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے وحی کی روشنی میں خلافِ منتظر ایسا مجمل جواب دیا کہ ان کی چال دھری کی دھری رہ گئی۔

(الاتقان)

② آیت اولی: اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں برہم درہم ہو جاتے؛ لہذا عرش کا مالک اللہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔ اس آیت میں توحید کے اثبات اور تعددِ الہ کے ابطال پر نہایت پختہ اور واضح دلیل بیان کی ہے؛ اور وہ یہ ہے کہ: اگر آسمان وزمین میں دو یا چند خدا ہوتے تو ہر ایک کی زور آزمائی سے عالم کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جاتا (یہ مقدم ہے)؛ لیکن عالم کا نظام درہم برہم نہیں ہوا (یہ تالی ہے)؛ لہذا معلوم ہوا کہ: آسمان وزمین میں چند خدا نہیں؛ کیوں کہ جب لازم (یعنی: فسادِ عالم) باطل ٹھہرا، تو ملزوم (تعددِ الہ) بھی باطل ٹھہرے گا۔ (علم البدیع)

آیت ثانیہ: یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ: ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“؛ (ان سے) کہو کہ: ”پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ یہ تمہارے مسلمات کے قبیل سے ہے کہ: پہلے تمہیں عذاب دیا جا چکا ہے؛ اور بھلا کوئی اپنے ہی بیٹوں کو عذاب دیا کرتا ہے! معلوم ہوا کہ تم اللہ کے بیٹے نہیں!۔

(علم البدیع، جواہر، الزیادۃ)

يَخْلُقُ مِثْلَهُمْ، بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿٥﴾ [یس: ۸۱]؛ ﴿بَلَىٰ قَدِيرِينَ عَلَىٰ أَنْ تُسَوِّيَ بَنَانَهُ﴾ ﴿٦﴾ [القیامۃ: ۴].

⑤ التَّسْلِيم: متکلم کسی ایسی چیز کو ذکر کرے جس کا محال ہونا یا مشروط بشرط المحال ہونا ثابت ہو چکا ہو، پھر قیاسِ جدلی کے انداز میں اس کے وقوع کو تسلیم کر لے؛ اس کے بعد اس (امر محال یا مشروط بالمحال) کے بطلان یا غیر مفید ہونے کو بیان کرے، جیسے: ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ، وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ، إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ، وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ، سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ ﴿۹۱﴾ [المؤمنون: ۹۱].

⑥ الْقَوْلُ بِمُوجِبِ الْعِلَّةِ: خصم نے کلام میں اپنے لیے (یا کسی اور کے لیے) ایک خاص صفت کو ثابت کیا ہو اور اسی صفت کی بنیاد پر کوئی حکم بھی مرتب کر لیا ہو؛ اب سامع خصم کے صفت پر لگائے ہوئے حکم کو تسلیم کر لے؛ لیکن اس صفت کو مرادِ خصم کے برخلاف

① آیت اولی: بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں؟ جب کہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے۔ (زیادۃ والا حسان)۔ آیت ثانیہ: کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ: ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! جب کہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ: اس کی انگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنادیں۔ یعنی: ہڈیوں کو جمع کر لینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو انسان کی انگلیوں کے ایک ایک پورے کو دوبارہ ٹھیک ٹھیک اسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ انگلیوں کے پورے کا خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا گیا کہ: ان پوروں میں جو باریک باریک لکیریں ہوتی ہیں، وہ ہر انسان کی دوسرے سے الگ ہوتی ہیں؛ اُن لکیروں میں اتنا باریک باریک فرق ہوتا ہے کہ: اربوں پدموں انسانوں کی انگلیوں کے فرق کو یاد رکھ کر پھر دوبارہ ویسی ہی لکیریں بنادینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں۔

② ترجمہ: نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؛ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے؛ پاک ہے اللہ اُن باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ یعنی: زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہی ہے، نہ اسے بیٹے کی ضرورت، نہ مددگار کی؛ نہ اس کی حکومت میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ دیکھیے باری تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو یہ ایک امر محال ہے؛ اس بات کو مختلف دلائل سے باری تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے؛ یہاں بطور قیاسِ جدلی اُن کے اس مدعی (امر محال) کو تسلیم کر کے جواب دیا ہے کہ: اگر ایسا (امر محال) ہوتا تو ہر ایک باختیارِ حاکم اپنی رعایا کو لے کر علاحدہ علاحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا! اور عالم کا یہ مضبوط و مستحکم نظام چند روز بھی نہ رہ سکتا۔ (الزیادۃ والا حسان، جواہر)

دوسرے کے لیے ثابت کر دے، جیسے: ﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ؛ وَلَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾^① [المنفقون: ۸]۔

④ **قسم:** متکلم اپنے مدعی کو ثابت کرنے کے لیے ایسی چیز کی قسم کھائے جو اس کے لیے باعثِ فخر ہو یا اس سے مقسم بہ کی قدر و منزلت بڑھانا مقصود ہو، جیسے: آپ ﷺ کا فرمان: ”فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ“؛ ﴿فَ”وَرَبَّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“ إِنَّهُ لَحَقُّ مِثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ﴾ [الذاریات: ۲۳]؛ ﴿”لَعَمْرُكَ“ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾^② [الحجر: ۷۴]۔
ملفوظ: قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، وہ اول تو

① ترجمہ: کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا“۔ حالاں کہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اُس کے رسول کو اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ دیکھیے: منافقین نے یہ کہا کہ: ہم اعز ہیں، اور یہ مہاجرین مؤمنین فقراء یہ اذل ہیں (صغریٰ)، اور اعز، اذل کو مدینہ سے نکال دیں گے (کبریٰ)؛ اللہ پاک نے فرمایا کہ: تمہارا کبریٰ تو تسلیم ہی؛ لیکن صغریٰ تسلیم نہیں۔ یہاں منافقین کے اذل (صفت) پر لگائے ہوئے ”اخراج“ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ: اذل پر لگایا ہوا حکم تو ایسا ہی رہے گا؛ لیکن تمہارا اپنے لیے اعز صفت کو ثابت کرنا ہی غلط ہے؛ بلکہ اعز تو اللہ اور اس کے رسول ہیں، جو تمہیں مدینہ سے باہر نکال دیں گے؛ اور تم اذل ہوں، تم انہیں مدینہ سے ہرگز نہیں نکال سکتے؛ یہاں ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ﴾ قول بالموجب ہے۔ (الزیادة والاحسان)

② مثال اول: آپ ﷺ بہ کثرت ان الفاظ سے قسم کھایا کرتے تھے: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!“؛ جس سے مقسم بہ کا ثبوت مقصود ہے، اور ان الفاظ سے قسم اٹھانا باعثِ فخر بھی ہے۔۔۔ مثال ثانی: لہذا آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! یہ بات یقیناً ایسی ہی سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔ مثال ثالث: (اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ دیکھیے! مثال اول میں آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر فخر فرماتے ہوئے ایسی قسمیں کھائی ہیں۔ مثال ثانی باری تعالیٰ ﴿رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ سے قسم کھا کر فخر فرماتے ہیں؛ کیوں اس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ساتوں آسمان اور زمین کا پانہار ہونا سمجھ میں آتا ہے جو اس ذاتِ عالی کی عظمت و کبریائی کو بخوبی واضح کرتا ہے؛ اور دوسری مثال میں باری تعالیٰ اپنے عظیم المرتبت نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھا کر آپ ﷺ کی عظمتِ شان کو واضح فرماتے ہیں۔

(الزیادة والاحسان)

عربی فصاحت و بلاغت کا اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے؛ دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ درحقیقت اس دعوے کی دلیل ہوتی ہے جو ان قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَالصُّفَّتِ صَفًّا ۖ فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا ۖ فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا ۖ إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝﴾^① [الصُّفَّتِ: ۱-۴]۔

① **حُسْنِ تَعْلِيلِ:** متکلم کسی حکم کے لیے۔ بجائے اس کی علت مشہورہ کے۔ ایسی علت غیر حقیقیہ کا دعویٰ کرے جس میں ندرت (انوکھا پن) پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾^② [أنفال: ۶۸]۔

① قسم ہے اُن فرشتوں کی جو پر باندھ کر صف بناتے ہیں، پھر اُن فرشتوں کی جو (شیاطین کو عالم بالا میں داخل ہو کر شرارت کرنے) روک ٹوک کرتے ہیں، پھر اُن فرشتوں کی جو ذکر (قرآن وغیرہ) کی تلاوت کرتے ہیں؛ ”یقیناً تمہارا معبود ایک ہی ہے“۔ (توضیح القرآن)

② ترجمہ: اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔ اُسارہ بدر کے بارے میں صلہ رحمی، رحم دلی یا مصالحِ دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ کسی درجہ مالی فوائد کا خیال رکھنا اور اُن سے فدیہ اختیار کرنا؛ یہ اتنی عظیم و ثقیل غلطی تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ دیکھئے! یہاں عذابِ الہی سے نجات دینے کی علت حقیقیہ مشہورہ تو ”تقدیرِ الہی“ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس غلطی پر؛ بلکہ ہر کسی غلطی پر عذابِ عظیم کی دو صورتوں میں نفی فرمادی ہے: ﴿① مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ، ② وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ گویا حضرت کی حیاتِ مبارکہ میں عذاب کو نہ بھیجنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے (علتِ مشہورہ)؛ لیکن یہاں انوکھا پن بیان کرتے ہوئے اس کی علت ﴿كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ﴾ یعنی: آپ لوگوں کو قیدیوں کے بارے میں (وحی غیر متلو کے ذریعے) پہلے سے اختیار دیا گیا تھا یا قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا اس (علتِ غیر مشہورہ) کی وجہ سے عذابِ الیم نہ آیا؛ ورنہ یہ غلطی تو اس قدر عظیم تھی کہ سخت عذاب ان پر نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ یہاں اشارہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ: ان میں سے بہت سے قیدیوں کا اسلام بھی مقدر ہے۔ (الزیادة فوائد) بزیادة اسی طرح شاعر کا شعر:

مَا زِلْتِ مِصْرٌ مِّنْ كَيْدِ أَلَمَ بِهَا ۖ لَكِنَّهَا رَفَعَتْ مِنْ عَذَابِكُمْ طَرَبًا

مصر میں زلزلہ کسی خفیہ تدبیر کی وجہ سے نہیں آیا، جو اس کو لاحق ہوئی ہو؛ لیکن وہ آپ کے انصاف کی وجہ سے خوشی سے ناپچنے لگا ہے۔ دیکھئے! مصر میں زلزلہ آنے کا سبب حقیقی تو دوسرا ہے؛ لیکن شاعر نے اس کو ایک انوکھی علت کی طرف منسوب کر دیا کہ: مصر میں زلزلہ مدوحین کے عدل و انصاف کی وجہ سے مارے خوشی کے زمین میں ناچ اور رقص پیدا ہو گیا؛ اور یہ علت ایسی ہے کہ اس میں غرابت، ندرت، اور انوکھا پن پایا جاتا ہے؛ لہذا اس کو حسنِ تعلیل کہا جائے گا۔

⑨ **مَوَارِبَةُ:** یہ ہے کہ متکلم پہلے ہی سے احتیاطاً اپنا کلام اس انداز سے کرے کہ: گرفت کے موقع پر طریقہ تحریف و تصحیف سے کلام میں تبدیلی کر سکے، جس کا مخاطب انکار نہ کر سکے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کی بات اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے: ﴿ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾^① [یوسف: ۸۱]؛ یہاں ایک قرأت ﴿سَرَقَ﴾ کی بھی ہے۔



① ترجمہ: جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کر لی تھی۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ: لفظ (سرق) دو معنوں کا محتمل ہے: واقعی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے؛ آپ کا بیٹا چور ٹھہرایا گیا۔ دیکھئے! یہاں گرفت کے موقع پر حرکات بدل کر بات بدلی جاسکتی ہے۔ (الزیادة)؛ اور جیسے شعر:

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِي عَلَىٰ بَابِكُمْ ❀ كَمَا ضَاعَ عِقْدُ عَلَىٰ خَالِصَةٍ

ترجمہ: بخدا! میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح ضائع ہو گیا جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے سے ہار ضائع ہو گیا۔ جب اس پر ہارون رشید نے پکڑ کی تو شاعر نے فوراً کہہ دیا، نہیں، میں نے اس طرح شعر کہا تھا۔

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِي عَلَىٰ بَابِكُمْ ❀ كَمَا ضَاءَ عِقْدُ عَلَىٰ خَالِصَةٍ

ترجمہ: بخدا میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح چمکتا ہے جیسا کہ خالصہ کے گلے میں ہار چمکتا ہے۔ ملحوظہ: تَحْرِيفُ: لفظ یا معنی کو بدل دینا۔ تَصْحِيفُ: لفظ کے بعض حروف کو بدل دینا۔ یہ شعر ابونواس شاعر کا ہے، جو اس نے ہارون رشید پر قصیدہ خوانی کے باوجود انعام و اکرام سے محروم رکھنے پر کہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ: میرے شعر کی ناقدی ایسی ہی کی گئی، جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے میں ہار ڈال کر اس کی ناقدی کی گئی۔ ہارون رشید نے شعر سنتے ہی چونک کر اس سے استفسار کیا کہ: کیا مطلب؟ تو شاعر نے اپنے شعر کی اس طرح توجیہ کر دی کہ: میں نے تو ”ضَاءَ“ ہمزہ کے ساتھ کہا ہے، عین کے ساتھ نہیں، اور ”ضَاءَ“ کے معنی ہے روشن ہونا اور ”ضَاعَ“ (بالعین) کے معنی ہے: ضائع ہونا؛ شاعر نے شعر میں یہ توجیہ کر کے برائی کے پہلو میں تعریف کا پہلو پیدا کر دیا اور اس طرح بادشاہ کی گرفت سے بچ گیا، اور ”ضَاءَ“ اور ”ضَاعَ“؛ دونوں ہی لکھنے بولنے میں ملتے جلتے ہیں۔

باب دوم

محسنات لفظیہ

محسّنات لفظیہ

فصل اوّل: درتشابہ لفظین

جناس: دو لفظوں کا نطق و تکلم میں ایک جیسا ہونا اور معنی میں مختلف ہونا، جیسے: ﴿وَيَوْمَ

تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ، مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴿[الروم: ۵۵]

ملحوظہ: ① جناس سے سامع کی توجہ مائل کرنا یا توجہ باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے؛ کیوں کہ عبارت میں مناسب الفاظ کو ذکر کرنا نیز لفظ مشترک سے اولاً ایک معنی اور ثانیاً دوسرا معنی مراد لینا بھی سامع و قاری کے دل میں شوق پیدا کرتا ہے۔ (الزیادة)

ملحوظہ: ② جناس کو تجنیس، تجانس اور مجانسه بھی کہتے ہیں۔ (جواہر)

جناس کی دو قسمیں ہیں: ① جناس تام، ② جناس غیر تام۔

جناس تام: وہ جناس ہے جس میں دو لفظ - معنی کے اختلاف کے ساتھ - حروف کی

نوعیت میں، تعداد میں، ہیئت (حرکات و سکناات) اور ترتیب میں موافق ہوں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ

تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ [الروم: ۵۵]۔

جناس تام کی تین قسمیں ہیں: ① مُمَازِل، ② مُسْتَوْفِی، ③ جناس ترکیب۔

① **جناس مُمَازِل:** وہ جناس تام ہے جس میں دو لفظ، حروف کی نوعیت: تعداد،

حرکات و سکناات اور ترتیب میں موافق ہونے کے ساتھ نوعیت کلمہ (یعنی: اسمیت، فعلیت اور

حرفیت) میں مختلف نہ ہوں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ﴾ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا

① جس روز قیامت برپا ہوگی، اُس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ: وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔

اس آیت میں پہلی ﴿سَاعَةً﴾ سے قیامت مراد ہے، اور دوسری ﴿سَاعَةً﴾ سے گھڑی مراد ہے۔

② یہاں ﴿السَّاعَةُ﴾ اور ﴿سَاعَةً﴾ دونوں نطق میں موافق ہیں اور معنی مختلف ہیں؛ کیوں کہ ساعۃ اولیٰ سے

قیامت مراد ہے اور ساعۃ ثانیہ سے زمانہ مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں کے حروف ایک ہی نوعیت کے ہیں؛ لہذا یہ جناس

تام مِمَازِل ہے۔ (علم البدیع)

غَيْرَ "سَاعَةٍ" ﴿[الروم: ۵۵]﴾ يَكَادُ سَنًا بَرَقَهُ يَذْهَبُ بِـ "الْأَبْصَارِ" ۝ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ؛ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي "الْأَبْصَارِ" ۝ ﴿[النور: ۴۳-۴۴]﴾^①

ملحوظہ: اس باب میں دو ملتبس الفاظ مستعمل ہیں: نوعیت حروف، نوعیت کلمہ۔

نوعیت حروف: کا مطلب یہ ہے کہ: دونوں کلموں میں ایک ہی جیسے حروف ہوں۔

نوعیت کلمہ: کا مطلب یہ ہے کہ: دونوں کلمے اسمیت، فعلیت اور حرفیت میں متفق ہوں؛ اور جناس تام میں نوعیت حروف میں اتفاق ضروری ہے، جب کہ نوعیت کلمہ (اسمیت، فعلیت و حرفیت) میں اتفاق صرف مماثل میں ہے مستوفی و ترکیب میں اختلاف ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

② **مُسْتَوْفِي**: وہ جناس تام ہے جس میں دو کلمے حروف کی نوعیت میں، تعداد میں، حرکات و سکنات میں اور ترتیب میں متفق ہوں؛ لیکن کلمے کی نوعیت میں مختلف ہوں، جیسے ابن فضالہ کا شعر:

فَ "دَارٍ" هُمْ مَا دُمْتَ فِي "دَارٍ" هُمْ ۞ وَ "أَرْضِهِمْ" مَا دُمْتَ فِي "أَرْضِهِمْ" ۝^④

③ **جناس ترکیب**: جناس کے دو لفظوں میں سے ہر ایک دو کلموں سے مرکب ہو یا

ایک مرکب دوسرا غیر مرکب ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ① مُتَشَابِهٌ، ② مُفْرُوقٌ۔

① مُتَشَابِهٌ: وہ جناس ترکیب ہے جس میں دو مفرد اور مرکب لفظ حروف کی نوعیت، تعداد،

① آیت اولیٰ کی وضاحت ابھی اوپر مذکور ہوئی؛ آیت ثانیہ: ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی، وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے؛ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ دیکھیے: یہاں ﴿الْأَبْصَارِ﴾ اول سے نظر مراد ہے اور ثانی سے عقل مراد ہے۔ (علم البدیع)

② تو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہ! جب تک تو ان کے دیار میں رہے۔ اور تو ان کو خوش رکھ جب تک تو ان کی بستی میں رہے۔ یہاں دَارِہُمْ اور اَرْضِہُمْ یہ دونوں مکرر واقع ہیں؛ لیکن پہلا فِدَارِہُمْ، مُدَارَاة سے امر ہے، اسی طرح پہلا اَرْضِہُمْ، اِرْضَاء سے صیغہ امر ہے یعنی دونوں فعل ہیں؛ جب کہ دوسرے الفاظ اسم ہیں، یعنی: دار بمعنی گھر اور ارض بمعنی زمین۔ یہاں دونوں جگہ نوعیت حروف، تعداد، حرکات و سکنات اور ترتیب میں یکساں ہیں؛ البتہ کلمے کی نوعیت مختلف ہیں لہذا یہ "جناس تام مستوفی" ہے۔

حرکات و سکناات اور ترتیب میں متفق ہوں، نیز طریقہ تحریر میں بھی ایک ہوں، یعنی: دونوں لکھنے میں متفق ہوں؛ لیکن افراد و ترکیب میں مختلف ہوں، جیسے شاعر کا شعر:

إِذَا مَلَكٌ لَمْ يَكُنْ "ذَا هِبَةٍ" فَدَعُهُ فَدَوْلَتُهُ "ذَا هِبَةٍ" ①

② مَفْرُوق: وہ جناسِ ترکیب ہے جس میں دو کلمے حروف کی نوعیت، تعداد، حرکات و سکناات اور ترتیب میں متفق ہوں؛ لیکن طریقہ تحریر دونوں کا مختلف ہوں؛ نیز نوعیت کلمہ میں افراد و ترکیب کا اختلاف ہو، جیسے:

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ وَلَا جَامَ لَنَا مَا الَّذِي صَرَّ مُدِيرَ الْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا ②



① جب کوئی بادشاہ داد و دہش والا نہ ہو، تو اُسے چھوڑ دے؛ کیوں کہ اس کی حکومت جانے والی ہے۔ اس شعر میں شاہد لفظ "ذَا هِبَةٍ" ہے، پہلا ذَا هِبَةٍ مرکب ہے، "ذَا" بمعنی صاحب از اسماء ستہ مکبرہ، اور "هِبَةٍ" مصدر۔ بمعنی داد و دہش۔ مضاف الیہ ہے؛ اور دوسرا لفظ "ذَا هِبَةٍ" مشتق از مصدر ذہاب۔ بمعنی "جانا"۔ سے اسم فاعل کا صیغہ مفرد ہے۔ یہ دونوں لفظ خط و تحریر میں متفق ہیں؛ لہذا یہ "جناس تام تشابہ" ہے۔ (علم البدیع)

② تم میں سے ہر ایک نے اپنا جام لے لیا اور ہمیں جام نہ ملا! اگر ساقی نے ہم سے بھی اچھا برتاؤ کیا ہوتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔ اس شعر میں لفظ "جَامَ لَنَا" اور "جَامَلَنَا" شاہد ہے؛ جو ہیئت حروف، نوعیت، تعداد اور ترتیب میں متفق ہیں، مگر ان میں سے پہلا لفظ مرکب اور دوسرا مفرد ہے، اور دونوں کا طریقہ تحریر جدا جدا ہے؛ لہذا یہ "جناس تام مفروق" ہے۔ (دروس البلاغۃ)

فصل ثانی: در اختلاف لفظین

جناس غیر تام: وہ جناس ہے جس میں دو لفظ مذکورہ چار چیزوں (نوعیت حروف، تعداد، ہیئت اور ترتیب) میں سے کسی ایک یا چند چیزوں میں مختلف ہوں؛ اس کی ابتداء چار قسمیں ہیں: ① مُضَارِع (ولاحش)، ② ناقص (مطرّف، مذیل)، ③ مُحَرَّف (وُصَحَّف)، ④ قَلْب۔ (علم البدیع)

① **جناس مُضَارِع:** وہ جناس غیر تام ہے جس میں دو لفظ نوعیت حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: سوائے ایک حرف کے باقی حروف یکساں ہوں؛ اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہوں ان دونوں کے مخارج قریب قریب ہوں، جیسے: ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْتَوْنَ عَنْهُ﴾ ① [الأنعام: ۲۶]۔

جناس لاحق: وہ جناس غیر تام ہے جس میں دو لفظ نوعیت حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: سوائے ایک حرف کے باقی حروف یکساں ہوں؛ اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہو ان دونوں کے مخارج بعید ہوں، جیسے: ﴿وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ ② [العاديات: ۷-۸]۔

ملحوظہ: اگر یہ دو بعید المخارج حروف متجانس (ہم جنس) ہیں تو اس کو ”ازدواج“ کہتے ہیں،

① اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ یہاں ﴿يَنْهَوْنَ﴾ میں صرف ہمزہ اور ہاء کا فرق ہے، ہمزہ میں جبر و شدت ہے، اور ”ہاء“ میں ہمس ور خاوت ہے؛ لیکن شدت اتصال کی بناء پر دونوں کو ایک شمار کر لیا جاتا ہے، کہ: دونوں اقصائے حلق سے نکلتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”الْحَيْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ“؛ حدیث پاک کے ”الْحَيْلُ، الْخَيْرُ“ میں صرف لام اور راء کا فرق ہے؛ لیکن دونوں کے مخارج قریب ہیں۔ (علم البدیع)

② ترجمہ: اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔ یہاں ﴿لَشَدِيدٌ﴾ میں ”ہ“ اور ”د“ کے علاوہ تمام حروف یکساں ہیں اور مذکورہ دونوں حروف کے مخارج مختلف ہیں اور ان کا مخرج بھی قریب نہیں؛ بلکہ بعید ہے، ”ہ“ کا مخرج اقصائے حلق ہے اور ”دال“ کا مخرج زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ ہے۔ (علم البدیع)

جیسے: ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ﴾ ① [النمل: ۲۲]۔

② جناس ناقص: وہ جناس غیر تام ہے جس میں دو لفظ عدد حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے کے ایک یا دو حروف دوسرے کلمے سے کم ہوں یا زیادہ ہوں؛ چاہے یہ زیادتی شروع میں ہو یا درمیان یا اخیر میں ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: مُطَرَّف، مُذَّيِّل۔

① مُطَرَّف: وہ جناس غیر تام ناقص ہے جس میں دو لفظ عدد حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل ایک حرف زائد ہوں، جیسے: ﴿وَالْتَقَّتِ السَّاقُ بِِ السَّاقِ﴾ ② إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ③ [القیامۃ: ۲۹-۳۰]، ﴿ثُمَّ كَلَّيْ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ﴾ ④ [النحل: ۶۹]۔

② مُذَّيِّل: وہ جناس غیر تام ناقص ہے جس میں دو لفظ عدد حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل دو حروف زائد ہوں، جیسے: ﴿وَانْظُرْ إِلَى﴾ ⑤ ﴿إِلْهَكْ﴾ ⑥ [طہ: ۹۷] (علم البدیع)

ملحوظہ: اوپر ذکر کردہ مطرف اور مذیل کی تعریف میں دو طرح سے فرق معلوم ہوتا ہے: مطرف میں ایک حرف کی زیادتی ہوتی ہے اور مذیل میں دو حرف کی زیادتی ہوتی ہے۔

③ جناس مُحَرَّف: وہ جناس غیر تام ہے جس میں دو لفظ ہیئتوں (یعنی: حرکات و سکنات) میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ﴾ ⑦ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ﴾

① اور میں ملکِ سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ اس آیت میں ”سبأ“ اور ”نبأ“ میں سین اور نون کا اختلاف ہے، جن کے مخارج بعید ہیں۔

② آیت اولیٰ: اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی، اُس دن تمہارے پروردگار ہی کی طرف رواںگی ہوگی۔ یہاں آیت کریمہ میں لفظ ﴿الْمَسَاقُ﴾ میں ﴿سَاقُ﴾ کے مقابلہ میں ایک حرف زائد ہے۔ (علم البدیع) آیت ثانیہ: پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر۔ یہاں صرف ایک حرف یاء کی زیادتی ہے۔

③ ترجمہ: اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اُسے جلادیں گے۔ یہاں دوسرے کلمے میں دو حروف ہاء اور کاف زائد ہیں۔

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١﴾ [الصُّفْتُ: ۷۲-۷۳].

مُصَحَّف: (جناسِ خط) وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ خط و رسم میں متفق ہوں اور نقطوں میں مختلف ہوں اس طور پر کہ اگر نقطوں کو ختم کیا جائے یا بدل دیا جائے تو ایک کلمہ دوسرے جیسا ہی ہو جائے، جیسے: ﴿وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي﴾ [الشعراء: ۷۹-۸۰]؛ ﴿وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ [الكهف: ۱۰۴] ملحوظہ: تصحیف و تحریف باری تعالیٰ کے فرمان میں ایک ساتھ جمع ہو گئیں ہیں، جیسے: ﴿وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ [الكهف: ۱۰۴].

﴿٢﴾ **قَلْب** (مقلوب): وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ ترتیبِ حروف میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ [طہ: ۹۴]. ملحوظہ: بعض بلغاء نے صنعتِ جناس میں ”جناس اشتقاق“ اور ”شبہ بالاشتقاق“ کو بھی شمار کیا ہے۔

① ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا اُن کا انجام کیسا ہوا؟۔ یہاں ”مُنْذَرِينَ“ میں زبر زیر کا فرق ہے؛ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”اللَّهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِي، فَحَسَّنْ خَلْقِي“، میں ”خَلْقِي، خَلْقِي“ حروف کی شکل و ہیئت ایک نہیں؛ بلکہ مختلف ہے، جیسا کہ حرکت و سکون سے ظاہر ہے۔ (علم البدیع)

﴿٢﴾ آیت اولیٰ: میرے لیے تو یہ سب دشمن ہیں، سوائے ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا؛ یہاں ﴿يَشْفِينِي، يَشْفِينِي﴾ میں ”ف، ق“ کے نقطے ہٹا دیے جائیں۔ آیت ثانیہ: چنانچہ ہم قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ یہاں ﴿يَحْسَبُونَ، يَحْسَبُونَ﴾ ”باء“ اور ”نون“ کے نقطے بدل دیے جائیں تو ایک کلمہ دوسرے جیسا ہو جائے، خط و رسم میں یکساں ہیں صرف نقطوں میں اختلاف ہے۔ اور حضرت علی کا فرمان: ”قصر ثيابك فإنه أبقي وأتقى وأنتقى“۔ (علم البدیع) بزیادہ

③ ترجمہ: چنانچہ ہم قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔

④ ترجمہ: حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔ (علم البدیع)

⑤ **جناس اشتقاق:** وہ جناس ہے جس میں دو لفظ ایک اصل کی طرف راجع ہوں، یعنی: دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہو؛ لیکن معانی الگ الگ ہوں؛ یہ صنعت کلام الہی اور کلام نبوی میں بہ کثرت پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَاَ وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ﴾ [البقرة: ۲۷۶]؛ ﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ ۝﴾^① [الواقعة: ۸۹]؛ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان: ”الْظُّلْمُ“ ”ظُلُمَاتٌ“ ”يَوْمَ الْقِيَامَةِ“۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہئے کہ صنعت جناس کا حال بھی دیگر صنائع بدیعیہ کی طرح ہے کہ: جناس میں نہ اسراف محمود ہے اور نہ ہی بکثرت جناس کا استعمال مستحسن ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فصحاء وبلغاء کے نزدیک جناس کی کثرت اور اس کا دیوانہ ہونا مذموم قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ کلام میں اصل معانی ہی ہیں، الفاظ تو معانی کے لیے صرف بحیثیت خدام ہیں، اور معانی ہر جگہ ان الفاظ کا ساتھ نہیں دیا کرتے جن الفاظ کی طرف تجنیس کھینچ کر لے جایا کرتی ہے^②۔

⑥ **جناس شبیہ بالاشتقاق:** وہ جناس ہے جس میں دو لفظوں کے تمام یا اکثر حروف میں یکسانیت ہو؛ لیکن دونوں کا مادہ اشتقاق الگ الگ ہوں، جیسے: ﴿قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ۝﴾^③ [الشعراء: ۱۶۸]۔



① آیت اولی: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ آیت ثانیہ: پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو تو (اُس کے لیے) آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور نعمتوں سے بھر اباغ ہے۔ (علم البدیع)

② یاد رہے کہ: بے موقع الفاظ کی سخاوت (لفاظی) کرنا علم ادب کے خلاف ہے؛ ہاں ایسے الفاظ کا بلا تکلف مربوط کلام میں آجانا جن میں صنعت تجنیس ہو، اور وہ الفاظ و معانی مقتضیات کے مطابق بھی ہوں یہ مستحسن ضرور ہیں۔ (ماخوذ من علم البدیع)

③ ترجمہ: لوط نہ کہا: ”یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں۔ دیکھئے! ﴿قَالَ﴾ قول سے مشتق ہے اور ﴿قَالِينَ﴾ قلی سے مشتق ہے۔ (علم البدیع)

فصل ثالث: متعلق بہ تحسین کلمہ

① **اِتِّلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ:** یہ ہے کہ عبارت کے الفاظ مانوس (کثیر الاستعمال) ہونے اور نامانوس (قلیل الاستعمال) ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مناسب ہوں، تاکہ کلام میں عمدگی اور مناسبت پیدا ہو جائے، جیسے: ﴿تَاللّٰهِ تَفْتَوُا تَذَكَّرُ يُوْسُفُ﴾^① [یوسف: ۸۰]

② **تَوْزِيعُ:** متکلم کسی جملے کے تمام یا اکثر الفاظ میں بلا تکلف و مشقت حروفِ ہجائیہ میں سے کسی ایک حرف کو ہر کلمے میں ذکر (تقسیم) کرے، جیسے: ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَابَصِيرًا﴾^② [طہ: ۳۳-۳۰]۔

③ **حَذْفُ:** یہ ہے کہ کسی کلام کے تمام یا اکثر الفاظ میں کسی خاص حرف کے حذف کا التزام کرنا، جیسے: ذیل کے شعر میں نقطے والے حروف لانے سے احتراز کیا گیا ہے:

أَعْدِدْ لِحُسَّادِكَ حَدَّ السَّلَاحِ ❖ وَأُورِدِ الْآمِلَ وَرَدَ السَّمَاحِ^③

ملحوظہ: یہ دونوں اقسام، انواعِ محسنات میں سے اسی وقت شمار ہوں گی، جب کہ وہ تکلف اور گنجشک سے بری و پاک ہوں۔



① ترجمہ: ان کے بیٹے کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔ اس آیت میں قسم کے لیے ”تاء“ کو استعمال کیا گیا ہے جو حرفِ قسم ”باء“ اور ”واو“ کے نسبتِ قلیل الاستعمال ہے، تو اسی کی مناسبت سے استمرار کے معنی کے لیے ”تَفْتَوُا“ کو اختیار فرمایا جو ”تَزَالُ“ کے نسبتِ قلیل الاستعمال، غریب اور نامانوس ہے، اسی طرح ہلاکتی کے لیے ﴿حَرَضًا﴾ کا استعمال بھی قلیل ہے؛ تاکہ غرابت اور قلتِ استعمال کے اعتبار سے سب متحد ہو جائیں۔ (الزیادة، جواہر)

② ترجمہ: تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں، اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں، بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے والے ہیں۔ دیکھئے! اس آیت مذکورہ کے کلمات میں سے سات کلموں میں حرفِ کاف کو بلا تکلف آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے۔ (الزیادة)؛ نیز حرفِ نون کا تذکرہ بھی پانچ کلموں میں پانچ مرتبہ ہے۔

③ اور کر حسد کرنے والوں کے لیے ہتھیار کی دھار اور لے جا امید رکھنے والے کو سخاوت کی گھاٹ پر۔

فصل رابع: متعلق بہ اختتام فقرہ

سجع و اقسام سجع

جس کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے، اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے؛ پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے جس کا نفس منتظر تھا۔ تو اس وقت لذت دوگنا ہو جاتی ہے؛ اور جب فواصل میں بھی دونوں فقرے مشترک ہو جاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوقِ سلیم سے موزون و مقفیٰ کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ (الفوز الکبیر)

ملفوظ: قرآن مجید کے قافیہ اور وزن کے لیے حضرت شاہ صاحب کا مفید مضمون ص: ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

① سَجْع: کلام منشور میں کے دو یا چند فاصلوں کا حرفِ اخیر (حاشیہ) میں یکساں اور موافق ہونا؛ چاہے یہ یکسانیت ایک ہی حرف کے استعمال سے ہو یا دو قریب المخرج حروف لانے سے ہو، جیسے: ﴿وَالطُّورِ ۝ وَكِثِّبَ مَسْطُورِ ۝ فِي رَقٍّ مَّنْشُورِ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝﴾ [الطور: ۱-۴]؛ ﴿ق ۝ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۝ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكُفَرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝﴾ [ق: ۱-۴]؛ ﴿وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ... إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ... إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾ ① [ص: ۷-۶]۔

① آیت اولیٰ: قسم ہے کوہِ طور کی، اور اُس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے، اور قسم ہے بیتِ معمور کی اور بلند کی ہوئی چھت کی۔

ملفوظ ①: علامہ سکا کی اور خطیب بغدادی کے نزدیک سجع کے لیے دو فاصلوں کے حرفِ اخیر کا ایک ہونا ضروری ہے، جب کہ عام بلغاء کے نزدیک قریب الخارج حروف میں یکسانیت کا ہونا بھی سجع میں داخل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ﴿يُرَادُّهُ إِلَّا اخْتِلَاقًا﴾ کی دو آیتوں میں ہے ①۔ (علم البدیع)

ملفوظ ②: چند جملوں کے اخیر میں واقع ہونے والا لفظی تناسب یا تو کلام اللہ میں ہوگا یا یا کلام الناس میں ہوگا؛ اگر کلام اللہ میں ہے تو اُس کو ”فاصلہ“ کہتے ہیں، اور کلام الناس میں ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کلامِ نثر میں ہوگا، یا کلامِ نظم میں ہوگا؛ اگر نثر میں ہے تو اُس کو

آیتِ ثانیہ: ق، قرآن مجید کی قسم! (ان کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا، بلکہ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود اُنہی میں سے (کیسے) آگیا، چنانچہ ان کافروں نے یہ کہا ہے کہ: یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔، یہاں دال اور باء قریب الخارج ہیں۔

آیتِ ثالثہ: ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس لیے اپنا لیا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں، اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اُس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔ اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبردار کرنے والا اُنہی میں سے آگیا، اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ: ”وہ جھوٹا جادوگر ہے، کیا اُس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ اور ان میں کے سردار لوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ: ”چلو، اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی، اور کچھ نہیں، یہ من گھڑت بات ہے۔“ یہاں باء، دال اور قاف قریب الخارج حروف ہیں۔ (علم البدیع)

① دو فقروں (وہ جملے جو فاصلہ پر ختم ہوتے ہیں) کا معنوی طور پر مغائر ہونا سجع کے لیے ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اگر فقرہ ثانیہ، فقرہ اولیٰ کے معنی میں ہوتے ہوئے معنوی طور پر تاکید پیدا کرتا ہو، یا فقرہ اولیٰ کی وضاحت کرتا ہو تو یہ بھی سجع میں داخل ہے؛ ایسا کلام الہی میں وارد ہے اور محمود بھی ہے؛ کیوں کہ یہ اطناب ہے اور اطناب بلاغت میں داخل ہے؛ ہاں! بلاوجہ معانی کا تکرار مذموم ہے۔

اطناب محمود کی مثال: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② إِلَهِ النَّاسِ ③﴾ [الناس: ۱-۲]؛ یہاں رب، ملک اور الہ کا ایک ہی معنی ہے؛ لیکن ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ میں باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ذکر ہے، ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ میں شان بادشاہت کا ذکر ہے اور ﴿إِلَهِ النَّاسِ﴾ میں اسی کے معبودِ برحق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (علم البدیع)

”سجع“ کہتے ہیں، اور نظم میں ہے تو اُس کو ”قافیہ“ کہتے ہیں؛ اور قافیہ کا سب سے پچھلا بار بار آنے والا حرف جس پر نظم و قصیدہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کو ”روی“ کہتے ہیں^①۔

سجع کی وہ اقسام جو کلام نثر و کلام شعر دونوں میں مشترک ہیں؛ وہ تین ہیں: ① مُرَّصَع، ② مُتَوَازِی، ③ مُطَرَّف ④۔

① سجع مُرَّصَع: وہ سجع ہے جس میں دو فقروں (سجع دار جملوں) میں سے ہر ایک کے تمام یا اکثر الفاظ وزن عروضی اور قافیہ میں دوسرے فقرے جیسے ہوں، ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝﴾ [انفطار ۱۳-۱۴]؛ ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝﴾ [الغاشیة: ۴۵-۴۶]۔

① شعر، وزن شعری، وزن عروضی، سجع، حرف روی

شعر: وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو (موزون و مقفی کلام)۔

وزن شعری: وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مقطع اور قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے؛ کل اوزان شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحوی نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امام اخفش نے پیش کیا ہے۔

وزن عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات و سکنات ہیں جو قواعد علم عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔ وزن شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: سبب (دو حروف)، وتد (تین حروف کے مجموعہ) اور فاصلہ (تین یا چار حروف کا مجموعہ) سے، ہر ایک کی بالترتیب مثالیں یہ ہیں؛ سبب، جیسے: لَكَ [//]، هَبْ [*/]، وتد، جیسے: نَعَمْ [*/]، مَا تَ [*/]؛ فاصلہ، جیسے: سَكُنُوا [*/]، قَتَلَهُمْ [*/]۔ آنے والی مثال میں: نَعِينِمْ جَحِينِمْ وتد مجموع اور سبب خفیف سے مرکب ہے۔

سجع: کلام منشور میں دو فاصلوں کے آخر الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل (حرکت و سکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝﴾ [انفطار ۱۳-۱۴]۔

ملحوظہ: اصطلاح میں مقفی الفاظ کو کہتے ہیں، خواہ وہ نظم میں استعمال ہوں یا نثر میں۔

روی: وہ حرف ہے جس پر نظم و قصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثال مذکور میں حرف ”میم“ روی ہے۔

② یاد رہے کہ مطرف نام کی دو اصطلاحات ہیں ایک جناس غیر تام کی قسم ہے اور ایک سجع کی قسم ہے۔

③ آیت اولیٰ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے؛ اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔

پس یہاں ﴿أَبْرَارَ، لَفِي﴾، یہ وزن اور قافیہ میں فُجَّارَ، لَفِي، کی طرح ہے اور نَعِينِمْ، جَحِينِمْ کی طرح ہیں؛

② سَجْع مُتَوَازِي: وہ سجع ہے جس کے صرف دو فاصلے وزن عروضی اور رَوِی میں متفق ہوں، جیسے: ﴿فِيهَا سُرُورٌ مَرْفُوعَةٌ ۝ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝﴾ [الغاشية: ۱۳-۱۴]؛ آپ ﷺ کی دعا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ سُورِهِمْ^①۔ (علم البدیع)

③ سَجْع مُطَرَّف: وہ سجع ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل (اخیری کلمے) وزن عروضی میں مختلف ہوں؛ البتہ رَوِی (حرفِ اخیر) میں متفق ہوں، جیسے: ﴿مَا لَكُمْ

۵ اور دونوں کا قافیہ حرف ”میم“ پر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت سمجھ لیں۔ آیت ثانیہ: یقین جانو ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

فائدہ: وزن عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے) آنے والی حرکات و سکنات ہیں جو قواعد علم عروض کے مطابق ہوں جس پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ وہ دس ہیں: فَعُولُنْ [*/*/]، مَقَاعِلُنْ [*/*/]، مُقَاعِلُنْ [*/*/]، فَاعِلَانْ [*/*/]، فَاعِلَانْ [*/*/]، فَاعِلَانْ [*/*/]، مُسْتَفْعِلُنْ [*/*/]، مُسْتَفْعِلُنْ [*/*/]، مُتَفَاعِلُنْ [*/*/]، مُتَفَاعِلَانْ [*/*/]، مُتَفَاعِلَانْ [*/*/]، مُتَفَاعِلَانْ [*/*/]۔ (میزان الذهب)

ملحوظہ: وزن عروضی میں حرف مشدد کو دو حروف شمار کیے جاتے ہیں؛ پہلا ساکن دوسرا متحرک، اسی طرح حرف منون کو بھی دو حروف شمار کیے جاتے ہیں؛ نیز حرکت کو حرکت کے مقابل کیا جاتا ہے؛ اگرچہ کسرہ فتح کے مقابل کیوں نہ ہو، اور سکون سکون کے مقابل ہوتا ہے۔ وزن عروضی تین چیزوں سے ترکیب پائی ہے: اسباب، اوتاد اور فواصل۔ (میزان الذهب) تفصیل کے لیے دستور الطلباء ملاحظہ فرمائیں۔

① ترجمہ: اُس میں اونچی اونچی نشستیں ہوں گی اور سامنے رکھے ہوئے پیالے۔ یہاں صرف دو فاصلے ﴿مَرْفُوعَةٌ﴾ اور ﴿مَوْضُوعَةٌ﴾ وزن اور رَوِی میں متفق ہیں؛ ورنہ دوسرے کلمات: ﴿فِيهَا سُرُورٌ - أَكْوَابٌ﴾ مختلف ہیں؛ جب کہ مرصع میں اکثر یا تمام کلمات وزن عروضی میں متفق تھے۔

فائدہ اولیٰ: اگر دو فاصلے صرف وزن میں متفق ہوں قافیہ میں متفق نہ ہوں تو اس کو ”موازنہ“ کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَنَمَارِقٌ مَّصْفُوفَةٌ ۝ وَزَرَائِي مَبْنُوتَةٌ ۝﴾ [الغاشية: ۱۵-۱۶]

یہاں ﴿مَصْفُوفَةٌ﴾ اور ﴿مَبْنُوتَةٌ﴾ دونوں وزن میں متفق ہیں کہ دونوں مفعول کے وزن پر ہے؛ لیکن قافیہ (حرف رَوِی) پہلے میں فاء ہے اور دوسرے میں ثاء ہے۔ (علم البدیع)

فائدہ ثانیہ: یاد رہے کہ جس طرح ایک شخص کے کلام میں سجع ہوا کرتا ہے اسی طرح دو شخصوں کے کلام میں بھی سجع ہوا کرتا ہے، جیسے آقائے مدنی ﷺ نے کسی کافر کے قاتل کے بارے میں دریافت فرمایا، تو صحابہ نے جواب دیا: ”ابن الأکوع“۔ اُی قتلہ ابن الأکوع۔ اس پر آپ ﷺ نے خوش خبری سنائی: لہ سلبہ أجمع! دیکھئے صحابہ کے جواب اور آپ کے حکم، دونوں کے اخیر میں حرف رَوِی عین ہے۔ (علم البدیع)

لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۖ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١﴾ [نوح: ۱۳-۱۴]

② **لُزُومٌ مَا لَا يُلْزَمُ:** وہ سجع ہے جس میں ناظم یا ناثر بعض یا اکثر فقروں میں حرفِ روی کے ماقبل حروف میں بلا تکلف یکسانیت کو برقرار رکھے، جیسے: ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۖ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۖ﴾ [الضحیٰ: ۹-۱۰]

③ **مُمَاثَلَت:** وہ کلام ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل صرف وزنِ عروضی میں متفق ہوں نہ کہ قافیہ کے حرفِ روی میں، جیسے: ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۖ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۖ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۖ﴾ [الطارق: ۱-۴]

سَجْعٌ قَصِير: وہ مسجع کلام ہے جس کی ترکیب میں کم از کم دو کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ دس کلمے ہوں، جیسے: ﴿وَالْمُرْسَلَتِ عُرْفًا ۖ فَالْعَصْفَتِ عَصْفًا ۖ وَالنَّشْرِتِ نَشْرًا ۖ فَالْفَرِقتِ فَرَقًا ۖ﴾ [المرسلات: ۱-۴]

① ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے؟ حالاں کہ اُس نے تمہیں تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا کیا ہے۔ یہاں ﴿وَقَارًا﴾ اور ﴿أَطْوَارًا﴾ کا وزن عروضی مختلف ہے؛ البتہ روی (حرفِ اخیر) دونوں میں راء ہے۔ (علم البدیع)

② ترجمہ: اب جو یتیم ہے تم اُس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہو اُسے جھڑکنا نہیں۔ یہاں آیت کے فواصل ﴿تَقْهَرْ﴾ اور ﴿تَنْهَرْ﴾ کے حرفِ اخیر (راء) میں یکسانیت کے ساتھ حرفِ ماقبل ہاء میں بھی یکسانیت ہے۔ (علم البدیع)

③ ترجمہ: قسم ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی، اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا ستارا! کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ یہاں ﴿طارق﴾، ﴿ثاقب﴾ اور ﴿حافظ﴾ وزن میں مماثل ہیں، قافیہ میں مماثل نہیں؛ کیوں کہ حرفِ روی قاف، باء اور ظاء ہے۔ (الزیادة)

سجع

سجع				
دو جملوں میں اتفاق صرف فواصل میں ہو		فواصل کے ساتھ تمام یا اکثر اجزاء میں اتفاق ہو		
وزن متفق	وزن مختلف	وزن متفق	رووی متفق	مرّج
رووی متفق	رووی متفق	رووی مختلف	ماقبل روی بھی متفق	
مُتَوَازِي	مُطَرِّف	مُمَاثَلَت	لُزُومٌ مَا لَا يُلْزَمُ	

﴿يَأْتِيهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾ [المدثر: ۱-۵]۔

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝﴾ [النجم: ۱-۳]۔

﴿اِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقَرٌّ ۝﴾ [القمر: ۱-۳]۔

سَجْع طویل: وہ سجع کلام ہے جس میں کم از کم گیارہ کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ بیس کلمے ہوں، جیسے: ﴿وَلَيْنُ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ، إِنَّهُ لَيَكُونُ مِنَّا كَافِرٌ ۝ وَلَيْنُ أَذَقْنَاهُ نَعَمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَّسْتَهُ لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي، إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝﴾ [ہود: ۹-۱۰]؛ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝﴾ [التوبة: ۱۲۸-۱۲۹]۔

① آیت اولیٰ: قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو ایک کے بعد ایک بھیجی جاتی ہیں، پھر جو آندھی بن کر زور سے چلتی ہیں، اور جو (بادلوں کو) خوب اچھی طرح پھیلا دیتی ہیں، پھر قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو حق اور باطل کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔ آیت ثانیہ: اے کپڑے میں لپیٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور گندگی سے کنارہ کرلو۔ آیت ثالثہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ آیت رابعہ: قیامت قریب آگئی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے، اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔

② آیت اولیٰ: اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، پھر وہ اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکر بن جاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں؛ (اس وقت) وہ اترا کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ آیت ثانیہ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے ۷

فقروں ① کی تساوی اور عدم تساوی کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہیں:

① جمع کے تمام فقرے تساوی ہوں، جیسے: ﴿فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۖ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۖ﴾ [الواقعة: ۲۸]؛ ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۖ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۖ﴾ ② [الضحیٰ: ۹-۱۰]۔

② جمع کا دوسرا فقرہ اعتدال کے ساتھ معمولی طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۖ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ﴾ ③ [النجم: ۱-۴]۔

③ جمع کے پہلے دو فقرے برابر برابر ہوں اور تیسرا فقرہ معمول طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿حُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۖ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۖ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۖ﴾ ④ [الحاقة: ۳۰-۳۲]۔

④ جمع کا دوسرا فقرہ پہلے فقرے کے بالمقابل معمولی اختصار لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿أَلَمْ

تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: ”میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“

① فقرہ اس جملے کو کہتے ہیں جو فاصلہ پر منتہی ہو اس کو ”قرینہ“ بھی کہتے ہیں؛ اور ہر فقرہ میں کم از کم دو الفاظ کا ہونا ضروری ہے، اور زیادہ سے زیادہ بیس الفاظ ہوتے ہیں، جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے۔

② آیت اولیٰ: (وہ عیش کریں گے) کائناتوں سے پاک بیڑیوں میں! اور اوپر تلے لدے ہوئے کیلے کے درختوں میں، اور دور تک پھیلے ہوئے سائے میں۔ آیت ثانیہ: اب جو یتیم ہے تم اُس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہو اُسے جھڑکنا نہیں۔

③ ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

④ ترجمہ: (ایسے شخص کے بارے میں حکم ہوگا: ”پکڑو اسے، اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، پھر اسے زنجروں میں پرو دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو۔“

تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَبِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ ﴿١﴾ [الفيل: ۱-۳]۔

﴿٢﴾ **رَدِّ عَجْزٍ عَلَى الصَّدْرِ:** (تصدیر شعری) دو مکرر یا متجانس یا ملحق بالمجانسین میں سے ایک لفظ کو بیت کے مصراعِ اول کے صدر، حشو یا عروض میں ذکر کرنا یا پھر مصراعِ ثانی کے صدر میں ذکر کرنا، اور دوسرے لفظ کو بیت کے اخیر (قافیہ) میں ذکر کرنا، جیسے شعر:

سَرِيعٌ إِلَى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ ۞ وَلَيْسَ إِلَى دَايِعِي التَّدْيِ بِسَرِيعٍ ﴿٣﴾
ملحوظہ: بیت کے دو مصرعے ہوتے ہیں، اول مصراع کو ”صدر“ اور ثانی کو ”عجز“ کہتے ہیں؛ لیکن یہاں صدر سے مراد مقابل حشو و عروض یعنی جزء اول۔

﴿٥﴾ **تَشْرِيعُ:** یہ ہے کہ نظم و نثر کی بنیاد دو قافیوں پر اس طرح ہو کہ: اگر کسی ایک قافیہ کو حذف کر دیا جائے، تب بھی اس کا مطلب صحیح رہے، جیسے: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ ... وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝: فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ؛ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ؛ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝﴾ ﴿٣﴾ [الواقعة]۔

① ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کیا اُس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ اور اُن پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے۔

② وہ آدمی اپنے چچا زاد بھائی کے چہرے پر طمانچہ مارنے میں بہت تیز ہے؛ حالاں کہ بخشش مانگنے والے کی طرف تیز نہیں ہے۔ (دروس)

مَنْ ذَا الَّذِي تَصَفُّوْا لَهُ "أَوْقَاثُهُ" ۞ ظَرًّا وَيَبْلُغُ كُلَّ مَا "يَخْتَارُهُ"

عروض: صدر یعنی مصراعِ اول کا جزء اخیر، جیسے: ہماری مثال میں: "أَوْقَاثُهُ"۔

ضرب: عجز یعنی مصراعِ ثانی کا جزء اخیر، جیسے: ہماری مثال میں: "يَخْتَارُهُ"۔

حشو: شعر کے عروض اور ضرب کے علاوہ اجزاء کو "حشو" کہا جاتا ہے۔

③ اور لوگ (قیامت کے دن) تین قسمیوں میں بٹ جائیں گے؛ چنانچہ جو داہنے ہاتھ والے ہیں، کیا کہنا اُن داہیں ہاتھ والوں کا! اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں کہ وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ اور جو سبقت لے جانے والے ہیں وہ تو ہے ہی سبقت لے جانے والے! دیکھیے: یہاں آٹھویں اور نویں آیت کے قافیہ والا فقرہ حذف کر کر دیا جائے ۝



• تو بھی مطلب صحیح رہتا ہے: ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝﴾؛ اس طرح ﴿مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُعْرِقُوا فَأَذْخَلُوا نَارًا؛ وَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا﴾ [نوح: ۲۵]۔
(الفوز الکبیر، الخیر الکثیر)

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي "عَمَّ الْوَرَى" ❁ مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرٌ "يَنْظُرُ"
لَوْ كَانَ مِثْلَكَ آخَرَ "فِي عَصْرِنَا" ❁ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ "مُعْسِرٌ"
ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخاوت مخلوق پر عام ہے، سخیوں میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی، اگر اس زمانہ میں آپ کی طرح کوئی دوسرا بھی بادشاہ ہوتا تو دنیا میں کوئی تنگ دست اور فقیر نہ رہتا۔ ان چار مصرعوں کے اخیرى الفاظ، یعنی: "عَمَّ الْوَرَى، يَنْظُرُ؛ فِي عَصْرِنَا، مُعْسِرٌ" کو اگر حذف کر دیا جائے تو بھی یہ دونوں اشعار کا مطلب صحیح باقی رہے گا، اور شعر یوں ہو جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي ❁ مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيرٌ
لَوْ كَانَ مِثْلَكَ آخَرَ ❁ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيرٌ
ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخیوں میں کوئی مثال نہیں ہے، اگر آپ کا مماثل کوئی اور بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی شخص فقیر نہ رہتا۔

حسانتہ

متعلق بہ تحسین کلام

ابتداء و انتہائے کلام

علمائے بلاغت نے متکلم کو اس بات پر آگاہ کیا ہے کہ: وہ اپنے کلام میں تین جگہوں پر اپنی فن کاری دکھائے: ① ابتداء کلام میں، ② ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے، یا قرآن وحدیث سے اقتباس کرنے، یا غیر کے کلام کو اپنے کلام کا جزو بنانے میں، یا کسی عبارت سے کوئی بات اشارۃً یا استنباطاً سمجھانے میں؛ ③ انتہائے کلام میں۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے: ①:

① حسن ابتداء، ② براعتِ استہلال، (وبراعتِ مطلع)، ③ حسن تخلص، ④ عنوان، ⑤ اقتضاب، ⑥ براعتِ طلب، ⑦ اقتباس، ⑧ استشہاد، ⑨ تضمین، ⑩ تلمیح، ⑪ حسن انتہاء، (وبراعتِ مقطع)۔

① **حُسْنِ اِبْتِدَا**: متکلم مقتضائے حال کے مطابق لطیف معانی اور بلند خیالات کی ادائیگی کے لیے اپنے کلام کے آغاز میں شریں کلمات، عمدہ ترکیبات لائے؛ تاکہ مخاطب ابتداء ہی سے اس کلام کی طرف راغب ہو کر مکمل دھیان سے سنے اور محفوظ کر لے، جیسے:

﴿الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝﴾ ②۔

ملفوظ: عربوں کی بلاغت قصائد سے آشکارا ہوتی ہے، وہ قصیدوں کے آغاز میں عجیب و غریب مناظر اور ہول ناک واقعات کا تذکرہ کر کے اپنے قصیدوں کو مزین کرتے تھے؛ اس

① ان مواقع میں فن کاری دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ: ایسے مواقع پر کلمات شریں، ترکیبات عمدہ اور مقتضائے حال کے مطابق لطیف و عمدہ معانی لائے۔ متکلم اگر ان مواقع میں فن کاری نہ دکھائے تو لوگ اس کے کلام کو قبیح اور عیب دار شمار کریں گے اور اس کے کلام سے کنارہ کشی اختیار کریں گے۔

② دیکھیے: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمان کو ذکر فرما کر انسان کو اپنے احسانات (انسان کی خلقت، و ترآن کا فہم وغیرہ) یاد دلانے ہیں۔ اسی طرح ممدوح کی تشریف آوری پر تعریف کرتے ہوئے شاعر نے کہا:

طَلَعْتُمْ بُدُورًا فِي أَعْرَ الْمَطَالِيعِ ۞ فَبَشَّرَنِي قَلْبِي بِسَعْدٍ طَوَالِيعِي

ترجمہ: آپ لوگ معزز مطلع میں چودھویں رات کی چاند کی طرح طلوع ہوئے، پس خوشخبری دی میرے دل نے میرے نصیب کے نیک بخت ہونے کی۔ (علم البدیع) بزیاۃ

لیے باری تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج اپنایا ہے، جیسے: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا،﴾؛ ﴿وَالذَّارِيَّاتِ ذُرْوًا، فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا﴾^①۔

② **بَرَاءَتِ اسْتِغْلَالِ**: یہ ہے کہ متکلم (مصنف) مقصود شروع کرنے سے پہلے آغاز کلام میں شریں کلمات اور عمدہ ترکیبات کے ساتھ مقصود کی طرف غمازی کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہ نمائی کریں، جیسے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝﴾ [الفاتحہ: ۱-۲]؛ ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ [النور: ۴]؛ ﴿الْزَكَاةُ أَكْمَلَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾^② [ہود: ۱۰۷]۔

① آیت اولیٰ: قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو پرے باندھ کر صف بناتے ہیں، پھر اُن (فرشتوں) کی جو جھڑک کر ڈانستے ہیں، پھر اُن (فرشتوں) کی جو احکام سن کر یاد کرتے ہیں؛ یعنی: فرشتے بھی اس ذاتِ عالی کے سامنے قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں اور احکامِ الہی کو سننے کے لیے اپنے مقام پر درجہ بہ درجہ کھڑے ہوتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم جو شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تاکہ استراقِ سمع کے ارادے میں کامیاب نہ ہوں، یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں، خصوصاً میدانِ جہاد میں کفار کے مقابلے پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے؛ اور احکامِ الہیہ کو سننے کے بعد دوسروں کو بتانے کے لیے پڑھتے ہیں۔

آیت ثانیہ: قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو گرد اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں، پھر اُن کی جو (بادلوں کا) بوجھ اُٹھاتی ہیں، پھر ان کی جو آسانی سے رواں دواں ہو جاتی ہیں، پھر اُن کی جو چیزیں تقسیم کرتی ہیں؛ یعنی: اوّل زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اُڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں، پھر اُن سے پانی برستا ہے، اس بوجھ کو اُٹھائے پھرتی ہیں، پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے، پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں؛ ان ہواؤں کی اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ دیکھیے: بعض علماء نے ”ذاریات“ سے ہوائیں، ”حاملات“ سے بادل، ”جاریات“ سے ستارے، ”مقسمات“ سے فرشتے مراد لیے ہیں۔ (الفوز الکبیر)

② ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب مہربان، بہت مہربان ہے۔ سورہ فاتحہ یہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے اور علومِ قرآن کا زینہ ہے؛ بیہقی نے سید التالبعین حسن بن یسار کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ: اللہ پاک نے ۱۰۴ کتابیں نازل فرمائیں جن کے علوم کو چار کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) میں جمع کر دیا ہے؛ پھر تورات، زبور اور انجیل کے علوم کو قرآن مجید میں محفوظ کر لیا ہے؛ اور قرآن مجید کے تمام علوم کو سورہ فاتحہ میں گھیر لیا ہے۔ چنانچہ اس میں:

① ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝﴾ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات کا تذکرہ ہے۔

ملفوظ: ابتدا کی تیسری صورت فتح ابتدا ہے، یعنی: وہ ابتدا جو شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیبات سے عاری ہو اور اس میں مقتضائے حال کی رعایت بھی نہ ہو۔

③ **بَرَاءَتِ مَطْلَعُ:** یہ ہے کہ ناظم و شاعر، مقصود شروع کرنے سے پہلے آغازِ کلام میں

② ﴿الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں معرفتِ نبوت کی طرف اشارہ ہے۔

③ ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں معرفتِ معاد کی طرف اشارہ ہے۔

④ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں علمِ العبادات کی طرف اشارہ ہے۔

⑤ ﴿إِيَّاكَ تَسْتَعِينُ﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں علمِ سلوک کی طرف اشارہ ہے۔

⑥ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ میں اُمم سابقہ اور قرونِ اولیٰ

کی طرف اشارہ ہے جن واقعات سے مطیعین کی سعادت اور عاصیوں کی شقاوت واضح ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے یہ مقاصد کو باری تعالیٰ نے عمدہ الفاظ، واضح ترکیبات، خوب صورت فواصل اور مختلف علوم بلاغت پر مختصر جملوں میں سمیٹ کر آگے آنے والے علوم قرآن کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نیز پہلی نازل ہونے والی سورہ اترے میں ﴿إِفْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ میں اللہ پاک نے وہ علوم جمع فرمائے ہیں جنہیں مد نظر رکھتے ہوئے اس سورت کو عنوانِ الکتاب سے تعبیر کرنا بالکل مناسب ہے۔ (الزیادة) فله الحمد في الأولى والآخرة.

آیت ثانیہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے۔ یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اُتاری ہے اور ذمہ پر لازم کی ہے۔ سورہ نور بعض نہایت ضروری احکام و حدود، امثال و مواعد، حقائق و توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات و اصطلاحات پر مشتمل ہے؛ اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ تاکہ مخاطبین سمجھ لیں کہ: اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ (ملخص من فوائد)

آیت ثالثہ: اَلرَّ؛ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے! یعنی: اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہے، اور اُن میں کوئی نقص نہیں!

جس طرح خطوط کے آغاز میں مرسل اور مرسل الیہ کے نام کی القاب کے ساتھ وضاحت ہوتی ہے، اس طرح باری تعالیٰ نے بھی مرسل (اپنی ذاتِ عالی) کا تذکرہ بہترین صفات میں فرما کر مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے؛ اس سورت میں عذابِ الہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا اتنی تاکید سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ: ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے!۔

(الفوز الکبیر، الزیادة والاحسان، فوائد، توضیح القرآن)

مقام کے مناسب شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات میں مقصود کی طرف غمازی کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہ نمائی کریں؛ کیوں یہ بات مشہور ہے: **إِنَّ الشَّعْرَ قُفْلٌ، وَأَوَّلُهُ مِفْتَاحٌ**؛ جیسے:

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَسَلَامٌ ﴿١﴾ خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَاهَا الْآيَاتُ ﴿٢﴾

③ **حُسْنُ تَخْلُصٍ**: ابتدائے کلام میں غیر مقصود کلام کو بطور تمہید و مقدمہ ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہو جانا ”حسن تخلص“ کہلاتا ہے؛ بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت ہو، جیسے: ﴿الرَّحْمَٰنُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ ﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنَّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ ﴿يُوسُفُ: ۱-۵﴾؛ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ...﴾ ﴿[الأعراف: ۱۸۹]

① یہ ایک ایسا محل ہے جس پر ہماری دعا و سلام پہنچے، اس کو زمانے نے اپنے جمال کا لباس عطا کیا ہے۔ (مصراع اول تہنیت و مبارکبادی کی جانب غمازی کرتا ہے)۔

② ترجمہ: الر، یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے، ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اتارا ہے جو عربی زبان میں ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جب کہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ”بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں، کیوں کہ شیطان انسان کو کھلا دشمن ہے۔

یہ سورت قصہ یوسف علیہ السلام کے لیے موضوع ہے، اس واقعہ کا افتتاح قرآن مجید کے تذکرہ سے فرمایا: اس میں ﴿الرَّحْمَٰنُ تِلْكَ﴾ میں حسن ابتدا ہے، اور ﴿أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ میں براعتِ استہلال ہے؛ پھر حسن تخلص ﴿نَحْنُ نَقُصُّ...﴾ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ﴿﴾ کے ذریعے افتتاح سے مقصود کی طرف انتقال فرمایا۔ (علم البدیع) بزیادہ

آیت ثانیہ: یہاں بہ طور مقدمہ آدم و حوا کا تذکرہ فرمایا ہے، پھر مطلق مرد و عورت کے احوال کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔

⑤ **عنوان:** متکلم کوئی اہم مضمون و واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس کو مکمل و مؤکد کرنے کے لیے چند مثالوں کو پیش کرے، ایسے الفاظ کے ذریعے جو اگلے واقعات یا نئے علوم کا عنوان ہوں؛ اس کی دو صورتیں ہیں:

① کلام کے دوران ایسے الفاظ ذکر کرنا جو نئے واقعہ کی تمہید ہو، جیسے: ﴿...وَأَثَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ ① [أعراف: ۱۷۵] ملحوظ: جہاں ہولناک مناظر یا اہم واقعات کو ذکر کرنا ہوتا ہے تو باری تعالیٰ اس مضمون کو اِذْ ظَرْفِیہ سے شروع فرماتے ہیں، جیسے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ...﴾ ② [الأعراف: ۱۷۲]۔

② نئے علوم کی تہ تک پہنچنے کا سرچشمہ ہو، جیسے: ﴿إِنظِلُّوْا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۝ لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ﴾ ③ [المرسلات: ۳۰]۔

⑥ **اِقْتِصَاب:** حسنِ تخلص سے قریب قریب ”اقتضاب“ بھی ہے اور وہ ابتدائے کلام

① ترجمہ: اور (اے رسول!) ان کو اُس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اہم مضمون بیان کرنا مثلاً: اپنا تعارف کرانا، احسانات جتلا نا، مطیعین کو نوازا نا، عاصیوں کو سزا دینا وغیرہ۔ دیکھئے! ﴿وَأَثَلْ...﴾ سے پہلے احوال بنی اسرائیل کا تذکرہ تھا؛ اب علمِ احکام کے بعد ان کے خلاف کرنے والے کی مثال بیان فرماتے ہوئے بلعام کے قصے کی ابتداء کی ہے۔

② ترجمہ: اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

③ ترجمہ: چلو اُس سائبان کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، جس میں نہ تو (ٹھنڈک والا) سایہ ہے اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچا سکتا ہے؛ قتادہ سے مروی ہے کہ: (میدانِ حشر میں) کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اُٹھے گا جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا! کہتے ہیں کہ: اُن میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا، ایک ٹکڑا سر کے اوپر سے سائبان کی طرح، دوسرا دائیں، تیسرا بائیں ہو جائے گا؛ حساب سے فارغ ہونے تک یہ لوگ اُسی سایہ کے نیچے کھڑے رہیں گے؛ اور ایمان دار نیک کردار عرشِ اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔ یہاں علمِ ہندسہ کی بنیاد یعنی شکلِ مثلث کا تذکرہ ہے جو اول الاشکال ہے۔ (الزیادۃ، کشاف)

میں بطور تمہید و مقدمہ کو ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہو جانا ”اقتضاب“ کہلاتا ہے، بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت نہ ہو، جیسے آیت میں:

لفظ ”ہذا“ ﴿هَذَا وَإِنَّ لِلطَّغِينَ لَشَرَّ مَأْبٍ﴾^① [ص: ۵۵]۔

ملفوظ: ① حمد و صلاۃ کے بعد قائل کا قول ”أَمَّا بَعْدُ“ کہنا، اسی طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے کے لیے لفظ ”ہذا“ کہنا، اسی طرح ”هَذَا بَابٌ“ اور ”هَذَا فَضْلٌ“ بھی اقتضاب ہی کے قبیل سے ہے^②۔ (علم البدیع)

ملفوظ: ② استطراد۔ جس کا تذکرہ محسنات معنویہ میں گذر چکا۔ اور حسن تخلص کے درمیان فرق یہ ہے کہ: حسن تخلص میں مقصود کی طرف انتقال کے بعد تمہید کی طرف عود کرنا نہیں ہوتا جب کہ استطراد میں غرض اول کی طرف عود ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

ملفوظ: ③ قرآن مجید میں سورت کے درمیان نہایت مفید مضمون (حمد و ثناء، احسان و امتنان، وعدہ و وعید) کو اسلوب بدیع (انوکھے بلیغ کلام) سے ذکر فرماتے ہیں، جیسے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ؛ اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [النمل: ۵۹]؛ ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾^④ [الحج: ۳۹]۔

(الفوز الکبیر)

① یہ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے، اب آگے شریروں کا انجام سن لو کہ ان شریروں کے واسطے برا ٹھکانا ہے؛ یہاں پرہیزگاروں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد شریروں کے انجام کو ذکر کرنے کی طرف منتقل ہونے کے لیے ”ہذا“ کو استعمال کیا ہے۔

② ملحوظہ: صحیح قول کے مطابق قرآن کریم میں بلا تکلف حسن تخلص اور اقتضاب پائے گئے ہیں۔

③ آیت ثانیہ: جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دمناس کے لیے لڑیں)؛ کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین جانو! کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ یعنی: مسلمان اپنی قلت اور بے سروسامانی پر نہ گھبرائیں، اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کر سکتا ہے؛ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کو نصرت و امداد کا وعدہ تھا، جیسے دنیا کے بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان و قار و استغناء دکھلانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ: ہاں! تمہارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔ (نواب عثمانی)

④ **بَرَأَتِ طَلَب:** یہ ہے کہ متکلم اپنی طلب کی صراحت کئے بغیر، انوکھے انداز پر اپنی مراد کی طرف اشارہ کر دے، جیسے: ﴿وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ، فَقَالَ: رَبِّ! إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي، وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ؛ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ﴾ [ہود: ۷۵]؛ اور شاعر کا شعر:

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيكَ فَطَانَةٌ ﴿﴾ سَكُوتِي كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابٌ ①

⑤ **اِقْتِبَاس:** متکلم کا قرآن یا حدیث کے کسی حصے کو۔ بغیر حوالہ دیے۔ اپنے کلام نثر یا کلام شعر کا جزو بنالینا، جیسے: حریری کا قول: ”أَنَا أَنْبِئُكُمْ بِتَأْوِيلِ“ وَأُمَيَّزَ صَحِيحُ الْقَوْلِ مِنْ عَلِيلِهِ؛ اور شعر کی مثال:

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابَ مَا لِظُلُومٍ ﴿﴾ مَا ”مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ“ ②
ملفوظ: اقتباس کرتے ہوئے وزنِ شعری کی رعایت میں مقتبس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرتے ہیں؛ لیکن اگر مقتبس کے الفاظ میں زیادہ تبدیلی کی ہے تو وہ اقتباس سے نکل کر عقد و حل میں داخل ہو جائے گا۔
معمولی تبدیلی کی مثال:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ ﴿﴾ نعم! ﴿وَأَنْ سَعْيُهُ سَوْفَ يُرَى﴾
⑥ **اِسْتِشْهَاد:** متکلم قرآن کریم یا حدیث نبوی کے کسی حصے کو حوالہ اور صراحت کے

① مثالِ اوّل: اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: ”اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر ہے۔“ یعنی: آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اُسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے وہ اس کے حق میں بھی پورا ہو جائے۔

مثالِ ثانی: میرے دل میں چند مرادیں ہیں، اور تجھ میں ایسی دانائی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے میرا چپ رہنا ہی کلام اور خطاب ہے۔ اسی طرح جیسے بھوکے سے پوچھا جائے کہ: دو اور دو (۲+۲) کتنے ہوئے؟ اس پر جواب دے: چار روٹی! یہاں اس سے روٹی کا سوال ہی نہ تھا؛ لیکن اس نے جواب میں اپنی مراد کی طرف لطیف اشارہ کر دیا۔

② مثالِ دوم: جب یومِ حساب میں بڑے ظالم کی سزا آ پہنچے گی ”تب نہ کوئی ایسا دوست اور سفارشی ہوگا جس کی بات کی شنوائی ہو سکے۔“ یہاں شعر کا دوسرا مصرع قرآن پاک سے مقتبس ہے جو سورہ مؤمن کی اٹھارہویں آیت ہے۔

ساتھ اپنے کلام میں شامل کر لے، اسی کو ”استدلال“ بھی کہتے ہیں، جیسے: یوں کہے: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: يَا قَالِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إلخ وغیرہ۔ (علم البدیع)

⑩ **تَضْمِينُ:** (ایداع) اس کی دوصورتیں ہیں: ① متکلم معنی میں تاکید پیدا کرنے یا نظم کی ترتیب باقی رکھنے کے لیے اپنے کلام کے دوران غیر کے کلام کو داخل کر لے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِذَا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ... وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ...﴾، وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ... وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ... فَاحْكُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ ﴿[المائدة: ۴۴-۴۵]؛ اور جیسے شعر:

وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ ❖ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنِ ①
② شاعر کا اپنے شعر میں دوسرے کے غیر مشہور شعر کو تضمین کی وضاحت کرتے ہوئے
اپنے شعر میں ملا دینا، جیسے:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِي وَخِفْتُ الْعِدَى ❖ تَمَثَّلْتُ بَيْنًا بِحَالِي يَلِيقُ
”فَبِاللَّهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِي ❖ بِاللَّهِ أَدْفَعُ مَا لَا أُطِيقُ“ ②

① بے شک ہم نے تورات نازل کی تھی ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فرما بردار تھے۔ اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے... اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ: جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ... اور (اے رسول اللہ ﷺ!) ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے؛ لہذا ان (یہودی اور عیسائی) لوگوں کے درمیان اُسی کے مطابق فیصلہ کرو! جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

مثال ثانی: جب تم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنا چاہو ”تو لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ“۔ اس جگہ دوسرا مصرع حدیث پاک سے اقتباس ہے، جس کو امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں ”أبواب البر والصلة“ میں روایت فرمایا ہے؛ شاعر نے آیت وحدیث دونوں کو اپنے شعر کا جزء بنالیا ہے، اور حوالہ نہیں دیا ہے۔

② جب میرا سینہ تنگ ہو گیا اور میں دشمنوں کا خوف محسوس کرنے لگا تو میں نے اپنے حال کی تمثیل دوسرے شاعر کے ایسے شعر سے بیان کی جو میری حالت کے زیادہ مناسب تھی، ”سو میں اللہ ہی (کی مدد و نصرت) سے اپنی مراد پاتا ہوں، اور اللہ ہی (کی نصرت) سے ایسے ضرر کو دور کرتا ہوں جس کو دفع کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں“۔ (علم بدیع و دروس)

⑪ **تَلْمِیح:** یہ اقتباس اور تضمین سے قریب قریب ہے؛ وہ یہ ہے کہ: شاعر یا ناثر اپنے کلام میں کسی واقعہ یا رائج کہاوت یا مشہور شعر کی جانب بغیر تذکرہ کیے صرف اشارہ کر دے، جیسے:

﴿هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ﴾ [یوسف: ۶۶]۔

لَئِنْ أَصْبَحْتُ مُرْتَحِلًا بِشَخْصِي ❀ فَرُوحِي عِنْدَكُمْ أَبَدًا مُقِيمٌ
وَلَكِنْ لِلْعِيَانِ لَطِيفٌ مَعْنَى ❀ لَهُ "سَأَلَ الْمُعَايَنَةَ الْكَلِيمُ" ①

⑫ **حَسَنِ انْتِهَاء:** (حسن ختام) ناظم و ناثر منتہائے کلام میں شیریں کلمات، عمدہ ترکیبات اور صحیح المعنی عبارت لائے؛ تاکہ مخاطب اُن لطیف معانی اور بلند خیالات کو اپنے ذہن میں مرتسم کر لے، اور کلام کے اختتام کی طرف غمازی کرے، جیسے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [الحجر: ۹۹]؛ الْيَقِينُ أَي: الموت؛ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ② [الزلزال: ۷-۸]۔

① مثال اول: والد نہ کہا: ”کیا میں اُس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟۔ یہاں حضرت یوسفؑ کے بابت بھائیوں کی خیانت سابقہ کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

مثال ثانی: اگر میرا جسم کوچ بھی کر جائے تو بھی میری روح تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گی؛ اور مشاہدہ کرنا یہ ایک نازک حقیقت ہے اسی بناء پر تو (غایت اشتیاق میں) کلیم اللہ نے مشاہدہ ذات کی درخواست: ﴿رَبِّ ارْنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ﴾ سے فرمائی تھی۔ یہاں شاعر نے اپنے شعر میں واقعہ موسیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (علم البدیع)

② آیت اولیٰ: اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔ آیت ثانیہ: چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔ دیکھیے: ان تمام جگہوں میں موت، حشر و نشر اور حساب و کتاب کا تذکرہ فرما کر خاتمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الزیادۃ والاحسان) اور جیسے شاعر کا شعر:

وَإِنِّي جَدِيرٌ إِذْ بَلَغْتُكَ بِالْمُنَى ❀ وَأَنْتَ بِمَا أَمَلْتُ مِنْكَ جَدِيرٌ

فَإِنْ تُؤَلِّنِي مِنْكَ الْجَمِيلُ فَأَهْلُهُ ❀ وَإِلَّا فَإِنِّي عَاذِرٌ وَشَاكُورٌ

ترجمہ: یہاں شاعر نے خصب بن عبد الحمید مرادی کے مدحیہ قصیدے کی انتہاء میں شکر اور قبولیت عذر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (علم البدیع) مثال مذکور کے دعائیہ کلمات سن کر مخاطب سمجھ جائے گا کہ شاعر کا قصیدہ ختم ہو رہا ہے، اب اُسے مسزید کلام کا انتظار نہیں رہے گا۔

ملحوظہ: بہ قول حضرت شاہ صاحب: سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے، جیسا کہ سلاطین اپنے فرامین کے اختتام میں جامع کلمات، نادر وصیتوں اور احکام مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں؛ اسی طرح باری تعالیٰ نے سورتوں کے آخر میں جامع کلمات، پُر حکمت باتیں سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں، جیسے: ﴿فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾^① [الذاریت: ۵۹]۔

۱۳) **بَرَاعَتِ مَقْطَع:** ناظم (شاعر) منتہائے قصیدہ میں مقتضائے حال کے مطابق شریں کلمات، عمدہ ترکیبات لائے؛ تاکہ مخاطب اُن لطیف معانی اور بلند خیالات کو اپنے ذہن میں مرتسم کر لے، اور کلام کے اختتام کی طرف غمازی کرے، جیسے:

بَقِيَتْ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ ❖ وَهَذَا دُعَاءُ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلٌ^②



① ”اب تو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، اُن کی بھی ایسی ہی باری آئے گی جیسے ان کے (پچھلے) ساتھیوں کی باری آئی تھی؛ اس لیے وہ مجھ سے جلدی (عذاب لانے) کا مطالبہ نہ کریں؛ غرضجن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن کی اُس دن کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“ دیکھیے کس قدر سخت ظالمین و کافرین کو کس قدر سخت ڈانٹ پلائی ہے۔ (الفوز الکبیر، توشیح القرآن)

② اے اہل زمانہ کی جائے پناہ! میری دعا ہے کہ آپ ابد الابد تک زندہ و پائندہ رہیں اور میری یہ دعا تمام مخلوق کو عام و تمام ہو۔ (علم البدیع)

ضمیمہ: سرقاتِ شعرِیہ

متکلم اپنے مضمون کو پختہ کرنے اور اس میں حسن و جمال کو پیدا کرنے کے لیے فترآن و حدیث سے یا کسی دوسرے ناظم و ناثر کے کلام سے اقتباس کرتا ہے، اور وہ دو قسموں پر ہے:

قسم اول: بعض صورتوں میں کلام کی بلاغت اور پختگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جیسے: اقتباس، استشہاد، تضمین اور تلویح میں ہوتا ہے۔

قسم ثانی: بعض صورتوں میں متکلم کا کلام کسی جگہ ابلغ، اور کسی جگہ غیر مدوح ہو جاتا ہے تو کسی جگہ مذموم ہو کر رہ جاتا ہے، جیسے: المام و سلخ، اغارہ و مسخ، نسخ و انتحال، عقد اور حل میں ہوتا ہے۔

ملحوظہ: قسم ثانی کی اقسام کو ”سرقاتِ شعرِیہ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ طَرْدًا لِلْبَابِ اخیر میں اس کو بھی ذکر کر لیا گیا ہے۔ تعریفات کے بعد تمام کو ایک نقشہ میں آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:

سرقاتِ شعرِیہ

علمِ بدیع میں سرقاتِ شعرِیہ سے بھی بحث ہوتی ہے؛ یہاں بھی طرد اللباب اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔

سرقۃ کلام: ① نسخ و انتحال، ② مسخ و اغارہ، ③ سلخ و المام۔

سرقۃ: یہ ہے کہ کوئی ناظم یا ناثر غیر کے نظم و نشر کو بعینہ یا اس کے معنی لے کر اپنی طرف منسوب کر دے۔ یہ فعل کبھی مدوح ہوتا ہے تو کبھی مذموم بھی شمار کیا جاتا ہے۔

مذموم سرقۃ کلام کی تین صورتیں ہیں: نسخ و انتحال، مسخ و اغارہ، سلخ و المام۔

① **نسخ و انتحال:** ایک شاعر کا دوسرے شاعر کے: ① جملہ الفاظ مع معنی کو، ② یا بیشتر الفاظ مع معنی کو نظم کلام میں تغیر کیے بغیر اپنی جانب منسوب کر دینا، جیسے: عبداللہ بن زبیر نے مُعَن بن اوسِ مِزَنی کے مندرجہ ذیل اشعار کو حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے من و عن پڑھ کر اپنی طرف منسوب کر لیا تھا:

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ ❖ عَلَى طَرْفِ الْهَجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ
وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيْمَهُ ❖ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلٌ ①
حکم: یہ قسم سرقہ محضہ ہونے کی بناء پر نہایت مذموم ہے، جیسے: كَانَ بُشَيْرٌ رَجُلًا مُنَافِقًا،
يَقُولُ الشَّعْرَ - يَهْجُو بِهِ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ - ثُمَّ يَنْحَلُهُ بَعْضُ الْعَرَبِ ②. [ترمذی]
ملفوظ: سرقہ کی اس قسم سے قریب یہ قسم بھی ہے کہ: شاعر یا ناثر دوسرے کے شعر کو نظم
و ترتیب میں تغیر کے بغیر متضاد معانی والے الفاظ سے بدل دے، جیسے: آل جفہ کی مدح میں
حضرت حسان بن ثابتؓ کے آنے والے شعر کا کسی نے سرقہ کیا ہے۔ حضرت حسان کا شعر:
بِيضُ الْوُجُوهِ كَرِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ❖ شُمُّ الْأَنْوْفِ مِنَ الطَّرَازِ الْأَوَّلِ ③
کسی شاعر نے مدح کے متضاد معنی (ہجو) بیان کرنے کے لیے اسی نظم و ترتیب کو باقی
رکھتے ہوئے شعر کہا ہے:

① جب تو اپنے بھائی کے حقوق ادا نہ کرے اور وہ بھائی اگر عقل مند ہوگا تو کنارہ کشی اختیار کر لے گا؛ اور تیرے اس
پر ظلم کرنے کی صورت میں اگر وہ تلوار کی تیزی سے خلاصی کی کوئی راہ نہ پائے تو تلوار کی دھار پر چلنا بھی گوارا کر لے گا۔ یہ
اشعار عبداللہ بن زبیر نے سنا دیئے اس کے کچھ دیر بعد مُعْنُ بن اوس شاعر آئے اور انہوں نے ایک پورا قصیدہ سنایا جس
میں یہ دو اشعار بھی تھے تب معلوم ہوا کہ عبداللہ نے سرقہ کیا ہے۔ (علم البدیع، دروس)

② مدینہ میں ایک بُشیر نامی منافق تھا جو از خود صحابہ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، پھر بعض عربوں کی طرف عنایت
انتساب کرتا تھا؛ صحابہ جب ان اشعار کو سنتے تو کہتے: یہ خدایہ اشعار اسی خبیث نے ہی کہے ہیں۔

فائدہ: شاعر کا عام غرض (سناوت و شجاعت، فقر و غنی، ذہانت و بلاغت وغیرہ) کو بیان کرنے میں مخصوص طریقہ تعبیر
(مثلاً: خوب صورت عورت کو شمس و قمر سے، سخی کو بحر و بادل سے، غنی کو حجر و حمار سے اور شجاع کو سیف و نار سے تشبیہ دینا؛ اسد
کا استعارہ بہادر کے لیے کرنا؛ کثیر الرماد اور مہزول لفصیل سے کرم کا کنایہ کرنا) کو استعمال میں لانا؛ سرقاتِ شعریہ شمار نہ
ہوگا۔ (علم البدیع)

③ میرے مدوح گورے چہرے والے، معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں؛ بلند ناک والے، اوّل درجے

کے ہیں۔

سُوْدُ الْوُجُوْهِ لَيْئِمَةٌ اَحْسَابُهُمْ ﴿۱﴾ فُطْسُ الْاُتُوْفِ مِنَ الطَّرَازِ الْاٰخِرِ ﴿۱﴾
۲) مسخ و اغارہ: ایک شاعر کا دوسرے شاعر کے کلام کو: ۱۔ نظم کلام میں تبدیلی کر کے
 الفاظ و معنی لینا، ۲۔ یا بعض الفاظ میں تبدیلی کر کے معنی لینا۔

حکم: ماخوذ شعر ماخوذ منہ سے حسن ترتیب، اختصار، ایضاح اور زیادتی معنی کی وجہ سے
 ابلغ ہو تو ماخوذ شعر مقبول اور مدوح ہوگا، ورنہ الفضل للمتقدم کے قبیل سے ہوگا۔
 مسخ مقبول کی مثال: سلم الحاسر تلمیذ نے اپنے استاذ بشار کے شعر کا معنی ادا کیا تھا، اس پر
 بشار نے کہا تھا: ذَهَبَ وَاللّٰهِ بَيْتِيْ، فَهُوَ - اَي: بَيْتُ سَلَمٍ - اَخْفٌ وَاَعْدَبُ؛ پہلا بشار کا
 شعر ہے اور دوسرا سلم خاسر کا شعر ہے:

مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ وَلَمْ يَظْفَرْ بِحَاجَتِهِ ﴿۲﴾ وَفَارَ بِالطَّيِّبِ الْفَاتِكُ اللَّهْجُ
 مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ مَاتَ غَمًّا ﴿۲﴾ وَفَارَ بِاللَّذَّةِ الْجَسُورُ ﴿۳﴾
 مسخ مردود کی مثال ابو تمام کا شعر ہے جس کے معنی کو ابو الطیب نے اس طور پر ادا کیا ہے:
 پہلا ابو تمام کا شعر ہے، اور دوسرا ابو الطیب کا شعر ہے:

هِيَاهُ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ ﴿۳﴾ إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيلٌ ﴿۳﴾
 أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاوُهُ فَسَخَا بِهِ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ يَكُونُ بِهِ الزَّمَانُ بِخَيْلًا ﴿۳﴾

① وہ لوگ سیاہ فام ہیں، رذیل خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں؛ ان کی ناک چپٹی ہے انخیری درجے کے ہیں۔
 (علم البدیع، درس)

② دیکھئے! سلم کا شعر (دوسرا) مختصر ہے اور بہتر سانچہ میں ڈھالا ہوا ہے، لہذا سلم کا شعر مقبول ہوگا۔

③ یہ بات دور ہوگئی کہ: زمانہ میرے مدوح جیسا سخی پیش کرے؛ یقیناً زمانہ اس کا مثل لانے میں بخیل ہے۔

④ میرے مدوح کی سخاوت زمانے پے چھاگئی، تب زمانے نے میرے مدوح کی سخاوت کی؛ ورنہ زمانہ تو اس کی
 سخاوت پر (بھی) بخیل ہو رہا تھا۔

دیکھئے! ابو الطیب کے مصراع ثانی کے مقابلے میں ابو تمام کے بیت کا مصراع ثانی بہتر سانچہ میں ہے؛ کیوں کہ ابو
 الطیب یہ کہنا چاہتا ہے کہ: کان الزمان به بخيلا، ”زمانہ میرے مدوح کی سخاوت کے بارے میں بخیل ہوتا“؛

③ **سلخ و الامام:** ایک شاعر دوسرے شاعر کا صرف معنی و مضمون لے، الفاظ نہ لے؛ اور دوسرا کلام پہلے کے مقابلے میں کم درجہ یا برابر ہو، جیسے: ابو تمام نے عتبی کا وہ مضمون لیا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا تھا؛ پہلا شعر عتبی کا ہے، اور دوسرا شعر ابو تمام کا ہے:

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا ❖ إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ لَا يُحْمَدُ ①

وَقَدْ كَانَ يُدْعَى لَا بِسَ الصَّبْرِ حَازِمًا ❖ فَأَصْبَحَ يُدْعَى حَازِمًا حِينَ يَجْزَعُ ②
: اوپر ذکر کردہ تین قسمیں سرقہ کلام کی تھیں، ان کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جو ملحقاتِ سرقہ کہلاتی ہیں؛ اور وہ آٹھ ہیں: ① اقتباس، ② تضمین، ③ عقد، ④ حل، ⑤ تلمیح، ⑥ حسن ابتداء، ⑦ تخلُّص، ⑧ حسن انتہاء۔

ملفوظ: ان میں سے چھ کا بیان خاتمہ میں ہو گیا ہے؛ دو کا تذکرہ یہاں ہے:

① **عقد:** دوسرے کے کلام منشور کو۔ لا علی وجہ الاقتباس۔ کلام منظوم بنا دینا، جیسے: ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾؛ اور حضرت علیؑ کا فرمان: مَا لَا بَنِ آدَمَ وَالْفَخْرِ، وَإِنَّمَا أَوَّلُهُ نُطْفَةٌ، وَآخِرُهُ جِنْفَةٌ ③؛ شاعر نے اس آیت کو یوں نظم کیا ہے:

لیکن وزن شعری کی رعایت میں بجائے ماضی کے فعل مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جو بخلِ زمانہ کو اتنا یقینی نہیں بتاتا جو فعل ماضی بتایا کرتا ہے؛ جب کہ ابو تمام نے اسی مضمون کو جملہ اسمیہ کی صورت میں ادا کیا ہے جس میں دوام و استمرار پایا جاتا ہے۔ (علم البدیع و دروس)

① پریشانی کے مواقع پر صبر کرنا قابل ستائش ہے؛ سوائے تیری موت کے کہ: اس پر صبر کرنا قابل ستائش نہیں!
② کسی زمانے میں صبر کا جامہ پہننے والا مستقل مزاج کہا جاتا تھا؛ مگر آج مستقل مزاج اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ بے صبری کرے۔

یہ دونوں اشعار برابر ہیں؛ ہاں! بعض حضرات نے کہا ہے کہ: ابو تمام کا شعر ابلیغ ہے؛ کیوں کہ اس کے قول ”لَا بِسَ الصَّبْرِ“ میں استعارہ ہے، اور استعارہ حقیقت کے بالمقابل ابلیغ ہوتا ہے۔ (علم البدیع)
حکم: دوسرا شعر عمدہ ہو تو وہ بلیغ شمار ہوگا؛ پہلا شعر عمدہ ہو تو ثانی مذموم شمار ہوگا اور اگر دونوں برابر ہوں تو ثانی مذموم نہ ہوگا۔

③ مثال اول: ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لیے اُدھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ مثال ثانی: ابن آدم کو فر سے کیا جوڑ؟ کیوں کہ اس کی ابتداء نطفہ ہے اور انتہاء مردہ ہو جانا ہے۔

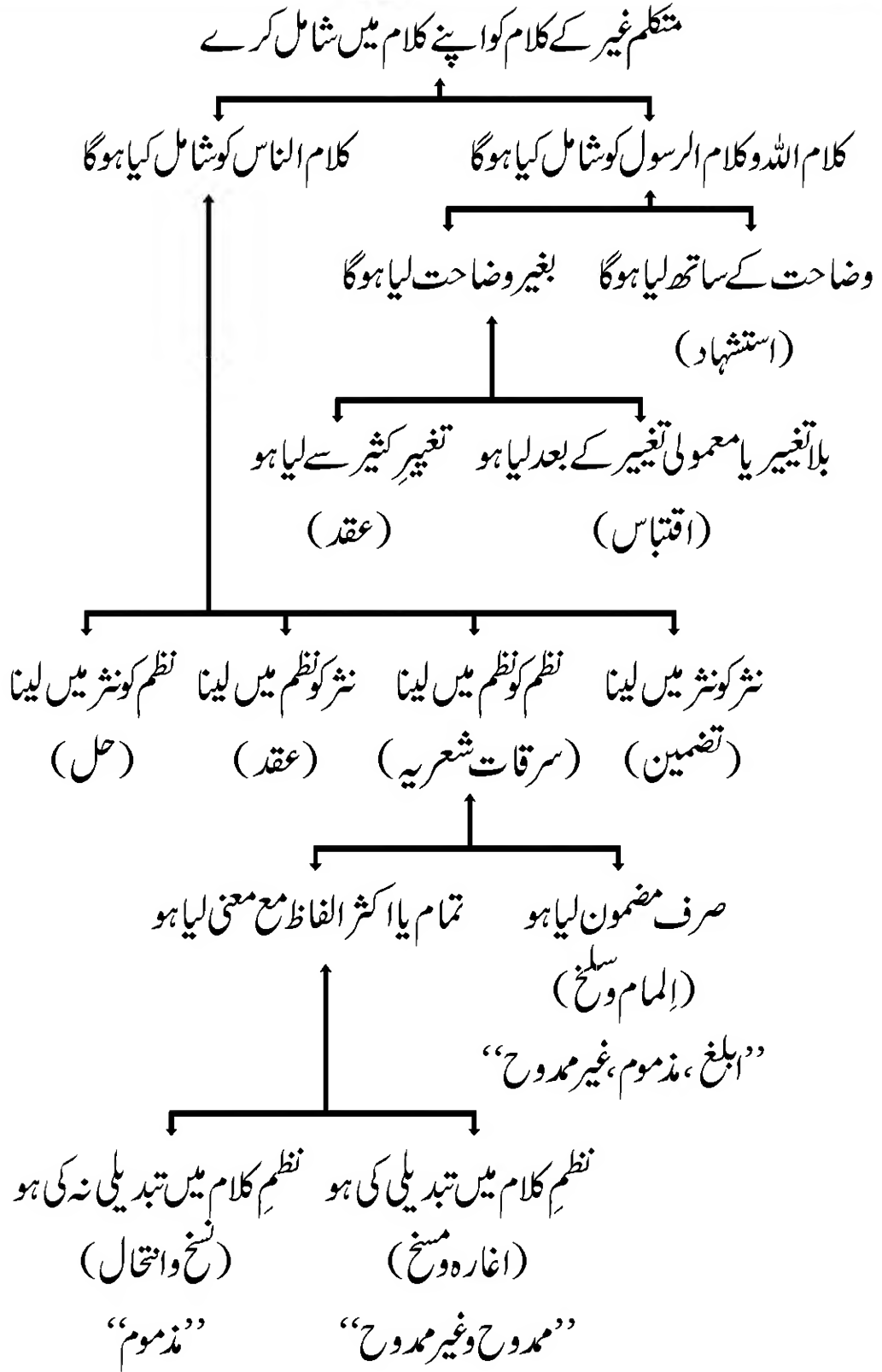
فَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْبَرَايَا ❖ عَتَتْ لَجَلَالِ هَيْبَتِهِ الْوُجُوهُ
 يَقُولُ: ”إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ❖ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَآكُتُبُوهُ“^①
 شاعر نے حضرت علیؓ کے کلامِ منشور کو نظم میں منتقل کر کے یوں کہا ہے:
 مَا بَالُ مَنْ - أَوَّلُهُ نُظْفَةٌ ❖ وَجِيفَةٌ آخِرُهُ - يَفْخَرُ^②
 ② **حل:** یہ ہے کہ کسی شاعر کے کلامِ منظوم کو کلامِ منشور بنادینا، جیسے: شاعر کا قول:
 إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُودُكُمْ ❖ وَتُذْنِبُونَ فَنَأْتِيَكُمْ وَنَعْتَذِرُ^③
 اسی کلامِ منظوم کو کسی نثر نگار نے نثر کی طرف منتقل کر کے یوں کہا ہے: الْعِيَادَةُ سُنَّةٌ
 مَا جُورَةٌ وَمَكْرَمَةٌ مَّا ثُورَةٌ، وَمَعَ هَذَا فَنَحْنُ الْمَرْضَى وَنَحْنُ الْعَوَادُ، وَكُلُّ وَدَادٍ لَا يَدُومُ
 فَلَيْسَ بِوَدَادٍ^④.

① عقد کی شرط یہ ہے کہ: مآخوذ منہ کے جملہ یا اکثر الفاظ کو اپنے کلام میں ذکر کرے؛ ہاں وزنِ شعری کے لیے کچھ کمی پیشی کر لے۔

② جس کی ابتداء نطفہ ہو، اور انتہاء مردہ ہونا ہو، وہ بھلا کیا فخر کرے!

③ جب ہم بیمار ہوتے ہیں اس وقت بھی ہم تمہارے پاس آکر تمہاری عیادت کرتے ہیں؛ اور جب تم غلطی کرتے ہو تو بھی ہم تمہارے پاس آکر تم سے معذرت کرتے ہیں۔

④ عیادت کرنا ایسی سنت ہے جو موجبِ اجر ہے، اور ایسی خصلت ہے جو پہلوں سے چلی آرہی ہے، اس کے باوجود ہم ہی بیمار بھی ہوتے ہیں اور ہم ہی عیادت بھی کرتے ہیں، اور ہر ایسی محبت جو دائمی نہ ہو وہ محبت ہی نہیں۔



ضروری اصطلاحاتِ شعر یہ مع ملحقات

نشر: (مقابلِ نظم) ایسا کلام جس میں وزن اور قافیہ نہ ہو، اس کی چار قسمیں ہیں: عاری، مرجز، مستحج، مقفی ①۔

فائدہ: نثر کی تعریف کتابوں میں یہی ہے کہ جس میں وزن اور قافیہ کی قید نہ ہو؛ مگر نثر مرجز میں وزن اور غیر مقفی میں قافیہ ضرور ہوتا ہے۔ (آئینہ بلاغت)

نظم: موزون کلام؛ چاہے منظوم ہو یا منشور۔

نظمِ ترآنی: قرآنِ پاک کے وہ (موتیوں جیسے) الفاظ اور (مخصوص وزنِ قرآنی میں ملبوس) عبارات ہیں جن پر قرآنِ پاک کے مکتوبہ اوراق مشتمل ہیں۔

وزنِ ترآنی: باری تعالیٰ نے سانس کی فطری درازی کو قرآنِ مجید کا وزن بنایا ہے، اور اسی پر آیاتِ کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، یعنی: سانس کے چھوٹے بڑے ہونے کا لحاظ کر کے قرآنِ مجید میں آیات کو موزون کیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی تازہ سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عاری: وہ نثر ہے جس میں نہ وزن کی قید ہو، نہ قافیہ کی اور نہ ہی اس میں رعایات و مناسبات لفظی ہوں۔ (آئینہ بلاغت)

مرجز: وہ نثر کہ جس میں وزن ہو؛ مگر قافیہ نہ ہو۔

مستحج: وہ نثر جس کے دو فقروں کے تمام الفاظ ایک دوسرے کے ہم وزن اور حروفِ آخر میں بھی موافق ہوں، جیسے:

ترتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
الفاظ	پونڈا (گنا)	پھیکا	اتنا	بُرا کہ:	جس کی	برائی	بیان سے	باہر ہے
الفاظ	پونڈا	ٹیٹھا	ایسا	بھلا کہ:	اُس کی	بھلائی	گمان سے	بڑھ کر

مُقفی: وہ نثر جس میں وزن نہ ہو؛ مگر آخری الفاظ میں قافیہ ہو، جیسے: تَفَقُّد نامہ نامی میں صورتِ عز و شرفِ نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی۔ / حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے؟ آپ کا التفات موجبِ مباحات ہے۔

تجمع: کلام منشور میں دو فاصلوں کے آخر الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل (حرکت و سکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝﴾ [انفطار ۱۳-۱۴]۔

ملفوظ: اصطلاح میں مقفی الفاظ کو کہتے ہیں، خواہ وہ نظم میں استعمال ہوں یا نثر میں۔
روی: وہ حرف ہے جس پر نظم و قصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثال مذکور میں حرف ”میم“ روی ہے۔

شعر: وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو (موزون و مقفی کلام) ①۔
وزن شعری: وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مقطوع اور قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے؛ کل اوزان شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحوی نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امام اخفش نے پیش کیا ہے ②۔ (تفصیل ”دستور الطلباء“ میں ملاحظہ فرمائیں)

① فائدہ: بالقصد کی قید سے باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ جیسی مثالیں خارج ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ کلام قافیہ اور وزن پر ضرور ہے؛ لیکن اس میں قافیہ بندھ گیا ہے، بالقصد قافیہ باندھا نہیں گیا، (شعر کا مقابل نثر ہے)۔

ملفوظ: یعنی متکلم کا وہ کلام جو شعر کے ارادے سے (علم عروض کی بحور میں) کسی بحر پر کہا جائے، بحر کا قصد بھی ہو؛ گویا کہ شعر کے لیے دو شرائط ہیں: (۱) بحر کے وزن پر ہونا (۲) بحر کا قصد کرنا، اس قید کی وجہ سے جس طرح کلام اللہ شعر کی تعریف سے خارج ہے، اسی طرح وہ اشعار بھی شعر ہونے سے خارج ہو جائیں گے جن کا پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حالاں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے؛ کیوں کہ اُن میں بلا قصد موزونیت آگئی ہے؛ بلکہ درحقیقت یہ ایک معجزہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر نہ ہونا عجز کی وجہ سے نہیں ہے؛ اس لیے کہ جس شخص کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آجاتی ہو، وہ اگر قصد موزون بنائے تو کس قدر بہترین بنا سکتا ہے!!۔ (مَتَّعَنَا اللَّهُ بَعْلُومِهِ وَفِيُوضِهِ، آمین)

② ملحوظہ: ہمارے عرف میں ”نظم“ بول کر شعر مراد لیا جاتا ہے؛ ورنہ اصطلاح خاص میں نظم کی تعریف عام ہے۔

اوزانِ علم عروض: ارکان، اوزان اور تقاعیل علم عروض: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات و سکنات ہیں جو قواعد علم عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔ وزن شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: اسباب، اوتاد اور فواصل۔

سبب: علم عروض میں دو حرفوں کو سبب سے تعبیر کیا جاتا ہے، پس اگر وہ دونوں حرف متحرک ہوں تو اُسے ”سببِ ثقیل“ کہا جاتا ہے، جیسے: لِمَ، یَک، اور لَک [//]؛ اور اگر پہلا حرف متحرک ہو اور دوسرا ساکن ہو، تو اس کو سببِ خفیف کہتے ہیں، جیسے: هَبْ، لِح [*/]۔

وحد: تین حروف کے مجموعے کو وحد کہتے ہیں، پس اگر اُس میں دو حرف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن ہو تو اُس کو ”وحدِ مجموع“ کہتے ہیں، جیسے: نَعَمْ، غَزَا [*/]؛ اور اگر دو متحرک حرفوں کے درمیان کوئی ساکن حرف ہو تو اُس کو ”وحدِ مفروق“ کہتے ہیں، جیسے: مَاتَ، نَصْرُ [*/]۔

فواصلہ: تین یا چار حرفوں کے بعد ساکن حرف ہو تو اُس کو فاصلہ کہتے ہیں، پس اگر تین حروف متحرک ہو (اور چوتھا ساکن ہو) تو اُس کو ”فواصلہ صغریٰ“ کہتے ہیں، جیسے: سَكَنُوا، مُدْنًا (مُدْنَن) [*/]؛ اور اگر حرف ساکن چار متحرک حروف کے بعد ہو تو اُس کو ”فواصلہ کبریٰ“ کہتے ہیں، جیسے: قَتَلَهُمْ، مَلِكُنَا [*/]۔

تانیہ: (بہ قول امامِ اخفشؒ) بیت کا آخری کلمہ۔

روی: وہ حرف ہے جس پر نظم و قصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے جیسے: قافیۃ اللام، قافیۃ الممیم وغیرہ؛ اسی طرح فواصل آیات کی بنیاد جن حروف پر ہوتی ہے اُسے بھی ”روی“ کہتے ہیں۔

بیت: چند ایسے کلموں کے مجموعے کا نام ہے جن کی ترکیب صحیح ہو، علم عروض کے قواعد کے مطابق موزون ہو جو بالذات متعین بحروں کے مناسب ایک موسیقی ترتیم پیدا کرے۔

مصرع: بیت کے دو حصوں میں سے ہر ایک کو ”مصرع“ کہتے ہیں اور ان دونوں

میں سے پہلے جزو (مصرع) کو ”صدر“ اور دوسرے مصرع کو ”عجز“ کہتے ہیں، جیسے:

”نَبِيَّ الْهُدَى ضَاقَتْ بِي الْحَالُ فِي الْوَرَى“ ❀ ”وَأَنْتَ لِمَا أَمَلْتُ فِيكَ جَدِيرٌ“^①

ملفوظ: بیت کے دو مصرعے ہوتے ہیں، اول کو ”صدر“ اور ثانی کو ”عجز“ کہتے ہیں، اور صدر و عجز کے اجزاء تین ہوتے ہیں: عروض، ضرب، حشو:

عروض: صدر یعنی مصرع اول کا جزء اخیر، جیسے: الْوَرَى.

ضرب: عجز یعنی مصرع ثانی کا جزء اخیر، جیسے: جَدِيرٌ.

حشو: شعر کے عروض اور ضرب کے علاوہ اجزاء کو ”حشو“ کہا جاتا ہے، جیسے مصرع اول میں: نَبِيَّ الْهُدَى ضَاقَتْ بِي الْحَالُ فِي: اور مصرع ثانی میں: وَأَنْتَ لِمَا أَمَلْتُ فِيكَ.

ملفوظ: ایک بیت کو ”مفرد“ اور ”یتیم“ کہتے ہیں، دو بیتوں کو ”ثقفہ“ کہتے ہیں، تین سے چھ بیتوں کے مجموعے کو ”قطعہ“ اور سات سے زائد کے مجموعے کو ”قصیدہ“ کہتے ہیں۔

مطلع: قصیدے کے شروع کا شعر جس کے دونوں مصرعے قافیہ میں یکساں ہوں۔ شاعر اپنے قصیدے میں زیادہ اہتمام مطلع کا کرتے ہیں، کہ مطلع سامعین کے دلوں پر عمدہ نقش چھوڑتا ہے، (غزل یا قصیدے کا پہلا شعر)۔

① اے نبی سرِ پادایت صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں میرا برا حال ہے۔ اور آں حضور سے جو امید باندھوں آپ اس کے لائق ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوالات فصاحت و بلاغت

- ① فصاحت کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟
- ② فصاحت کلمہ کس کو کہتے ہیں؟
- ③ تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس لغوی اور غرابت و کراہت فی السمع کس کو کہتے ہیں؟
- ④ فصاحتِ کلام کس کو کہتے ہیں؟
- ⑤ تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقیدِ لفظی، تعقیدِ معنوی اور کثرتِ تکرار، و متابعِ اضافت کی تعریفات کیا ہیں؟

⑥ بلاغت کی تعریف کریں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

⑦ حال، مقتضائے حال اور مطابقت کی تعریف کریں؟

سوالات علمِ معانی

- ① علومِ بلاغت کتنے ہیں؟
- ② علمِ معانی کی تعریف کیا ہے؟
- ③ علمِ معانی کا موضوع اور غرض و غایت کیا ہیں؟
- ④ علمِ معانی کے کتنے ابواب ہیں؟

سوالات خبر و انشاء

- ① خبر و انشاء کی تعریف کرتے ہوئے کسی ایک کی تعیین کر لیں؟
- ② ارکانِ جملہ (مسند، مسند الیہ) اور قیودات کی تعیین کریں؟
- ③ یہ خبر اسمیہ کی صورت میں ہے یا فعلیہ کی صورت میں؟
- ④ اگر جملہ اسمیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض؛ اور فعلیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض میں سے کیا غرض ہے؟

۵) مذکورہ کلام اگر خبر ہے اور اُس کی غرض حقیقی مراد ہے تو فائدۃ الخبر ہے یا لازم فائدۃ الخبر؟

۶) اگر فائدۃ الخبر ہے تو ابتدائی، طلبی اور انکاری میں سے کیا ہے؟

۷) خبر کی (دس) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

۸) اگر انشاء ہے تو انشائے طلبی ہے یا غیر طلبی؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟

سوالات اقسام انشائے طلبی

۱) اگر یہ انشاء، انشائے طلبی ہے تو اس کی چھ قسموں میں سے کیا ہے؟

۲) اگر امر ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے چار صیغوں میں سے کونسا صیغہ ہے؟

۳) امر کے (تینیس) معانی مجازیہ میں سے کونسا معنی مراد ہے؟

۴) اگر نہی ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے (بارہ) معانی مجازیہ میں سے کونسا

معنی مراد ہے؟

۵) اگر استفہام ہے تو استفہام کا کونسا ادا ہے؟ نیز یہ حرف استفہام طلب تصور کے لیے

ہے یا طلب تصدیق کے لیے؟

۶) ادات استفہام کے (چوبیس) معانی مجازیہ میں سے کونسا معنی مراد ہے؟

۷) تمنیٰ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے چار ادوات میں سے کونسا ادا ہے؟

۸) ادات تمنیٰ ”لیت“ سے دیگر ادات کی طرف عدول کی کیا حکمت ہیں؟

۹) ترجیٰ کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کے ادوات: لعل اور عسیٰ میں سے کون ہے؟

۱۰) اگر ندا ہے تو ندا کی تعریف کیا ہے؟ اور ادوات ندا میں سے کون ہے؟

۱۱) ندا کی (چودہ) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات انشائے غیر طلبی

۱) یہ جملہ اگر انشائے غیر طلبی میں سے ہے تو اس کی (سات) قسموں میں سے کیا ہے؟

۲) کیا خبر، انشاء کی جگہ یا انشاء، خبر کی جگہ واقع ہوئی ہے؟ اگر واقع ہے تو کیوں؟

- ۳) خبر کو انشاء کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کیا ہے؟
 ۴) انشاء کو خبر کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات تعریف و تنکیر

- ۱) تعریف و تنکیر کی تعریفات کیا ہیں؟
 ۲) اگر کلام کا کوئی جز وہ صورتِ معرفہ ہے تو معرفہ کی سات قسموں میں سے کیا ہے؟
 ۳) اگر کلام کا کوئی جز وہ معرفہ ہے اور بہ صورتِ ضمیر ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟
 ۴) اگر کوئی جز وہ صورتِ علم ہے تو اس کی (پانچ) اغراض میں سے کیا ہے؟
 ۵) اگر کوئی جز وہ کلام معرفہ بہ صورتِ اسم اشارہ ہے تو اس کی (گیارہ) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟
 ۶) اگر کوئی جز وہ معرفہ بہ صورتِ اسم موصول ہے تو اس کی (چودہ) اغراض میں سے کیا ہے؟
 ۷) اگر کوئی جز وہ معرفہ باللام ہے تو وہ اجمالی (دو) اور تفصیلی (چھ) قسموں میں سے کیا ہے؟
 ۸) اگر کوئی جز وہ مضاف ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کیا ہے؟
 ۹) اگر کوئی جز وہ منادی ہے تو اس کی (دو) اغراض میں سے کیا ہے؟
 ۱۰) اگر کسی جز کو بجائے معرفہ کے نکرہ لایا گیا ہے تو اس کے (تیرہ) مقاصد میں سے کیا ہے؟
 ۱۱) جملے مسند نکیرہ ہے یا معرفہ؟ اگر نکرہ ہے تو اس کی (چار) اغراض، اور معرفہ ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کیا ہے؟

سوالات تقدیم و تاخیر

- ۱) کلام مذکور میں مسند الیہ یا مسند کی تقدیم ہوئی ہے؟
 ۲) اگر مسند الیہ کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟
 ۳) اگر مسند کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

۴) اگر فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کس غرض سے ہوئی ہے؟

سوالات ذکر و حذف

- ۱) ذکر و حذف کی تعریفات کیا ہیں؟
- ۲) اگر کلام مذکور میں ذکر مسند الیہ و ذکر مسند میں سے ذکر مسند الیہ ہے تو اس کے (بارہ) دواعی میں سے کون ساداعیہ ہے؟
- ۳) اگر مسند کو ذکر کیا ہے تو اس کے (آٹھ) دواعی میں سے کون ساداعیہ ہے؟
- ۴) اگر کوئی جز و کلام محذوف ہے تو مسند الیہ، مسند اور مفعول بہ میں سے کون محذوف ہے؟
- ۵) اگر مسند الیہ کو حذف کیا ہے تو حذف مسند الیہ کے (تیرہ) دواعی میں سے کیا ہے؟
- ۶) اگر مسند کو حذف کیا ہے تو اس کے (نو) دواعی میں سے کون ساداعیہ ہے؟
- ۷) اگر مفعول بہ کو حذف کیا ہے تو اس کے (دس) دواعی میں سے کیا ہے؟

سوالات اطلاق و تقييد

- ۱) اطلاق و تقييد کی تعریفات کیا ہیں؟
- ۲) اگر کلام میں اطلاق ہے تو کیوں؟
- ۳) اگر کلام میں تقييد ہے تو تقييد کلام کی (آٹھ) قيودات میں سے کس کے ذریعے تقييد ہوئی ہے؟
- ۴) اگر ادوات شرط کے ذریعے تقييد ہوئی ہے تو ادوات شرط میں سے کس کے ذریعے تقييد ہوئی ہے؟ اور غرض کیا ہے؟
- ۵) کلام کو ان قيودات سے مقيد کرنے کی وجہ مباحث نحویہ کو مد نظر رکھتے ہوئے بتائیں؟

سوالات قصر

- ۱) قصر کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے ارکان کتنے ہیں؟

۲) چار طرقِ قصر میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کریں؟

- ۳) کیا چار طرقِ قصر کے علاوہ کوئی اور طریقہ قصر اس آیت میں ہے؟
- ۴) اگر یہ قصر حقیقی ہے تو اس کی دو قسموں اور قصر اضافی ہے تو اس کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟
- ۵) قصر موصوف علی الصفت اور قصر صفت علی الموصوف میں سے کیا ہے؟
- ۶) اس جملہ اسمیہ یا فعلیہ میں تعیین مقصور و مقصور علیہ کا اصول کیا ہے؟

سوالات وصل و فصل

- ۱) وصل و فصل کی تعریفات کیا ہیں؟
- ۲) اگر جملے میں عطف مفردات ہے تو تقدیم و تاخیر سے کیا اشارہ ملتا ہے؟
- ۳) کلام کے دو جملوں میں اگر وصل ہے تو - سوائے واو کے - ادوات وصل (حروف عطف) میں سے کون سا حرف عطف ہے؟ اور اس کی غرض کیا ہے؟
- ۴) مذکورہ دو جملوں کے درمیان کمال اتصال، شبہ کمال اتصال، کمال انقطاع، شبہ کمال انقطاع اور توسط بین الکمالین میں سے کیا ہے؟
- ۵) اگر دو جملوں کے درمیان فصل ہے تو وجوب فصل کی پانچ جگہوں میں سے کیا ہے؟
- ۶) اگر وصل بالواو ہے تو وجوب وصل کی دو جگہوں میں سے کیا ہے؟

سوالات ایجاز، اطناب و مساوات

- ۱) ایجاز، اطناب اور مساوات کی تعریفات کیا ہیں؟
- ۲) اگر کلام میں ایجاز ہے تو ایجاز کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
- ۳) ایجازِ قصر ہے تو اس کی کون سی نوع ہے؟
- ۴) دواعی ایجاز میں سے کیا ہے؟
- ۵) اگر ایجاز حذف ہے تو حذف کی چار صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟ اور وہ

محذوف کون ہے؟

- ⑥ اغراضِ حذف میں سے کیا ہے؟
- ④ اخلاص کس کو کہتے ہیں؟ کیا اس عبارت میں حذف کی وجہ سے اخلاص تو نہیں آیا؟
- ⑧ اگر اطناب ہے تو اطناب کی صورتوں میں کون سی صورت ہے؟
- ⑨ اگر تذیل ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
- ⑩ اگر کلام میں اطناب ہے تو (پندرہ) دوائی اطناب میں سے کون سا داعیہ ہے؟

خلافِ مقتضائے حال

- ① کیا کبھی کلام کو مقتضائے حال کے خلاف بھی لایا جاتا ہے؟
- ② اگر کلام کو مقتضائے حال کے خلاف لایا گیا ہے تو اس کی پندرہ اغراض میں سے کیا ہے؟
- ③ اگر التفات ہے تو اس کی چھ صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟
- ④ تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضي ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑤ تعبیر عن الماضي بلفظ المستقبل ہے تو اس کی دو غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑥ قلب ہے تو اس کی کون سی صورت ہے؟
- ⑦ وضع الخبر موضع الانشاء ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑧ وضع الانشاء موضع الخبر ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟
- ⑨ تجاہل عارفانہ ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات علم البیان و تشبیہ

- ① علم بیان کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کیا ہے؟
- ② اس کلام میں علم بیان کے طرق ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟
- ③ اگر تشبیہ ہے تو ارکان تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، ادات شبہ اور وجہ شبہ میں سے کون کون

مذکور ہیں؟

- ④ چار مراتب تشبیہ میں سے کون سا مرتبہ ہے؟
- ⑤ یہ تشبیہ مقبول ہے یا مردود؟
- ⑥ اقسام تشبیہ باعتبار ادات: مرسل و مؤکد میں سے کیا ہے؟
- ⑦ تشبیہ مؤکد ہے تو ترکیب نحوی کے اعتبار سے مشبہ و مشبہ بہ کس صورت میں ہے؟
- ⑧ اقسام تشبیہ باعتبار ذکر وجہ شبہ و عدم ذکر: مجمل و مفصل میں سے کیا ہے؟
- ⑨ کیا یہ تشبیہ، تشبیہ بلیغ یا تشبیہ ضمنی کے قبیل سے ہے؟
- ⑩ اقسام تشبیہ باعتبار انتزاع وجہ شبہ و عدم انتزاع: تمثیل و غیر تمثیل میں سے کیا ہے؟
- ⑪ اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ اور عائد بر مشبہ بہ کی کتنی غرضیں ہیں؟ اور یہاں کون سی غرض ہے؟

سوالات محراز

- ① یہ کلام حقیقت پر محمول ہے؟ یا کلام میں مجاز ہے؟
- ② اس عبارت میں مجاز ہے تو لفظ میں مجاز (مجاز لغوی) ہے؟ یا نسبت میں مجاز (مجاز عقلی) ہے؟
- ③ اگر مجاز لغوی ہے تو وہ مجاز مفرد میں سے ہے؟ یا مجاز مرکب میں سے ہے؟

سوالات مجاز لغوی مفرد و مرکب

- ① مجاز مفرد ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟
- ② اگر مجاز مرسل ہے تو اس کے (اکنیس) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟
- ③ اگر استعارہ ہے تو اس کے ارکان اربعہ (مستعار منہ، مستعار لہ، مستعار اور وجہ جامع) کو بیان کریں؟

۴) استعارہ کی باعتبار احد الطرفین کے ذکر و عدم ذکر کی دو قسموں (تصریحیہ، مکنیہ) میں سے کیا ہے؟

۵) لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسموں (اصلیہ، تبعیہ) میں سے کیا ہے؟
 ۶) ملائم مشبہ و مشبہ بہ کے ذکر و عدم ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسموں (مرشحہ، مجردہ اور مطلقہ) میں سے کیا ہے؟

۷) یہ استعارہ استعارہ تحقیقیہ ہے یا تخیلیہ؟
 ۸) کیا یہ جملہ مجازِ مرکب مرسل کے قبیل سے تو نہیں ہے؟ یعنی: انشاء کو خبر کی جگہ یا خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کیا گیا ہو؟ یا یہ خبر فائدۃ الخبر و لازم فائدۃ الخبر کے علاوہ غرض کے لیے ہو؟
 ۹) کیا یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے تو نہیں ہے؟

سوالات مجازِ عقلی

۱) اس کلام کی نسبت حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہے؟ یا مجازِ عقلیہ کے قبیل سے؟
 ۲) اگر مجازِ عقلی ہے تو اس کا ماحولہ اور غیر ماحولہ کی نیز قرینے کی وضاحت کریں؟
 ۳) مجازِ عقلی کے (آٹھ) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

سوالات کنایہ

۱) اگر کلام میں کنایہ ہے تو کئی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟
 ۲) اس کنایہ کا فائدہ کیا ہے؟
 ۳) کنایہ کی وسائط کے اعتبار سے چار قسموں میں سے کیا ہے؟

سوالات بدیع

بابِ اوّل: متعلق بہ محسنات معنویہ

۱) مذکورہ آیت میں ضدین کو جمع کیا ہے تو طباق کی (تین) قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟
 ۲) اگر دو متناہیین الفاظ کو جمع کیا ہے تو اس کی (چھ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟

- ③ اگر ذو معنیں لفظ مستعمل ہے تو اس کی (چار) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ④ اگر اشیائے متعدّدہ کو جمع کیا ہے تو اس کی (پندرہ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑤ طرّ فین کے تعلق سے (تین) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑥ اگر صفت بیان کی ہے تو اس کے متعلق (بارہ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑦ مضمون کی تحسین سے متعلق (دس) صنعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟
- ⑧ حسنِ کلام سے متعلق (آٹھ) صنعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
- ⑨ ذکر کردہ مضمون کی پختگی کے لیے (نو) صنعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟

بابِ ثانی: متعلق بہ محسنات لفظیہ

- ① دو کلموں کے درمیان جناس تام (تشابہ لفظین) ہے تو اس کی (تین) قسموں میں سے کیا ہے؟
- ② دو کلموں کے درمیان جناس ناقص (اختلاف لفظین) ہے تو اس کی اجمالی (چار) اور تفصیلی (آٹھ) قسموں میں کیا ہے؟
- ③ کلمے کو حسین بنانے کے لیے (تین) صنعتوں میں سے کوئی ہے؟
- ④ اختتام فقرہ سے متعلق (پانچ) صنعتوں میں سے کون کون سی صنعتیں ہیں؟
- ⑤ ابتدا و انتہائے کلام کے اعتبار سے (گیارہ) صنعتوں میں سے کیا ہے؟

فہرست مضامین

مقدمہ			
۱۹	فصاحت		
۲۰	سوالات فصاحت و بلاغت	•	✽
۲۱	فصاحت کی لغوی و اصطلاحی تعریف	•	✽
۲۱	فصاحت کلمہ، وعیوب اربعہ		✽
۲۱	تنافر حروف، مخالفت قیاس لغوی، غرابت، کراہت فی السمع	•	✽
۲۳	فصاحت کلام		✽
...	تنافر کلمات، ضعف تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی، کثرت	•	✽
۲۳	تکرار، تتابع اضافت.....	•	✽
۲۵	بلاغت		
۲۵	بلاغت کی لغوی و اصطلاحی تعریف	•	✽
۲۶	بلاغت کلام، بلاغت متکلم؛ حال، مقتضا، مطابقت	•	✽
علم معانی			
۲۹	علم معانی		
۳۱	تعریف، موضوع، غرض و غایت	•	✽
۳۱	علم المعانی کے ابواب کی تقسیم	•	✽
اجرائے بلاغت کا طریقہ			
۳۳	باب اول: خبر و انشاء		
۳۴	سوالات خبر و انشاء	•	✽

مقدمہ: جملہ خبریہ و انشائیہ		
۳۵	خبر و اقسام خبر	
۳۵	●	خبر صادق، خبر کاذب؛ ارکانِ جملہ: محکوم علیہ، محکوم بہ
۳۷		جملہ فعلیہ
۳۷	●	افادۂ حدوث، استمرارِ تجدیدی
۳۷		جملہ اسمیہ
۳۸	●	ثبوتِ مسند للمسند الیہ، استمرار
۳۸		خبر کی اغراضِ حقیقیہ
۳۹	●	فائدۂ الخبر، لازم فائدۂ الخبر
۳۹	●	اقسام فائدۂ الخبر: خبر ابتدائی، خبر طلبی، خبر انکاری
۴۰		خبر کی اغراضِ مجازیہ
۴۰	●	حَثُّ الِهْمَم، اسْتِرْحَام، اِظْهَارُ الضَّعْف، اِظْهَارُ التَّحَسُّر،
***		اِظْهَارُ الْفَرْح بِمُقْبِل، اِظْهَارُ الشَّمَاتَةِ بِمُذْبِر، اِظْهَارُ
۴۳		السُّرُور، التَّوْبِيخ، اِظْهَارُ الْفَخْر، التَّخْرِیض، تَسْلِيَةٌ...
۴۴	انشاء	
۴۴	●	سوالات مشتمل بر اقسام انشائے طلبی
۴۵	●	انشائے طلبی، انشائے غیر طلبی
اقسام انشائے طلبی		
۴۵		فصل اوّل: بیانِ امر
۴۵	●	امر کی تعریف، صیغہائے امر
۴۷	●	امر کے معانی مجازیہ
***	●	الدُّعَاء، الْاِلْتِمَاس، التَّمَنِّي، التَّهْدِيد، الزَّجْر وَالتَّوْبِيخ،

***	التَّعْجِيزُ، التَّسْوِيَةُ، التَّحْقِيرُ وَالْإِهَانَةُ، الْإِبَاحَةُ، التَّخْيِيرُ		
***	الْأَمْتِنَانِ، الدَّوَامُ، النَّصْحُ وَالْإِرْشَادُ، الْإِثَارَةُ، الْحُثُّ عَلَى		
۵۲	الْإِتِّصَافُ، تَصْوِيرُ الْحَالِ، الْإِكْتِرَامُ.....		
۵۲	فصل ثانی: بیانِ نہی		
۵۲	• نہی کے معانی مجازیہ		
***	التَّحْقِيرُ وَالْإِهَانَةُ، التَّفْطِيعُ وَالتَّهْوِيلُ، الدُّعَاءُ،		
***	الْأَلْتِمَاسُ، التَّمَنِّيُّ، التَّهْدِيدُ، التَّوْبِيخُ، النَّصْحُ		
۵۶	وَالْإِرْشَادُ، التَّيْنِيسُ، بَيَانُ الْعَاقِبَةِ، الْإِثْنَانُ، الدَّوَامُ..		
۵۶	فصل ثالث: بیانِ استفہام		
۵۷	• استفہام کی صورتیں: طلبِ تصوّر، طلبِ تصدیق		
***	• ادوات استفہام: همزة الإستفہام، هل، ما، مَنْ، مَتَى،		
۵۹	أَيَّانَ، كَيْفَ، أَيْنَ، أُنَى، كَمْ، أَيُّ.....		
۵۹	• اقسامِ هل: هل بـ، هل مركبة، همزة وصل میں فرق		
۶۰	• بقیہ ادوات استفہام (حاشیہ)		
۶۲	• استفہام کے معانی مجازیہ		
***	• التَّسْوِيَةُ، التَّفْيُّ، الْإِنْكَارُ، (إِنْكَارِيٌّ تَوْبِيخِيٌّ،		
***	إِنْكَارِيٌّ تَكْذِيبِيٌّ)، الْأَمْرُ، التَّهْيُّ، التَّشْوِيقُ،		
***	* التَّعْظِيمُ، التَّحْقِيرُ وَالْإِسْتِخْفَافُ، التَّوْبِيخُ،		
***	التَّعْجَبُ، التَّقْرِيرُ: (طَلَبُ الْإِقْرَارِ، التَّحْقِيقُ		
***	وَالْإِثْبَاتُ)، التَّهَكُّمُ، الْإِسْتِطَاءُ، الْإِسْتِيعَادُ		
***	وَالْتَّعْجَبُ، التَّنْبِيهُ عَلَى الْخَطَا، التَّنْبِيهُ عَلَى الضَّلَالِ،		
***	التَّهْوِيلُ، التَّمَنِّيُّ، الْوَعِيدُ وَالتَّهْدِيدُ، التَّحْسُرُ،		

۶۹	العِتَاب، التَّذْكِير، الْاِفْتِخَار، التَّرْغِيب.....		
۷۰	فصل رابع وخامس: بیانِ تمنیٰ و ترجیٰ		
۷۰	• تمنیٰ کی تعریف، ادواتِ تمنیٰ، لیت سے عدول کی حکمت		
۷۳	• ترجیٰ کی تعریف، ادواتِ ترجیٰ		
۷۴	فصل سادس: بیانِ ندا		
۷۴	• نداء کی تعریف، نداء کا مقصد، ادواتِ ندا		
۷۷	• نداء کی اغراضِ مجازیہ		
***	• الْاِغْرَاء، التَّائِيسُ وَالْمَلَاظِفَةُ، التَّخْرِيسُ، التَّنْبِيْهُ،		
***	• الزَّجْر، التَّرْحُمُ وَالتَّرْقِيقُ، التَّأْسُفُ، الْاِسْتِغَاثَةُ،		
***	• التُّدْبَةُ، التَّعْجُبُ، التَّحْسُرُ وَالتَّحْزَنُ، التَّحْيِرُ		
۸۰	• وَالتَّضْجُرُ، التَّوَجُّعُ، التَّذْكَرُ.....		
۸۱	انشائے غیر طلبی		
۸۱	• سوالاتِ انشائے غیر طلبی		
۸۲	• انشائے طلبی کی اقسامِ سبعہ		
***	• تَعْجُبُ، قَسَمُ، صِيغَةُ الْعُقُودِ، اَفْعَالُ الرَّجَاءِ، اَفْعَالُ		
۸۴	• الْمَذْحِ وَالذَّمُّ، رُبُّ، كَمُ الْخَبَرِيَّة.....		
۸۴	• خبر کو انشاء کی جگہ لانا		
۸۴	• التَّفَاوُلُ، الْاِخْتِرَازُ عَنْ صُورَةِ الْأَمْرِ، الْحَثُّ عَلَى الْاِمْتِثَالِ		
۸۵	• انشاء کو خبر کی جگہ لانا		
***	• الْاِهْتِمَامُ بِالشَّيْءِ، الرِّضَا بِالْوَاقِعِ كَأَنَّهُ مَطْلُوبُ،		
۸۶	• اِمْتِنَانُ، الْاِخْتِرَازُ عَنْ مُسَاوَاةِ الْاَلْحَقِّ بِالسَّابِقِ....		

۸۷	بابِ ثانی: تعریف و تنکیر	
۸۸	• سوالات تعریف و تنکیر	
۸۹	• تعریف و تنکیر، معرفہ اور اس کے اقسام سبہ	
۸۹	فصل اوّل: ضمیر	
۸۹	• ضمیر لانے کے اسباب	
***	• تَعْيِينُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، كَوْنُ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ: لِلْإِنْسَانِ	
***	وَالطَّمَانِينَةُ؛ كَوْنُ الْمَقَامِ لِلخِطَابِ، كَوْنُ الْمَقَامِ	
۹۱	لِلغَيْبُوتَةِ مَعَ الْاِخْتِصَارِ لِتَقْدِيمِ ذِكْرِهِ.....	
۹۲	فصل ثانی: علم	
۹۳	• علم ذکر کرنے کے دواعی	
***	• إِحْضَارُ الْمَعْنَى فِي ذَهْنِ السَّامِعِ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ،	
***	التَّعْظِيمِ، الْإِهَانَةُ وَالتَّحْقِيرِ، الْاِسْتِلْدَازِ، لَبَيَانِ	
۹۴	الْاِخْتِصَاصُ.....	
۹۴	فصل ثالث: اسم اشارہ	
۹۵	• اسم اشارہ لانے کے دواعی	
***	• تَعْيِنُ طَرِيقًا لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ، لِمَعْنَى تُسْتَفَادُ بِالْقَرِينَةِ	
***	كَالْقُرْبِ، لِبُعْدِ الْمُرْتَبَةِ، لِلتَّعْظِيمِ، لِلتَّحْقِيرِ، لِكَمَالِ	
***	الْعِنَايَةِ بِهِ، لِإِظْهَارِ الْاِسْتِغْرَابِ، التَّعْرِیْضِ بِغَبَاوَةِ	
***	السَّامِعِ، تَمْيِيزُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ أَكْمَلُ تَمْيِيزٍ، تَجَسُّيدُ	
۹۹	الْمَعْنَوِيَّاتِ فِي صُورَةِ مُحْسُوسَةٍ، تَلْخِیْصُ الْكَلَامِ....	
۹۹	فصل رابع: اسم موصول	

۹۹	•	اسم موصول لانے کے دواعی	•
***	•	تَعَيَّنَ طَرِيقٌ لِإِحْضَارِ مَعْنَاهُ، عَدَمَ الْعِلْمِ عَنْ أَمْرِهِ	•
***		سِوَى الصَّلَاةِ، التَّفْخِيمِ، التَّهْوِيلِ، قَصْدُ الْهَدَايَةِ،	•
***		التَّوْبِيخِ، إِخْفَاءِ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ، التَّنْبِيهِ	•
***		عَلَى الْحَطَأِ، التَّهَكُّمِ، الْكَرَاهِيَّةِ، زِيَادَةِ التَّقْرِيرِ	•
***		وَالِإِيضَاحِ، التَّغْلِيلِ (الْإِيْمَاءُ إِلَى وَجْهِ الْخَبَرِ)،	•
۱۰۴		إِرَادَةِ الْعُمُومِ، الْاِخْتِصَارِ.....	•
۱۰۴		فصل خامس: معرف باللام	•
***	•	عہد خارجی: صریحی، کنائی، علمی؛ لام حقیقی: جنسی، استغراقی،	•
۱۰۷		عہد ذہنی.....	•
۱۰۷		فصل سادس: معرفہ بہ اضافت	•
۱۰۸	•	اضافت کی اغراض	•
***	•	الْإِيْجَازُ وَالْاِخْتِصَارُ، لَتَعْظِيمِ الْمُضَافِ، لَتَعْظِيمِ	•
***		الْمُضَافِ إِلَيْهِ، لَتَحْقِيزِ الْمُضَافِ، لَتَحْقِيزِ الْمُضَافِ	•
***		إِلَيْهِ، لِتَعَذُّرِ التَّعَدُّدِ، لِتَعَسَّرِ التَّعَدُّدِ، لِلخُرُوجِ مِنْ	•
***		تَبِعَةٍ تَقْدِيمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ، لِلْاِخْتِصَارِ	•
***		لِضَيْقِ الْمَقَامِ، لِلْاِسْتِعْطَافِ وَالْحَثِّ عَلَى الشَّفَقَةِ،	•
۱۱۰		لِقَصْدِ الْعُمُومِ.....	•
۱۱۰		فصل سابع: معرفہ بہ نداء	•
۱۱۰	•	معرفہ بہ نداء کی اغراض	•
***	•	لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ، الْإِشَارَةُ إِلَى	•

۱۱۱	العِدَّة.....		
۱۱۱	تنکیر		
۱۱۱	فصل اول: تنکیر مسند الیہ		
۱۱۱	• تنکیر مسند الیہ کی اغراض		
***	• تَنْكِيرُ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، قَصْدُ الْإِفْرَادِ، قَصْدُ التَّوْعِيَّةِ،		
***	• قَصْدُ الْجِنْسِ، التَّقْلِيلِ، التَّكْثِيرِ، التَّعْظِيمِ، التَّحْقِيقِ،		
***	• التَّهْوِيلِ وَالتَّخْوِيفِ، الْعُمُومِ بَعْدَ التَّفْصِيلِ، إِخْفَاءِ		
۱۱۵	• الْأَمْرِ، انْتِفَاءِ الْحَضَرِ، تَجَاهُلِ الْعَارِفِ.....		
۱۱۵	فصل ثانی: تنکیر و تعریف مسند		
۱۱۵	• تنکیر مسند کی اغراض		
۱۱۵	• الْإِصَالَةِ، انْتِفَاءِ الْحَضَرِ وَالْعَهْدِ، تَفْخِيمُ الْمُسْنَدِ.....		
۱۱۵	• تعریف مسند اور اس کی اغراض		
***	• إِرَادَةُ الْعَهْدِ، إِفَادَةُ الْقَصْرِ، إِفَادَةُ اللَّطَائِفِ، تَعْظِيمُ		
۱۱۷	• الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ.....		
۱۱۹	بابِ ثالث: تقدیم و تاخیر		
۱۲۰	• سوالات تقدیم و تاخیر		
۱۲۱	فصل اول: تقدیم مسند الیہ		
۱۲۱	• دواعی تقدیم مسند الیہ		
***	• لِلْأَهْمِيَّةِ، لَاتِّبَاعِ الْقَوَاعِدِ، التَّشْوِيقِ إِلَى الْمَتَأَخَّرِ،		
***	• تَعْجِيلُ الْمَسْرَةِ، تَعْجِيلُ الْمَسَاءَةِ، مُرَاعَاةُ التَّرْتِيبِ		
***	• الْوُجُودِيَّ، النَّصُّ عَلَى عُمُومِ السَّلْبِ، النَّصُّ عَلَى		

***	سَلْبُ الْعُمُومِ، التَّخْصِیصُ، تَقْوِیَةُ الْحُكْمِ بِتَكَرَّرِ		
***	الاسْنَادُ، تَاكِيدُ الْحُكْمِ بِغَيْرِ الْاِخْتِصَاصِ،		
۱۲۶	الاسْتِلْذَاذُ، التَّسْبِيحُ.....		
۱۲۶	فصل ثانی: تقدیم مسند		
۱۲۶	• دواعی تقدیم مسند		
***	• كَوْنُهُ عَامِلًا، اِتِّبَاعُ الْقَوَاعِدِ، التَّخْصِیصُ، التَّشْوِیْقُ		
***	إِلَى الْمَتَأَخَّرِ، التَّقْدِیْمُ لِغَرَضِ، الْمَحَافِظَةِ عَلَى وَزْنِ،		
***	الْمَحَافِظَةِ عَلَى سَجْعٍ، لِلتَّبَرُّكِ، لِلتَّفَاوُلِ، كَوْنُ الْمَقْدَمِ		
***	مَحَظَّ السُّوَالِ، كَوْنُ الْمَقْدَمِ مَحَظَّ التَّعْجُبِ، كَوْنُ		
۱۲۹	الْمَقْدَمِ مَحَظَّ الْاِنْكَارِ، سُلُوكِ سَبِيلِ التَّرْقِي.....		
۱۲۹	فصل ثالث: تقدیم معمولاتِ فعل		
۱۳۰	• معمولاتِ فعل کی تقدیم و تاخیر کے دواعی		
***	• التَّكَايُدُ وَتَقْرِیرُ الْحُكْمِ، الْأَهْمِیَّةُ، إِرَادَةُ التَّخْصِیصِ،		
***	الرَّدُّ إِلَى الصَّوَابِ، لِأَمْرِ مَعْنَوِيٍّ، لِسَجْعٍ وَوَزْنِ		
***	شِعْرِ، لِإِصَالَةِ التَّقْدَمِ، الْإِخْلَالُ فِي التَّأخِيرِ بَيِّنَانِ		
۱۳۲	المعْنَى، الْإِخْلَالُ فِي التَّأخِيرِ بِقَوَاعِدِ اللَّغَةِ.....		
۱۳۳	باب رابع: ذکر وحذف		
۱۳۴	• سوالاتِ ذکر وحذف		
۱۳۵	فصل اول: ذکر مسند الیه		
۱۳۵	• دواعی ذکر مسند الیه		
***	• عَدَمُ وَجُودِ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ، زِيَادَةُ التَّقْرِیرِ		

***	والإيضاح، التَّسْجِيلُ عَلَى السَّامِعِ، التَّعْرِضُ		
***	بِغَاوَةِ السَّامِعِ، قِلَّةُ الثَّقَّةِ بِالْقَرِينَةِ لُضْعْفِهَا أَوْ		
***	لُضْعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ، التَّعَجُّبُ، التَّبرُّكُ،		
***	الاستِلْذَازُ، الرَّغْبَةُ فِي إِطَالَةِ الْكَلَامِ، التَّعْظِيمُ،		
۱۳۹	التَّحْقِيزُ، لِفَادَةِ الْهَيْبَةِ.....		
۱۳۹	فصل ثانی: ذکر مسند		
۱۳۹	دوای ذکر مسند	•	
***	تَعْيِينُ كَوْنِهِ فِعْلًا، تَعْيِينُ كَوْنِهِ إِسْمًا، عَدَمُ وُجُودِ	•	
***	مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ، ضَعْفُ تَنْبِهِ السَّامِعِ، التَّعْرِضُ		
***	بِغَاوَةِ السَّامِعِ، زِيَادَةُ التَّقْرِيرِ وَالْإِيضَاحِ،		
۱۴۲	الْحُدُوثُ، الثُّبُوتُ وَالِدَوَامُ.....		
۱۴۳	حذف		
۱۴۳	فصل ثالث: حذف		
۱۴۳	حذف، حذف کے فوائد، حذف کی صورتیں	•	
۱۴۵	فصل رابع: حذف مسند الیه		
۱۴۵	دوای حذف مسند الیه	•	
***	إِخْفَاءُ الْأَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمَخَاطَبِ، تَأْتِي الْإِنْكَارُ	•	
***	عِنْدَ الْحَاجَةِ، التَّنْبِيْهُ عَلَى تَعْيِينِ الْمَحْذُوفِ،		
***	اِخْتِبَارُ تَنْبِهِ السَّامِعِ أَوْ مِقْدَارِ التَّنْبِيْهِ، لَضِيْقِ		
***	الْمَقَامِ، التَّعْظِيمِ، التَّحْقِيزِ، الْمَحَافَظَةِ عَلَى وَزْنِ		

***	وَقَافِيَّة، اِتِّبَاعِ الْقَوَاعِد، كَوْنُ الْمُسْنَدِ لَا يَلِيْقُ إِلَّا بِهِ،		
***	إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى النَّائِبِ، دَلَالَةُ الْقَرَّائِنِ، ظُهُورُ		
۱۵۰	المُسْنَدِ إِلَيْهِ		
۱۵۰	فصل خمس: حذف مسند		
۱۵۰	• دواعی حذف مسند		
***	• اِتِّبَاعِ الْقَوَاعِد، دَلَالَةُ قَرِيْنَةٍ عَلَى تَعْيِينِ الْمُسْنَدِ،		
***	تَعْظِيمِ الْمُسْنَدِ إِلَيْهِ، تَخْفِيزِ الْمُسْنَدِ، الْاِخْتِرَازَ عَنْ		
***	الْعَبَثِ، بِنَاءِ الْجُمْلَةِ عَلَى كَلِمَةٍ، مُحْتَمَلِ الْوَجْهَيْنِ،		
۱۵۲	المَحَافِظَةُ عَلَى وَزْنِ، فَوَاطِئُ الْفُرْصَةِ		
۱۵۳	فصل سادس: حذف مفعول بہ		
۱۵۳	• دواعی حذف مفعول بہ		
***	• المَحَافِظَةُ عَلَى سَجْعِ، المَحَافِظَةُ عَلَى وَزْنِ، تَعْظِيمُ		
***	مَعَ الْاِخْتِصَارِ، الْأَدَبِ، لاسْتِهْجَانِ الذِّكْرِ، تَنْزِيلُ		
***	الْفِعْلِ الْمُتَعَدِّي مَنْزِلَةَ الْاَلْزَمِ، طَلَبُ الْاِخْتِصَارِ،		
***	الْاِيْضَاحَ بَعْدَ الْاِبْهَامِ، لَتَقَدَّمَ ذِكْرُهُ، لَوْضُوحِ		
۱۵۶	المَفْعُولُ بِهِ		
۱۵۷	باب خمس: اطلاق تقييد		
۱۵۸	• سوالات اطلاق وتقييد		
۱۵۹	• اطلاق اور اس کی اغراض		
۱۵۹	• لِلْاِخْفَاءِ، لِعَدَمِ عِلْمِهِ، لِيَذْهَبَ السَّامِعُ كُلُّ مَذْهَبٍ		

۱۵۹	تقیید	
۱۵۹	اعراضِ تقیید	✽
***	• فَوْتُ الْفَائِدَةِ الْمُقْصُودَةِ عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِهِ، كَوْنُ	✽
۱۶۰	الكَلَامِ كَاذِبًا عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِهِ.....	✽
۱۶۰	قیودات	✽
***	• اَدَوَاتُ الشَّرْطِ، اَدَوَاتُ النَّفْيِ، نَوَاسِخُ الْجُمْلَةِ،	✽
۱۷۰	المَقَاعِلُ الْخَمْسَةُ، الْحَالُ، التَّمْيِيزُ، الْمُسْتَثْنَى؛ التَّوَابِعُ	✽
۱۷۱	بابِ سادس: بیانِ قصر	
۱۷۲	• سوالاتِ قصر	✽
۱۷۳	فصل اول: قصر	✽
۱۷۳	• ارکانِ قصر: مقصور، مقصور علیہ؛ طریقِ قصر؛ طرقِ اربعہ	✽
***	• النَّفْيُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ، اِنَّمَا، الْعَظْفُ بِلَا وَبَلْ وَلَكِنْ،	✽
۱۷۶	تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ.....	✽
۱۷۷	• مزید طرقِ قصر، تعیینِ مقصور مقصور علیہ	✽
۱۷۹	فصل ثانی: اقسامِ قصر	✽
۱۷۹	• قصرِ حقیقی: قصرِ حقیقی تحقیقی، قصرِ حقیقی ادعائی	✽
۱۸۰	• قصرِ اضافی: قصرِ افراد، قصرِ تعیین، قصرِ قلب	✽
۱۸۲	• قصرِ موصوف بر صفت، قصرِ صفت بر موصوف	✽
۱۸۴	• تعیینِ قصرِ موصوف و صفت	✽
۱۸۴	• قصرِ در اجزائے جملہ اسمیہ، قصرِ در اجزائے جملہ فعلیہ	✽

۱۸۶	بابِ سابع: بیان وصل و فصل		
۱۸۹	سوالات وصل و فصل	•	✽
۱۸۸	تعریفات وصل و فصل، محسنات وصل و فصل، وصل و فصل کی	•	✽
***	اجمالی صور خمسہ، اصطلاحات وصل و فصل.....	•	✽
***	کَمَالُ الْاِتِّصَالِ، شِبْهُ کَمَالِ الْاِتِّصَالِ، کَمَالِ	•	✽
***	الانْقِطَاعِ، شِبْهُ کَمَالِ الْاِنْقِطَاعِ، تَوْسُطُ بَيْنَ		✽
۱۹۴	الکَمَالَيْنِ.....		✽
۱۹۴	مواضع فصل، مواضع وصل	•	✽
۱۹۹	بابِ ثامن: ایجاز، اطناب، مساوات		
۲۰۰	سوالات ایجاز، اطناب و مساوات	•	✽
۲۰۲	فصل اوّل: ایجاز		✽
۲۰۲	اخلال (حاشیہ)	•	✽
۲۰۳	ایجاز کی دو صورتیں: ایجازِ قصر، ایجازِ حذف	•	✽
۲۰۴	ایجازِ قصر کی انواع	•	✽
***	کَوْنُ الْحَضَرِ فِي الْكَلَامِ، بَابُ الْعَطْفِ، بَابُ النَّائِبِ	•	✽
***	عَنِ الْفَاعِلِ، بَابُ الضَّمِيرِ، كَلِمَاتُ التَّنْيَةِ وَالْجَمْعِ،		✽
***	أَدَوَاتُ الشَّرْطِ وَالْاِسْتِفْهَامِ، الْأَدَوَاتُ الَّتِي تَدُلُّ		✽
۲۰۵	عَلَى الْعُمُومِ، بَابُ التَّنَازُعِ، وَحَذْفُ الْمَفْعُولِ . . .		✽
۲۰۵	دواعی ایجاز	•	✽
***	تَسْهِيلُ الْحِفْظِ، تَقْرِيبُ الْفَهْمِ، ضَيْقُ الْمَقَامِ، دَفْعُ	•	✽

۲۰۵	السَّامَةِ، الإخْفَاءُ		
۲۰۵	ایجازِ حذف اور اس کے فوائد اربعہ، ایجازِ حذف کی چار صورتیں	•	
***	حَذْفُ حَرْفٍ، حَذْفُ كَلِمَةٍ، حَذْفُ جُمْلَةٍ، حَذْفُ	•	
۲۰۷	الأَكْثَرُ مِنْ جُمْلَةٍ		
۲۰۷	حذف کلمہ کی مختلف صورتیں اور حذف کی اغراض	•	
۲۰۹	فصل ثانی: اطناب و مساوات		
۲۰۹	اِطناب، اطناب کی مختلف صورتیں	•	
***	ذِكْرُ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ، ذِكْرُ الْعَامِّ بَعْدَ الْخَاصِّ،	•	
***	الْإِيضَاحُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ، التَّكْرِيرُ لِمَعْرُضٍ، - كَالْتَقْرِيرِ،		
***	وَالْتَذْكِيرُ وَالتَّائِيدُ، وَالتَّعْظِيمُ وَالتَّهْوِيلُ، وَالْحَثُّ		
***	عَلَى التَّدْبِيرِ وَالتَّذْكَرِ، وَإِظْهَارِ الضُّعْفِ؛ - الزِّيَادَةُ		
***	وَالْتَقْرِيرِ، تَكْثِيرُ الْجَمَلِ، التَّوَكُّيدُ، النَّعْثُ، طَوْلُ		
***	الْفَصْلِ، الِاعْتِرَاضُ، الْاِحْتِرَاسُ وَالتَّكْمِيلُ، الْإِيغَالُ،		
۲۱۶	التَّثْمِينُ، التَّوْشِيْعُ، التَّذْيِيلُ		
۲۱۶	اطناب کی مزید انواع	•	
۲۱۷	اطناب کے چار دواعی	•	
۲۱۷	تَثْبِيْتُ الْمَعْنَى، تَوْضِيْحُ الْمَرَادِ، التَّوَكُّيدُ، دَفْعُ الْإِبْهَامِ	•	
۲۱۷	مُساوات	•	
تمہ علم معانی			
۲۱۹	کلام خلاف مقتضائے حال کے سوالات	•	
۲۲۰	کلام خلاف مقتضائے ظاہر کی پندرہ انواع	•	

علم بیان

۲۳۰	●	علم بیان کی تعریف، موضوع، غرض و غایت	●
۲۳۱		باب اول: تشبیہ	
۲۳۲	●	سوالات تشبیہ	●
۲۳۳		فصل اول: ارکان و اقسام تشبیہ	●
۲۳۳	●	تشبیہ، ارکان تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، ادات تشبیہ	●
۲۳۳	●	تشبیہ کے مراتب اربعہ	●
۲۳۵		فصل ثانی: تقسیمات تشبیہ	●
***	●	طرفین محسوس، طرفین معقول، مشبہ معقول مشبہ بہ محسوس،	●
۲۳۵	●	مشبہ محسوس مشبہ بہ معقول (حاشیہ).....	●
۲۳۶	●	① مقبول، مردود.....	●
۲۳۷	●	② مرسل، مؤکد.....	●
۲۳۸	●	③ مفصل، مجمل؛ تشبیہ بلیغ، تشبیہ ضمنی.....	●
۲۴۰	●	④ تشبیہ تمثیل، تشبیہ غیر تمثیل.....	●
۲۴۲	●	وجہ شبہ کی حقیقت اور اس کی صور خمسہ۔	●
۲۴۲	●	اقسام تشبیہ بہ اعتبار افراد و ترکیب (حاشیہ).....	●
۲۴۴		فصل ثالث: اغراض تشبیہ	●
***	●	اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ: بیان امکان وجود مشبہ، بیان	●
***	●	حال مشبہ، مقدار حال مشبہ، تقریر حال مشبہ، تحسین مشبہ،	●
۲۴۷		تفہیم مشبہ.....	●
۲۴۷	●	اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ: بیان ایہام، بیان اہتمام؛	●

۲۴۷	تشبیہ مقلوب.....	•	✽
۲۴۹	بابِ ثانی: مجاز و استعارہ		
۲۵۰	سوالاتِ حقیقت، مجاز، استعارہ	•	✽
۲۵۱	فصلِ اوّل: مجازِ لغوی مفرد و مرکب		✽
۲۵۱	تعریفاتِ حقیقت و مجاز، علاقہ و قرینہ	•	✽
۲۵۲	فصلِ ثانی: تقسیماتِ مجاز		✽
***	مجازِ لغوی، مجازِ عقلی	•	✽
***	مجازِ لغوی: مجازِ مفرد، مجازِ مرکب	•	✽
***	مجازِ مفرد: مجازِ مرسل، استعارہ	•	✽
۲۵۲	مجازِ مرکب: استعارہ تمثیلیہ، مجازِ مرسل مرکب	•	✽
۲۵۲	فصلِ ثالث: مجازِ مرسل اور اس کے علاقے		✽
***	① السَّبَبِيَّةُ، الْمَسْبَبِيَّةُ، الْجُزْئِيَّةُ، الْكُلِّيَّةُ، الْمَحَلِّيَّةُ،	•	✽
۲۵۵	الْحَالِيَّةُ، اِعْتِبَارُ مَا كَانَ، اِعْتِبَارُ مَا يَكُونُ.....		✽
***	② اِطْلَاقُ الْمَطْلُوقِ وَارَادَةُ الْمُقَيَّدِ، اِطْلَاقُ الْمُقَيَّدِ	•	✽
***	وَارَادَةُ الْمَطْلُوقِ، اِطْلَاقُ الْخَاصِّ وَارَادَةُ الْعَامِّ،		✽
***	اِطْلَاقُ الْعَامِّ وَارَادَةُ الْخَاصِّ، حَذْفُ الْمُضَافِ،		✽
***	حَذْفُ الْمُوصُوفِ، اِطْلَاقُ الشَّيْءِ وَارَادَةُ		✽
***	الْمُتَعَلِّقِ، اِطْلَاقُ آلَةِ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ،		✽
***	اِطْلَاقُ أَحَدِ الْبَدَلَيْنِ عَلَى الْآخَرِ، اِطْلَاقُ		✽
***	التَّكْرَرِ وَارَادَةُ الْعُمُومِ، اِطْلَاقُ أَحَدِ الضَّدَّيْنِ		✽
***	عَلَى الْآخَرِ، اِطْلَاقُ الْمَعْرِفِ بِاللَّامِ عَلَى		✽

***	التَّكْرَرُ، حَذْفُ الْحَرْفِ وَالْكَلِمَةِ، زِيَادَةُ الْحَرْفِ		
۲۵۷	وَالْكَلِمَةُ		
۲۵۷	③ إِطْلَاقُ الصِّيْغَةِ عَلَى الْآخَرَى: إِطْلَاقُ الْمُصَدَّرِ	●	
***	عَلَى اسْمِ الْمَفْعُولِ، إِطْلَاقُ اسْمِ الْفَاعِلِ عَلَى		
***	الْمُصَدَّرِ، إِطْلَاقُ اسْمِ الْفَاعِلِ عَلَى اسْمِ الْمَفْعُولِ،		
***	إِطْلَاقُ اسْمِ الْمَفْعُولِ عَلَى اسْمِ الْفَاعِلِ؛ إِطْلَاقُ		
***	الْمُفْرَدِ عَلَى التَّثْنِيَةِ، إِطْلَاقُ التَّثْنِيَةِ عَلَى الْمُفْرَدِ،		
***	إِطْلَاقُ الْجَمْعِ عَلَى الْمُفْرَدِ، إِطْلَاقُ الْجَمْعِ عَلَى		
۲۵۹	التَّثْنِيَةِ		
۲۵۹	ضمیمہ:		
۲۵۹	● فوائد مجاز مرسل		
۲۶۰	فصل رابع: استعارہ		
۲۶۱	● ارکان استعارہ و اقسام استعارہ		
۲۶۱	● ارکان استعارہ: مستعار لہ، مستعار منہ، لفظ مستعار، وجہ جامع		
۲۶۱	● طریقہ احراء		
۲۶۲	● استعارہ اور تشبیہ بلیغ میں فرق		
۲۶۲	فصل خامس: اقسام استعارہ		
۲۶۲	● ① اقسام استعارہ، بہ اعتبار ذکر مستعار منہ: تصریحیہ، مکنیہ		
***	● ② اقسام استعارہ، بہ اعتبار لفظ مستعار: استعارہ اصلیہ،		
۲۶۳	● استعارہ تبعیہ		
۲۶۵	● ③ اقسام استعارہ، بہ اعتبار ذکر ملانم: مرشحہ، مجردہ، مطلقہ		

۲۶۷	●	اقسام استعارہ، بہ لحاظ ار مستعار لہ حسی و عقلی: ***
۲۶۷	●	استعارہ تحقیقیہ، استعارہ تخیلیہ.....
۲۶۸		فصل سادس: مجاز مرکب
۲۶۸	●	تعریف مجاز مرکب، مجاز مرسل مرکب، استعارہ تمثیلیہ
۲۷۳		فصل سابع: مجاز عقلی
۲۷۳	●	اسناد کی دو قسمیں: حقیقت عقلیہ، مجاز عقلیہ؛ قرینہ
۲۷۴	●	مجاز عقلی کے علاقے
***	●	الْمُلَابَسَةُ بَيْنَ الْفِعْلِ وَمَفْعُولِهِ، الْمُلَابَسَةُ بَيْنَ
***		الْفِعْلِ وَفَاعِلِهِ، الْمُلَابَسَةُ بَيْنَ الْفِعْلِ وَمَصْدَرِهِ،
***		الزَّمَانِيَّةُ، الْمَكَانِيَّةُ، السَّبَبِيَّةُ، إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى
***		الْجِنْسِ، إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلَى مَا هُوَ لَهُ مَزِيدُ اخْتِصَاصٍ
۲۷۸		بِالْفَاعِلِ الْحَقِيقِيِّ.....
۲۷۵	●	اسناد حقیقی سے مراد (حاشیہ)
۲۷۹		بابِ ثالث: کنایہ
۲۸۰	●	سوالات کنایہ
۲۸۱		فصل اوّل: تعریف کنایہ
۲۸۲	●	کنایہ و مجاز میں فرق
۲۸۳		فصل ثانی: اقسام کنایہ
۲۸۳	●	اقسام کنایہ بہ اعتبار مطلوب
۲۸۳	●	کنایہ عن صفت، کنایہ موصوف، کنایہ عن نسبت
۲۸۵	●	اسلوبِ کنایہ کے فوائد اربعہ

۲۸۶	اقسام کنایہ باعتبار وسائط	•	✽
۲۸۶	تلویح، رمز، ایماء و اشارہ، تعریض	•	✽

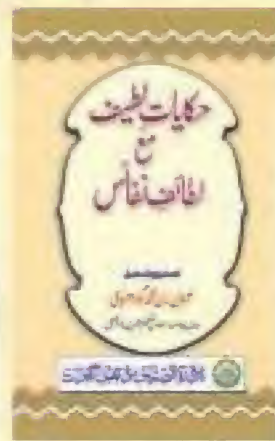
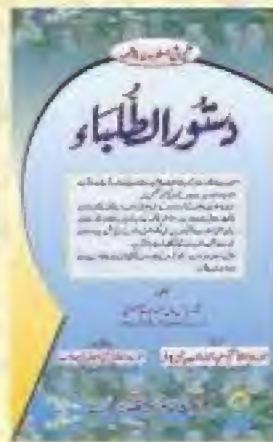
بدیع القرآن

۲۹۰	سوالات بدیع	•	✽
۲۹۲	باب اول: محسنات معنویہ		
	متعلق بہ اجزائے کلام		
۲۹۳	فصل اول: جمع ضدین	✽	
۲۹۳	الطَّبَاقُ الْحَبْلِيُّ	•	✽
۲۹۳	باعتبار کلمہ طباق کی صورتِ رابعہ	•	✽
***	اقسام طباق باعتبار نسبت	•	✽
۲۹۵	الطَّبَاقُ الْإِيْجَائِيّ، الطَّبَاقُ السَّلْبِيّ.....	•	✽
***	طباق کی مزید صورتیں	•	✽
۲۹۶	طَبَاقُ الْحَقِّيّ، طَبَاقُ التَّضْيِيجِ، طَبَاقُ الْمُقَابَلَةِ.....	•	✽
۲۹۸	فصل ثانی: در جمع متناسبین	✽	
***	مُرَاعَاةُ التَّظْيِيرِ، إِيْهَامُ التَّنَاسُبِ، تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ	•	✽
***	مَعْنَى، تَشَابُهُ الْأَطْرَافِ لَفْظًا، الْإِرْصَادُ وَالتَّسْهِيمُ،		✽
۳۰۰	المَشَاكَلَةُ.....		✽
۳۰۱	فصل ثالث: لفظ ذو معنیین	✽	
***	التَّوْرِيَّةُ، التَّوْرِيَّةُ الْمَجْرَدَةُ، التَّوْرِيَّةُ الْمُرَشَّحَةُ،	•	✽
۳۰۲	الاسْتِخْدَامُ، التَّرْدِيدُ، التَّوْجِيْهُ.....		✽

۳۰۵	فصل رابع: اشیائے متعدده	
***	• الجمع، التفریق، التقسیم، الجمع مع التفریق،	
***	الجمع مع التقسیم، الجمع مع التفریق والتقسیم،	
۳۰۹	الجمع المؤتلف والمختلف.....	
۳۰۹	التقسیم بلف ونشر: لف ونشر مفصل مرتب،	
۳۱۰	لف ونشر مفصل غیر مرتب.....	
۳۱۱	الترتیب، التدریج من الاعلیٰ الى الاذنی، الترقی من	
۳۱۲	الاذنی الى الاعلیٰ، التعدید، الاطراد.....	
۳۱۳	فصل خامس: تقدیم و تاخیر	
***	• العکس والتبدیل، مالا یستحیل بالانعکاس،	
۳۱۵	التصدیق.....	
۳۱۶	فصل سادس: اثبات صفت	
***	• المبالغة، التبلیغ، الإغراق، الغلو؛ التوفیر،	
***	التجريد، الإيهام والتوجيه، الاستتباع، الإدماج،	
***	تأكيد المدح بما يشبه الذم، تأكيد الذم بما يشبه	
۳۲۲	المدح، الهزل يراد به الجد.....	
۳۲۳	فصل سابع: متعلق به حسن كلام	
***	• الفرائد، الزاخرة، الاقتدار، ائتلاف اللفظ مع	
۳۲۸	المعنى، الانسجام، التهذيب، الرداف، الإبداع.....	
۳۲۹	فصل ثامن: تحسین مضمون	

***	حُسْنُ النَّسَقِ، إِرْسَالُ الْمَثَلِ، الإِسْتِطْرَادُ، الإِفْتِدَانُ،	•	✽
***	الْمُعَايِرَةُ، الْمُرَاجَعَةُ، التَّنْكِيْتُ، الالْتِفَاتُ، تَجَاهُلُ		✽
۳۳۶	الْعَارِفُ.....		✽
متعلق بہ مضمون کلام			
۳۳۷	فصل تاسع: اشبات مضمون		✽
***	التَّكْرِيرُ، أُسْلُوبُ الْحَكِيمِ، الْمَذْهَبُ الْكَلَامِيُّ،	•	✽
***	الْإِثْبَاتُ، التَّسْلِيمُ، الْقَوْلُ بِمُوجِبِ الْعِلَّةِ، الْقَسَمُ،		✽
۳۴۴	حُسْنُ التَّعْلِيلِ، الْمُوَارَبَةُ.....		✽
۳۴۵	باب دوم: محسنات لفظیہ		
۳۴۶	فصل اول: تشابہ لفظین		✽
***	الْجِنَاسُ: الْجِنَاسُ التَّامُّ، الْجِنَاسُ الْمُمَاطِلُ، الْجِنَاسُ	•	✽
***	الْمُسْتَوْفِي، الْجِنَاسُ التَّرْكِيبِيُّ: الْجِنَاسُ الْمُتَشَابِهُ،		✽
۳۴۶	الْجِنَاسُ الْمَفْرُوقُ.....		✽
۳۴۷	فصل ثانی: اختلاف لفظین		✽
***	الْجِنَاسُ الْغَيْرُ التَّامُّ، الْجِنَاسُ الْمُضَارِعُ، الْجِنَاسُ	•	✽
***	الْإِلْحَاقُ، الْجِنَاسُ التَّاقِصُ: الْجِنَاسُ الْمُطَرَّفُ،		✽
***	الْجِنَاسُ الْمُذَيَّلُ؛ الْجِنَاسُ الْمُحَرَّفُ، الْجِنَاسُ		✽
***	الْمُصَحَّفُ، الْجِنَاسُ الْقَلْبُ، الْجِنَاسُ الْإِشْتِقَاقُ،		✽
۳۵۲	الْجِنَاسُ الشَّبِيهِ بِالِإِشْتِقَاقِ.....		✽
۳۵۳	فصل ثالث: متعلق بہ تحسین کلمہ		✽

۳۵۳	•	اِثْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ، التَّوْزِيعُ، الحَذْفُ.....	•
۳۵۴		فصل رابع: متعلق بہ اختتام فقرہ	•
***	•	السَّجْعُ: السَّجْعُ الْمُرَّصَعُ، السَّجْعُ الْمُتَوَازِي،	•
***		السَّجْعُ الْمُطَرَّفُ، لُزُومٌ مَّا لَا يَلْزَمُ، الْمُمَائِلَةُ،	•
***		السَّجْعُ الْقَصِيرُ، السَّجْعُ الطَّوِيلُ، رَدُّ الْعَجْزِ عَلَى	•
۳۶۱		الصَّدْرُ، التَّشْرِيعُ.....	•
۳۶۳		حسامتہ: متعلق بہ تحسین کلام	
۳۶۴	•	حُسْنُ الْاِبْتِدَاءِ، بَرَاعَةُ الْاِسْتِہْلَالِ، بَرَاعَةُ	•
***		الْمَقْطَعِ، حُسْنُ التَّخْلِصِ، الْعُنْوَانُ، الْاِقْتِضَابُ،	•
***		بَرَاعَةُ الطَّلَبِ، الْاِقْتِبَاسُ، الْاِسْتِشْہَادُ، التَّضْمِینُ،	•
۳۷۳		التَّلْمِیحُ، حُسْنُ الْاِنْتِہَاءِ، بَرَاعَةُ الْمَقْطَعِ.....	•
۳۷۴	•	ضمیمہ: سرقاتِ شعریہ	•
***	•	النَّسْخُ وَالْاِنْتِحَالُ، الْمَسْخُ وَالْاِغَارَةُ، السَّلْخُ	•
۳۷۸		وَالْاِلْمَامُ، الْعَقْدُ وَالْحُلُّ.....	•
۳۷۹	•	کلام غیر کو اپنے کلام میں داخل کرنے سے متعلق نقشہ	•
۳۸۰	•	ضروری اصطلاحاتِ شعریہ	•
۳۸۴	•	اجرائے فصاحت کے جملہ سوالات	•
۳۹۳	•	فہرست مضامین	•



IDARATUSSIDDEEQ

DABHEL, DIST. NAVSARI GUJARAT, INDIA

CELL. +919913319190, 9904886188

